

کلیاتِ اقبال

(حصہ اول)

پروفیسر
ایم۔ اے۔ اقبال
پیشوا



گلیاتِ اقبال اُردو

اقبالؔ

گلیاتِ اقبال

کلیاتِ اقبال (اردو) خصوصی ایڈیشن

بجملہ حقوق بحق اقبال اکادمی پاکستان محفوظ ہیں۔

پروفیسر شہرست بخاری

ناظم اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

۱۹۹۰ء مطابق ۱۱-۱۲-۱۳۱۰ھ

۳۵۰۰

۲۶۰ روپے

استقلال پریس، لاہور

ناشر

سال اشاعت

تعداد

قیمت

منبع

کلیاتِ اقبال
ب

ISBN 969-416-000-6

بہ اہتمام

اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

الفقه المبرمج

لوح بھی تو ملے بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبلینہ ز ملک تیرے محیط میں حساب !

عالمِ آب و خاک میں تیرے طہور سے فروغ
فدۂ رنگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب !
شکستِ سحر و سحریم تیرے جلال کی سرور !
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال ہے نقاب !

شوقِ ترا اگر نہ ہو میری ناز کا امام
میرا قیام بھی محراب میرا سجود بھی حجاب !
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقلِ غیاب جستجو عشقِ حضورِ افلاک !

۲
میرا نام

مجلس تدوین و طباعت :

سرپرست : ڈاکٹر جاوید اقبال

نگران تدوین : پروفیسر محمد منظور نگران اشاعت : پروفیسر شہرت نجاری

مجلس مشاورت :

رشیہ حسن خان، ڈاکٹر حبیب قرشی، ڈاکٹر خواجہ مستند لریا،

مشفق خواجہ، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صابر کلوروی، ڈاکٹر تحسین فراقی،

محمد اکرام چغتائی، محمد سیل عمر، ڈاکٹر حبیب عشرت

مجلس منتظمہ :

مدیر تدوین : محمد سیل عمر مدیر منتظم : ڈاکٹر حبیب عشرت

تصنیع متن و نظر ثانی : ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی شان الحق حق، احمد جاوید

تصنیع کتابت : انور جاوید

خطاطی : جمیل احمد قرشی تنویر قسم

ترئین و آرائش : ذوالفقار احمد

زیرِ ہستم : اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا.....

فن شاعری سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی، ہاں بعض
مقامات خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے حالات و
روایات کی رُو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے ورنہ

نہ بے بسی خیر ازاں مردِ فردوست
کہ برمن تہمتِ شعرو سخن بست

اقبالؔ

غزاجِ عقیدت

کلیاتِ اقبال

”شعرا اقوام میں بازنپید کرتے ہیں۔ ملٹن،
 شکسپیئر، بائرن، غمبیر نے قوم کی بے بہا خدمت کر
 ہے۔ کارلائل نے شکسپیئر کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے
 ایک انگریز کا ذکر کیا ہے۔ اُسے جب شکسپیئر اور
 دولتِ برطانیہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے
 کا اختیار دیا گیا تو اُس نے کہا ”میر شکسپیئر کو
 کسی قیمت پر نہ دوں گا“ اگو میرے پاس سلطنت
 نہیں ہے، لیکن اگر سلطنت مل جائے اور اقبال اور
 سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی
 نوبت آئے تو میں اقبال کو منتخب کروں گا۔“

قائد اعظمؒ

کلیاتِ اقبال

ح

”اقبال کے لئے اپنی شخصیت عالمگیر ہے۔ وہ بڑے
 ادیب بلند پایہ شاعر اور مفکر اعظم تھے لیکن اس حقیقت
 کو میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بہت بڑے سیاستدان
 بھی تھے..... مرحوم دورِ حاضر میں اسلام کے
 بہترین شارح تھے کیونکہ اس زمانے میں اقبال
 سے بہت سے اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا۔ مجھے اس
 امر کا فخر حاصل ہے کہ ان کے قیادت میں ایک
 سپاہیوں کے حشیت سے کام کرنے کا مجھے موقع
 ملے چکا ہے۔ میں نے ان سے یادہ و فنلوار
 رفیق اور اسلام کا شدید دشمن نہیں دیکھا۔“

قائد اعظمؒ

”اقبال کی شاعری نے نوجوان مسلمانوں میں بیداری پیدا کر دی ہے اور بعض نے
یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جس بیجا کا انتظار تھا وہ آ گیا ہے۔“

(نیکمسن)

”ہندوستان میں حرکت تجدید نے اپنا ممتاز ترین ظہور سر مستد اقبال کی
شاعری میں حاصل کیا ہے۔“

(سر طابرس آرنلڈ، برطانیہ)

”شاید یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم ایک صوفی خاندان
میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد مرحوم ایک خوش اوقات صوفی صوفی تھے
اور ان کے ہاں آنے والے دوستوں کا مذاق بھی یہی تھا اور اسی ماحول میں اقبال
کی پرورش ہوئی۔“

(سید سلیمان ندوی، پاکستان)

”در ویدہ معنی نگہباں حضرت اقبال
پیغمبر تھے کرو پیغمبر تو ان گفت“

(مولانا غلام قادر گرامی)

”ہندوستان کے اردو دانوں کی زبان پر آج کل اقبال کا ہی چرچا ہے۔“
(قاضی نذیر الاسلام، بنگلہ دیش)

”محمّد اقبالؑ ہمارے عہد میں اسلامی فکر اور انسانی و بین المللی اسلامی بصیرت کے منظر ہیں۔“

”میں جب بھی اقبالؑ کے بارے میں سوچتا ہوں، میں اُن کو علیؑ کو نہ (علیؑ نما) پاتا ہوں یعنی ایک ایسا انسان جو علیؑ کی سنت کا پیرو ہے، لیکن وہ انسان بیسویں صدی کی انسانی استعداد کے کیف و کم کا بھی مستل نمونہ ہے۔“

(ڈاکٹر علی شریعتی، ایران)

”بیٹے گرفت اقبالؑ رسید
بیدلاں را نوبت حلے رسید
قرن حاضر حاصتہ اقبالؑ گشت
واحدے کہ صد ہزاراں برگزشت
این سلائے می فرستم سوتے یار
بے ریاترا از نسیم نوبستار

(عالم الشعراء بہار، ایران)

”اقبالؑ ہمارے لیے مسیحا بن کر آیا ہے اور اُس نے مُردوں میں زندگی کی لہر دوڑادی ہے۔“

(شمس العلماء ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری)

”وہ باوجود اتنا بڑا مشہور شاعر نہیں ہے بلکہ اپنے
پیام سے امتِ نبوت کی جانشینی کا حق ادا کر رہا ہے۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں
جو اقبال شناس ہو جائیں!“

(مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ)

”شاعری میں مابعد الطبیعیاتی صداقتوں کے معیار پر اگر آج کے اپنے شعراء
کی پرکھ کی جلتے تو مجھے صرف ایک ہی زندہ شاعر نظر آتا ہے جو کم عیار ثابت نہ
ہوگا اور یہ بھی طے ہے کہ وہ ہمارے عقیدے اور نسل کا شاعر بھی نہیں ہے، میری
مراد مستند اقبال سے ہے۔“

(سرہربٹ ریڈ، ۱۹۲۱ء)

”اقبالؒ کی شاعری کی خاص غایت تھی۔ مولانا حالیؒ کی طرح اقبالؒ نے
بھی اپنی شاعری سے قوم اور ملک کو جگانے اور رہنمائی کا کام لیا۔ یہ اُس کے
خیال اور فکر کی قوت اور جدت تھی جس نے اُس کے کلام اور طرز بیان میں
زور اور جوش پیدا کر دیا۔“

(بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق)

”علامہ اقبالؒ کا شمار بیسویں صدی کے عظیم ترین شعراء اور مفکرین میں کیا جاتا
ہے۔ اُن کی حیات ہی میں انھیں شاعرِ مشرق کہا جانے لگا۔“

(نیکولائی گلیبوف، روس)

”اقبالؑ — ایک شاعر، جس نے زمانے پر اپنا سکہ بٹھا دیا۔“

(ڈاکٹر طہ احسن برصہ)

”صرف سرزمینِ پاکستان کے لیے نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ آزادیِ وطن پرستی اور فضیلت کے لیے کوشاں تمام مسلمانوں اور انسانوں کی خدمت کرنے والے شاعر اقبال ہیں۔“

(ڈاکٹر عبد القادر کراچان، ترکی)

”اقبالؑ کا سارا کلام پڑھنے کے بعد ایک سیدھی سادی بات جو ایک عامی کی سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو پہچانے اور ان سے کام لے۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق رکھے۔ اسلامی تعلیمات کی عمر کی روح کو سمجھے اور اس پر عمل کرے تو وہ حقیقت میں حشدِ اکابر بن سکتا ہے اور اپنی تقدیر کا آپ مالک بن سکتا ہے۔“

(عزیز احمد)

”ہم اقبالؑ کو عہدِ جدید کا زبردست شاعر اسلامی، مجددِ ملت اور اسلامی اُمتِ کلاب کا سب سے بڑا داعی کہتے ہیں۔“

(مولانا سعید احمد کسبر آبادی)

”ڈاکٹر اقبال اپنی وفات سے ہمارے ادب میں ایسی جگہ خالی کر گئے ہیں جس کا لکھاؤ مدتِ مدید میں بھی مُستند مل نہیں سوسکتا۔ ہندوستان کا رتبہ آج دُنیا میں اتنا کم پایہ ہے کہ ہم کسی حالت میں ایسے شاعر کی کمی برداشت نہیں کر سکتے، جن کے کلام نے عالمگیر مقبولیت حاصل کر لی ہو۔“

(راپندر ناتھ ٹیکور، بھارت)

”اگر جلال الدین رومیؒ اس زمانے میں جی اُٹھیں تو وہ مُحمد اقبال ہی ہوں گے۔ ساتویں صدی کے جلال اور چودھویں صدی کے اقبال کو ایک ہی سمجھنا چاہیے۔“

(ڈاکٹر عبد الوہاب عزام، مصر)

”یہ بھی ہمارے شہنشاہانہ طرزِ حکومت کا ایک کرشمہ ہے کہ اقبال جیسا شاعر جس کا نام لڑشتہ دس برس سے اُس کے ہم وطن مسلمانانِ ہند میں نیچے نیچے کی زبان پر ہے، اُس کے کلام کا ترجمہ اس قدر عرصے کے بعد جا کر ہمارا زبان میں چوکے۔ ہندوؤں میں جو مرتبہ ٹیکور کو حاصل ہے وہی مسلمانوں میں اقبال کو ہے اور زیادہ صحیح طور پر اس لیے کہ ٹیکور کو بنگال سے باہر اُس وقت تک کسی نے نہ پوچھا جب تک وہ یورپ جا کر تو بل پرانہ نہ حاصل کر لائے۔ برخلاف اس کے اقبال کی شہرت یورپ کی اعانت سے بالکل مُستثنیٰ ہے۔“

(ای۔ ایم فاسٹر، سنہ ۱۹۲۰ء)

ترتیبِ کلیاتِ اقبال

۱۷

بانگِ درا

۳۲۵

بالِ حبِ بریل

۵۰۱

ضررِ حکیم

۶۹۳

ارمغانِ حجاز (اُردو)



۱۶
کلیات اقبال
ع

بانگِ درا

اقبال

۱۶. ۱۷

۱۷. ۱۸

۱۸. ۱۹

۱۹. ۲۰

۲۰. ۲۱

۲۱. ۲۲

۲۲. ۲۳

۲۳. ۲۴

۲۴. ۲۵

۲۵. ۲۶

۲۶. ۲۷

۲۷. ۲۸

۲۸. ۲۹

۲۹. ۳۰

۳۰. ۳۱

۳۱. ۳۲

۳۲. ۳۳

۱۸. ۱۹

۱۹. ۲۰

۲۰. ۲۱

۲۱. ۲۲

۲۲. ۲۳

۲۳. ۲۴

۲۴. ۲۵

۲۵. ۲۶

۲۶. ۲۷

۲۷. ۲۸

۲۸. ۲۹

۲۹. ۳۰

۳۰. ۳۱

۳۱. ۳۲

۳۲. ۳۳

۳۳. ۳۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)

۵۱/۳۵

۵۳/۳۷

۵۵/۳۹

۵۵/۳۹

۵۷/۴۱

۵۹/۴۳

۶۱/۴۵

مسالہ

گل رنگیں

عہد طفلی

مرزا غالب

ابر کو ہمار

ایک مکڑا اور مکھی

ایک پہاڑ اور کلہری

۱

۲

۳

۴

۵

۶

۷

۶۲/۴۶	۸	ایک گائے اور بکری
۶۵/۴۹	۹	بچے کی دعا
۶۶/۵۰	۱۰	ہمدردی
۶۷/۵۱	۱۱	ماں کا خواب
۶۸/۵۲	۱۲	پرنس کی فریاد
۶۹/۵۳	۱۳	خفتگانِ خاک کے استفسار
۷۱/۵۵	۱۴	شمع و پروانہ
۷۲/۵۶	۱۵	عقل و دل
۷۳/۵۷	۱۶	صدائے درد
۷۴/۵۸	۱۷	افتاب (ترجمہ کایتی)
۷۵/۵۹	۱۸	شمع
۷۸/۶۲	۱۹	ایک آرزو
۸۰/۶۴	۲۰	افتاب صبح
۸۲/۶۶	۲۱	دردِ عشق

۲۰
بافتہ دریا
۴

۸۳/۶۷	۲۲	گل پرثمردہ
۸۴/۶۸	۲۳	سید کی لوح تربیت
۸۵/۶۹	۲۴	ماہ نو
۸۶/۷۰	۲۵	انسان اور بزم قدرت
۸۸/۷۲	۲۶	پیام صبح
۸۹/۷۳	۲۷	عشق اور موت
۹۱/۷۵	۲۸	زہد اور زندگی
۹۳/۷۷	۲۹	شاعر
۹۳/۷۷	۳۰	دل
۹۴/۷۸	۳۱	سویج دریا
۹۵/۷۹	۳۲	خصیت اے بزم جہاں !
۹۷/۸۱	۳۳	طفل شیرخوار
۹۸/۸۲	۳۴	تصویر درد
۱۰۴/۸۸	۳۵	نماہ فراق

۱۰۵/۸۹	۳۶ چاند
۱۰۶/۹۰	۳۷ بلال
۱۰۸/۹۲	۳۸ سرگزشت آدم
۱۰۹/۹۳	۳۹ ترانہ ہندی
۱۱۰/۹۴	۴۰ جگنو
۱۱۲/۹۶	۴۱ صبح کا ستارہ
۱۱۳/۹۷	۴۲ ہندوستانی بچوں کا قومی کیت
۱۱۴/۹۸	۴۳ نیا شوالا
۱۱۵/۹۹	۴۴ داغ
۱۱۷/۱۰۱	۴۵ آب
۱۱۸/۱۰۲	۴۶ ایک پرندہ اور جگنو
۱۱۹/۱۰۳	۴۷ بچہ اور شمع
۱۲۱/۱۰۵	۴۸ کنار راوی
۱۲۲/۱۰۶	۴۹ التجائے مسافر

غزلیات

- ۱ گلزار بہست و بود نہ بیگمانہ وار دیکھ
- ۲ نہ آتے، ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
- ۳ حجب و اعط کی دیں داری ہے یار سب!
- ۴ لاؤں وہ تنگے کہیں سے اشیانے کے لیے
- ۵ کیا کہوں اپنے چمن سے میں جدا کیونکر ہوا
- ۶ انوکھی وضع ہے مسکے زمانے سے نزلے ہیں
- ۷ ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
- ۸ کہوں کیا آرزو ہے بے دل مجھ کو کہاں تک ہے
- ۹ جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں، زمینوں میں
- ۱۰ ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
- ۱۱ کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے
- ۱۲ سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے خافل ہوں میں
- ۱۳ مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑے

۱۲۴/۱۰۸

۱۲۴/۱۰۸

۱۲۵/۱۰۹

۱۲۵/۱۰۹

۱۲۶/۱۱۰

۱۲۷/۱۱۱

۱۲۸/۱۱۲

۱۲۸/۱۱۲

۱۲۹/۱۱۳

۱۳۱/۱۱۵

۱۳۱/۱۱۵

۱۳۲/۱۱۶

۱۳۳/۱۱۷

حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

۱۳۷/۱۲۱	محبت	۱
۱۳۸/۱۲۲	حقیقتِ حسن	۲
۱۳۹/۱۲۳	پیام	۳
۱۳۹/۱۲۳	سوامی رام تیرتھ	۴
۱۴۰/۱۲۴	طلبہ علی لڑھ کالج کے نام	۵
۱۴۱/۱۲۵	آخر صبح	۶
۱۴۱/۱۲۵	حسن و عشق	۷
۱۴۲/۱۲۶ کی خود میں بتی دیکھ کر	۸
۱۴۳/۱۲۷	کلی	۹
۱۴۴/۱۲۸	چاند اور تارے	۱۰
۱۴۵/۱۲۹	وصال	۱۱

باقی رہا

۱۲	سلیبی
۱۳	عاشقِ ہر جباتی
۱۴	کوششِ ناتمام
۱۵	نوائے غم
۱۶	عشرتِ امروز
۱۷	انسان
۱۸	جلوۂ حسن
۱۹	ایک شام
۲۰	تنہائی
۲۱	پیامِ عشق
۲۲	فراق
۲۳	عبدالعتاد کے نام
۲۴	صقلیت

۱۴۷/۱۳۱

۱۴۸/۱۳۲

۱۵۰/۱۳۴

۱۵۱/۱۳۵

۱۵۲/۱۳۶

۱۵۲/۱۳۶

۱۵۳/۱۳۷

۱۵۴/۱۳۸

۱۵۵/۱۳۹

۱۵۵/۱۳۹

۱۵۷/۱۴۱

۱۵۸/۱۴۲

۱۵۹/۱۴۳

غزلیات

- ۱ زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں ۱۶۱/۱۲۵
- ۲ الہی عقلِ خجستہ پے کو ذرا سی دیوانگی سلھا دے ۱۶۱/۱۲۵
- ۳ زمانہ دیکھے کا جب مے دل سے عشاءِ خمے کا نغٹو کا ۱۶۲/۱۲۶
- ۴ چمک تیری عیاں بکلی میں آتش میں شرارے میں ۱۶۳/۱۲۸
- ۵ یوں تو اے بزمِ جہاں! دلکش تھے ہنگامے تے ۱۶۵/۱۲۹
- ۶ مشال پر تو مے طوفِ جام کرتے ہیں ۱۶۵/۱۲۹
- ۷ زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہو گا ۱۶۶/۱۵۰

جھنڈہ سوم

(۱۹۰۸ء سے.....)

- ۱ بلا و اسلامیہ ۱۷۱/۱۵۵
- ۲ ستارہ ۱۷۳/۱۵۷
- ۳ دو ستارے ۱۷۴/۱۵۸

۴	گورستان شاہی	۱۷۲/۱۵۸
۵	نمود صبح	۱۸۰/۱۶۴
۶	تضمین بر شعر انیسویں سالو	۱۸۱/۱۶۵
۷	فائدہ عنہم	۱۸۲/۱۶۶
۸	پھول کا تحفہ عطا ہونے پر	۱۸۵/۱۶۹
۹	ترانہ بقی	۱۸۶/۱۷۰
۱۰	وطنیت	۱۸۷/۱۷۱
۱۱	ایک حاجی مدینے کے راستے میں	۱۸۸/۱۷۲
۱۲	قطعہ (مل ایک شریہ خواب بزمی پر رونے کے کہہ رہا تھا)	۱۸۹/۱۷۳
۱۳	شکوہ	۱۹۰/۱۷۴
۱۴	چسانہ	۱۹۹/۱۸۳
۱۵	رات اور شاعر	۲۰۰/۱۸۴
۱۶	بزم انجم	۲۰۱/۱۸۵
۱۷	سیر فلک	۲۰۳/۱۸۷

۲۰۴/۱۸۸	نصیحت	۱۸
۲۰۵/۱۸۹	رام	۱۹
۲۰۶/۱۹۰	موثر	۲۰
۲۰۶/۱۹۰	انسان	۲۱
۲۰۶/۱۹۱	خطاب بہ جوانان اسلام	۲۲
۲۰۸/۱۹۲	غزوة شوال یا ہلال عید	۲۳
۲۱۰/۱۹۴	شمع اور شاعر	۲۴
۲۲۳/۲۰۶	مسلم	۲۵
۲۲۴/۲۰۸	حضور رسالت ﷺ میں	۲۶
۲۲۶/۲۱۰	شفنا خانہ حجاز	۲۷
۲۲۷/۲۱۱	جواب شکوہ	۲۸
۲۳۷/۲۲۱	ساقی	۲۹
۲۳۸/۲۲۲	تعلیم اور اس کے نتائج	۳۰
۲۳۸/۲۲۲	قرب سلطان	۳۱

۲۳۹/۲۲۳	۳۲	شاعر
۲۴۰/۲۲۴	۳۳	نوید صبح
۲۴۱/۲۲۵	۳۴	دعا
۲۴۲/۲۲۶	۳۵	عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں
۲۴۳/۲۲۷	۳۶	فاطمہ بنت عبد اللہ
۲۴۴/۲۲۸	۳۷	شبہم اور ستارے
۲۴۵/۲۲۹	۳۸	محاصرہ اور نہ
۲۴۶/۲۳۰	۳۹	غلام فتادریہ
۲۴۷/۲۳۱	۴۰	ایک مکالمہ
۲۴۸/۲۳۲	۴۱	میں اور تو
۲۴۹/۲۳۳	۴۲	تضمین بر شعر ابوطالب کلیم
۲۵۰/۲۳۴	۴۳	شبلی و حسانی
۲۵۱/۲۳۵	۴۴	ارتقا
۲۵۲/۲۳۶	۴۵	صدقہ

۲۵۳/۲۳۷	۴۶	تہذیبِ حاضر
۲۵۴/۲۳۸	۴۷	والدہ مرحومہ کی یاد میں
۲۶۶/۲۵۰	۴۸	شعاعِ آفتاب
۲۶۷/۲۵۱	۴۹	عسٹرنی
۲۶۸/۲۵۲	۵۰	ایک خط کے جواب میں
۲۶۹/۲۵۳	۵۱	نانک
۲۷۰/۲۵۴	۵۲	نفر و اسلام
۲۷۱/۲۵۵	۵۳	بلالؓ
۲۷۲/۲۵۶	۵۴	سلمان اور تعلیمِ جدید
۲۷۳/۲۵۷	۵۵	پھولوں کی شہزادی
۲۷۳/۲۵۷	۵۶	تضمین بر شعرِ صائب
۲۷۴/۲۵۸	۵۷	فردوس میں ایک مکالمہ
۲۷۵/۲۵۹	۵۸	مذہب
۲۷۶/۲۶۰	۵۹	جنگِ یرموک کا ایک واقعہ

۲۷۷/۲۴۱	۶۰	مذہب
۲۷۷/۲۴۱	۶۱	پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ
۲۷۸/۲۴۲	۶۲	شب معراج
۲۷۸/۲۴۲	۶۳	نُحول
۲۷۹/۲۴۳	۶۴	شیکسپیر
۲۸۰/۲۴۴	۶۵	میں اور تو
۲۸۱/۲۴۵	۶۶	اسیری
۲۸۱/۲۴۵	۶۷	دریوزہ حنلافت
۲۸۲/۲۴۶	۶۸	ہمایوں
۲۸۳/۲۴۷	۶۹	خصر راہ
۲۹۷/۲۸۱	۷۰	طلوع اسلام

غزلیات

۳۰۹/۲۹۳	۱	اے باد صبا! کسلی والے سے جا کیو پیغام مرا
---------	---	---

۳۱
باقی ہے
۱۵

- ۲ یہ سرود قمری و سبل فریب گوش ہے ۳۱۲/۲۹۲
- ۳ نالہ ہے سبل شوریدہ ترا حنّام ابھی ۳۱۲/۲۹۲
- ۴ پر وہ چہرے سے اٹھا، انجسن آرائی کر ۳۱۱/۲۹۵
- ۵ پھر باد و بسا آئی اقبال غزل خواں ہو ۳۱۲/۲۹۶
- ۶ کبھی اے حقیقت منتظر! نظر آلباس مجاز میں ۳۱۲/۲۹۶
- ۷ تہ دام بھی غزل آشنایہ طائران چس تو کیا ۳۱۳/۲۹۷
- ۸ گرچہ تو زندانی اسباب ہے ۳۱۲/۲۹۸

ظریفانہ

- ۱ مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں ۳۱۵/۲۹۹
- ۲ لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ۳۱۵/۲۹۹
- ۳ شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں ۳۱۵/۲۹۹
- ۴ یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوش مند! ۳۱۶/۳۰۰
- ۵ تعلیم سنہ ربی ہے بہت جرات آفریں ۳۱۶/۳۰۰

- ۶ کچھ قسم نہیں جو حضرت واعظ ہیں تنگ دست ۳۱۶/۳۰۰
- ۷ تہذیب کے مریض کو گولی سے مسموم ۳۱۶/۳۰۰
- ۸ انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تک ۳۱۶/۳۰۱
- ۹ ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اشکا ہے ۳۱۶/۳۰۱
- ۱۰ اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے ۳۱۶/۳۰۱
- ۱۱ ہاتھوں سے اپنے دامنِ ذبیحہ نکال لیا ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۲ وہ بس بولی ارادہ خود کشی کا جب کیا میں نے ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۳ نواواں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۴ ہندوستان میں مجرور حکومت ہیں کونسلیں ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۵ ممبری اسپیرٹل کونسل کی کچھ مشکل نہیں ۳۱۹/۳۰۳
- ۱۶ دلیل مہر و وفا اس سے بڑھ کے کیا چولی ۳۱۹/۳۰۳
- ۱۷ فرما رہے تھے شیخ طریق عمل یہ وعظ ۳۱۹/۳۰۳
- ۱۸ دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک ۳۲۰/۳۰۴
- ۱۹ گائے ال روز چوتی اونٹ سے یوں کرم سخن ۳۲۰/۳۰۴

- ۲۰ راست پتھر نے کہہ دیا مجھ سے ۳۲۱/۳۰۵
- ۲۱ یہ آیہ نوحیل سے نازل ہوئی مجھ پر ۳۲۲/۳۰۶
- ۲۲ جان جاتے ہاتھ سے جاتے نہ ست ۳۲۲/۳۰۶
- ۲۳ محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے ۳۲۲/۳۰۶
- ۲۴ شام کی سرحد سے رخصت ہے وہ رنبر لم یزل ۳۲۲/۳۰۶
- ۲۵ شکر ارتھی مزارع و مالک میں ایک روز ۳۲۳/۳۰۷
- ۲۶ اٹھ کر پینک دو باہر گلی میں ۳۲۳/۳۰۷
- ۲۷ کارخانے کا ہے مالک عروک ناکر وہ کار ۳۲۴/۳۰۸
- ۲۸ سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں ۳۲۴/۳۰۸
- ۲۹ مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے ۳۲۴/۳۰۸



۳۲۲
باقی ہے دیا
۱۸

دیاچہ

شیخ عبد العزیز اور پیر سٹریٹ لاسابق مدیر مخزن

کے خبر تھی کہ غالب مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہو گا جو اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا اور جس کی بدولت غالب کا بے نظیر تحسین اور نرالا انداز بیان پھر وجود میں آئیں گے اور ادب اردو کے فروغ کا باعث ہوں گے مگر زبان اردو کی خوش اقبال دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبال سا شاعر اسے نصیب ہوا جس کے کلام کا سکہ ہندوستان بھر کی اردو دان دنیا کے دلوں پر میٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت روم و ایران بلکہ فرنگستان تک پہنچ گئی ہے۔

غالب اور اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کو اردو اور فارسی کی شاعری سے جو عشق تھا، اُس نے اُن کی روح کو عدم میں جا کر بھی چین نہ لینے دیا اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسدِ خالی میں جلوہ اسے زچہ کر شاعری کے چین کی آبیاری کرے اور اُس نے پنجاب کے ایک گوشے میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں دوبارہ جنم لیا اور محمد قہبال

نام پایا۔

جب شیخ محمد اقبال کے والد بزرگوار اور ان کی پیاری ماں ان کا نام تجو بزرگ ہے ہوں گے
تو قبول دعا کا وقت ہو گا کہ ان کا دیا ہوا نام اپنے پورے معنوں میں صحیح ثابت ہوا اور
ان کا اقبال سند بیٹا سند وستان میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر انگلستان پہنچا، وہاں
کیمبرج میں کامیابی سے وقت ختم کر کے جرمنی گیا اور علمی دنیا کے اعلیٰ مدارج
طے کر کے واپس آیا۔ شیخ محمد اقبال نے یورپ کے قیام کے زمانے میں بہت سی
فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس مطالعے کا خلاصہ ایک محققانہ کتاب کی
صورت میں شائع کیا جسے فلسفۂ ایران کی مختصر تاریخ کہنا چاہیے۔ اسی کتاب کو دیدہ کر
جرمنی والوں نے شیخ محمد اقبال کو ڈاکٹر کا علمی درجہ دیا۔ سرکار انگریزی کو جس کے پاس
مشرقی زبانوں اور علوم کی نسبت براہ راست اطلاع کے ذرائع کافی نہیں، جب ایک
عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی شاعری نے عالم لب شہرت پیدا کر لی ہے
تو اس نے بھی ازراہ وقت روانی سرکار کا ممتاز خطاب انھیں عطا کیا۔ اب وہ ڈاکٹر محمد اقبال
کے نام سے مشہور ہیں لیکن ان کا نام جس میں یہ طبع حسد ادا ہے کہ نام کا نام ہے اور
تخلص کا تخلص ان کی ڈاکٹری اور سہری سے زیادہ مشہور اور مستبول ہے۔

سیالکوٹ میں ایک کالج ہے جس میں علمائے سلف کی یادگار اور ان کے نقش قدم
پر چلنے والے ایک بزرگ مولوی سید میر حسن صاحب علوم مشرقی کا درس دیتے ہیں۔ حال
میں انھیں کورنٹ سے خطاب شمس الحسن بھی ملا ہے۔ ان کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ جو
کوئی ان سے فارسی یا عربی سیکھے، اس کی طبیعت میں حسن بان کا صحیح مذاق پیدا کرتے

ہیں۔ اقبال کو بھی اپنی ابتدائے عمر میں مولوی سید میر حسن صاحب اساتذہ طبعیت میں علم ادب سے مناسبت قدرتی طور پر موجود تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب موصوفے کی۔ سونے پر سہاگہ ہو گیا۔ ابھی اسکول ہی میں پڑھتے تھے کہ کلام موزوں زبان سے نکلنے لگا۔ پنجاب میں اردو کا رواج اس وقت درہو گیا تھا کہ ہر شہر میں زبان دانی اور شعر و شاعری کا چرچا کم و بیش موجود تھا۔ سیالکوٹ میں بھی شیخ محمد اقبال کی طالب علمی کے دنوں میں ایک چھوٹا سا مشاعرہ ہوتا تھا۔ اُس کے لیے اقبال نے کبھی بھی غزل لکھنی شروع کر دی۔ شعرائے اردو میں اُن دنوں نواب مرزا خاں صاحب دماغ و دلوں کا بہت شہرہ تھا اور نظم و نثر کے استاد ہونے سے اُن کی شہرت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ لول جو اُن کے پاس جاتے تھے خط و کتابت کے ذریعے دوسری سے اُن سے شاعری کی نسبت پیدا کرتے تھے۔ غزلیں ڈال میں اُن کے پاس جاتی تھیں اور وہ اصلاح کے بعد واپس بھیجتے تھے۔ پچھلے زمانے میں جب ڈال کا یہ انتظام نہ تھا، کسی شاعر کو اتنے شاعر کیسے میسر آسکتے تھے۔ اس سہولت کی وجہ سے یہ حال تھا کہ سیکڑوں آدمی اُن سے غائبانہ تلمذ رکھتے تھے اور انھیں اس کام کے لیے ایک عہدہ اور محکمہ رکھنا پڑتا تھا۔ شیخ محمد اقبال نے بھی انھیں خط لکھا اور چند غزلیں اصلاح کے لیے بھیجیں۔ اس طرح اقبال کو اردو زبان و ادب کے لیے بھی ایسے استاد سے نسبت پیدا ہوتی جو اپنے وقت میں زبان کی خوبی کے لحاظ سے فن غزل میں یکتا سمجھا جاتا تھا۔ گو اس ابتدائی غزل کوئی میں وہ باتیں تو موجود نہ تھیں جن سے بعد ازاں کلام اقبال نے شہرت پائی، مگر جناب دماغ پہچان گئے کہ پنجاب کے ایک اور افتادہ ضلع کا یہ طالب علم کوئی معمولی غزل گو نہیں۔ انھوں نے جسد کہہ دیا کہ کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے اور یہ سلسلہ تلمذ کا بہت دیر قائم

نہیں رہا۔ البتہ اس کی یاد و ذنوں طرف رہ گئی۔ آغ کا نام اردو شاعری میں ایسا پایہ کھتا
 ہے کہ اقبال کے دل میں آغ سے اس مختصر اور غائبانہ تعلق کی بھی مدت ہے اور اقبال نے
 آغ کی زندگی ہی میں قبول عام کا وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ آغ مرحوم اس بات پر فخر کرتے تھے
 کہ اقبال بھی ان لوگوں میں شامل ہے جن کے کلام کی انھوں نے اصلاح کی۔ مجھے خود
 وکن میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا اور میں نے خود ایسے فخریہ کلمات ان کی زبان سے سنے۔
 سیالکوٹ کے کالج میں ایف اے کے درجے تک تعلیم تھی۔ بی اے کے لیے شیخ محمد اقبال
 کو لاہور آنا پڑا۔ انھیں علم فلسفہ کی تحصیل کا شوق تھا اور انھیں لاہور کے اساتذہ میں ایک
 نہایت شفیق استاد ملا جس نے فلسفہ کے ساتھ ان کی مناسبت دیکھ کر انھیں خاص
 توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ پروفیسر آرنلڈ صاحب جو اب سڈاس آرنلڈ ہوتے ہیں اور
 انگلستان میں مقیم ہیں، غیر معمولی قابلیت کے شخص ہیں۔ فوٹو تحریر ان کی بہت اچھی
 ہے اور وہ علمی جستجو اور تلاش کے طریق جدید سے خوب واقف ہیں۔ انھوں نے چاہا
 کہ اپنے شاگرد کو اپنے مذاق اور اپنے طرز عمل سے حصہ دیں اور وہ اس ارادے میں بہت کچھ
 کامیاب ہوئے۔ پہلے انھوں نے علی کرمہ کالج کی پروفیسری کے زمانے میں اپنے دوست
 مولانا شبلی مرحوم کے مذاق علمی کے نچوٹ کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی اب انھیں
 یہاں ایک اور جہت قابل نظر آیا جس کے چمکانے کی آرزو ان کے دل میں پیدا ہوئی
 اور جو دوستی اور محبت استاد اور شاگرد میں پہلے دن سے پیدا ہوئی وہ آخر شش شاگرد کو
 استاد کے پیچھے پیچھے انگلستان لے گئی اور وہاں یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا، اور آج تک
 قائم ہے۔ آرنلڈ خوش ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور میرا شاگرد علمی دنیا میں سیر
 لیے بھی باعث شہرت افزائی ہوا اور اقبال معترف ہے کہ جس مذاق کی بنیاد سید میر حسن

نے ڈالی تھی اور جسے درمیان میں دانغ کے غائبانہ تعارف نے بڑھایا تھا، اُس کے آخری
مرحلے آرتھ کی شفیقانہ رہبری سے طے ہوئے۔

اقبال کو اپنی علمی مساعزل طے کرنے میں اچھے اچھے رہبر ملے اور بڑے بڑے علماء سے
سابقہ پڑا۔ ان لوگوں میں کیسیرج یونیورسٹی کے ڈاکٹر میک ٹیکرٹ، براؤن، نکلسن اور سارلی
قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر نکلسن تو پہلے شکر کے خاص طور پر مستحق ہیں کیونکہ انھوں نے
اقبال کی مشہور فارسی نظم ”اسرار خودی“ کا انگریزی ترجمہ کر کے اور اُس پر دیباچہ اور حواشی
لکھ کر یورپ اور امریکہ کو اقبال سے روشناس کیا۔ اسی طرح ہندوستان کی علمی دنیا
میں جتنے نامور اُس زمانے میں موجود تھے مثلاً مولانا شبلی مرحوم، مولانا حالی مرحوم، اکبر مرحوم،
سب سے اقبال کی ملاقات اور خط و کتابت رہی اور ان کے اثرات اقبال کے کلام پر اور اقبال
کا اثر ان کی طبائع پر پڑتا رہا۔ مولانا شبلی نے بہت سے خطوط میں اور حضرت اکبر نے
نہ صرف خطوں میں بلکہ بہت سے اشعار میں اقبال کے کمال کا اعتراف کیا ہے اور اقبال
نے اپنی نظم میں ان بالکالوں کی جا بجا تعریف کی ہے۔

ابتدائی مشق کے دنوں کو چھوڑ کر اقبال کا اردو کلام بیسویں صدی کے آٹھ دس
کچھ پہلے شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۰۱ء سے غالباً دو تین سال پہلے میں نے انھیں پہلی مرتبہ لاہور
کے ایک شاعر سے میں ملایا۔ اس بن برم میں ان کو ان کے چند ہم جماعت کیسے کرے
اتے اور انھوں نے کہ سن کر ایک غزل بھی پڑھوائی۔ اس وقت تک لاہور میں لول
اقبال سے واقف نہ تھے۔ چھوٹی سی سنزل تھی۔ ساوہ سے الفاظ۔ زمین بھی شکل نہ تھی۔
مگر کلام میں شوخی اور بے ساختہ پن موجود تھا بہت پسند کی گئی۔ اس کے بعد
دو تین مرتبہ پھر اسی شاعر سے میں انھوں نے غزلیں پڑھیں اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک

چو نہار شاعر میدان میں آیا ہے۔ مگر یہ شہرت پہلے پہلے لاہور کے کالجوں کے طلبہ اور بعض اسی
 لوگوں تک محدود رہی جو تعلیمی مشاغل سے تعلق رکھتے تھے۔ اتنے میں ایک ادبی مجلس قائم ہوئی
 جس میں مشاہیر شریک ہونے لگے اور نظم و نثر کے مضامین کی اس میں مانگ ہوئی۔ شیخ
 محمد اقبال نے اس کے ایک جلسے میں اپنی وہ نظم جس میں کوہ ہمالہ سے خطاب ہے پڑھ کر
 سنائی۔ اس میں انگریزی خیالات تھے اور فارسی بندشیں۔ اس پر خوبی یہ کہ وطن پرستی کی
 پاشنی اس میں موجود تھی۔ مذاق زمانہ اور ضرورت وقت کے موافق ہونے کے سبب
 بہت مقبول ہوئی اور کئی طرف سے فرمائشیں ہونے لگیں کہ اسے شائع کیا جائے، مگر
 شیخ صاحب یہ غدر کر کے کہ ابھی نظم ثانی کی ضرورت ہے، اسے اپنے ساتھ لے گئے اور
 وہ اُس وقت چھپنے نہ پائی۔ اس بات کو متھوڑا ہی حصہ گزارا تھا کہ میں نے ادب اردو
 کی ترقی کے لیے رسالہ 'مخزن' جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اس اثنا میں شیخ محمد اقبال
 سے میری دوستانہ ملاقات پیدا ہو چکی تھی۔ میں نے ان سے وعدہ لیا کہ اس رسالے کے
 حصہ نظم کے لیے وہ نئے رنگ کی نظمیں مجھے دیا کریں گے۔ پہلا رسالہ شائع ہونے کو تھا کہ
 میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان سے کوئی نظم مانگی۔ انھوں نے کہا ابھی کوئی
 نظم تیار نہیں۔ میں نے کہا ہمالہ والی نظم دے دیجیے اور دوسرے مہینے کے لیے کوئی
 اور لکھیے۔ انھوں نے اس نظم کے دینے میں پس پوشی لی لیونکہ انھیں یہ خیال تھا
 کہ اس میں کچھ خامیاں ہیں مگر میں دیکھ چکا تھا کہ وہ بہت مقبول ہوئی، اس لیے میں نے
 زبردستی وہ نظم ان سے لے لی اور 'مخزن' کی پہلی جلد کے پہلے نمبر میں جو اپریل ۱۹۰۵ء
 میں نکلا، شائع کر دی۔ یہاں سے گویا اقبال کی اردو شاعری کا پیدائشی طور پر آغاز ہوا اور
 ۱۹۰۵ء تک جب وہ ولایت لے کر یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصے میں وہ عموماً

مخزن کے ہر سر کے لیے کوئی نہ کوئی نظم لکھتے تھے اور جوں جوں لوگوں کو ان کی
 شاعری کا حال معلوم ہوتا گیا، جا بجا مختلف رسالوں اور اخباروں سے فرمائشیں آنے لگیں اور
 انجمنیں اور مجالس درخواستیں کرنے لگیں کہ ان کے سالانہ جلسوں میں لوگوں کو وہ اپنے کلام
 سے محفوظ کریں شیخ صاحب اس وقت طالب علمی سے فارغ ہو کر لورنٹ کالج میں پروفیسر
 ہو گئے تھے اور دن رات علمی صحبتوں اور مشاغل میں بسر کرتے تھے طبیعت زوہوں پر تھی شعر
 کہنے کی طرف جس وقت مائل ہوتے تو غضب کی آمد ہوتی تھی۔ ایک ایک نشست میں بے شمار شعر
 ہو جاتے تھے۔ ان کے دوست اور بعض طالب علم جو پاس ہوتے پوسل کاغذ لے کر
 لکھتے جاتے اور وہ اپنی دھن میں کہتے جاتے۔ میں نے اس زمانے میں انھیں کبھی کاغذ قلم
 لے کر فکر سخن کرتے نہیں دیکھا۔ مؤذروں الف ناک کا ایک دریا بہتا یا ایک چشمہ اُبھتا معلوم
 ہوتا تھا۔ ایک خاص کیفیت رقت کی عسماً ان پر طاری ہوتی تھی۔ اپنے اشعار سُرلی
 آواز میں ترتیم سے پڑھتے تھے، خود وجد کرتے اور دوسروں کو وجد میں لاتے تھے۔ یہ
 عجیب خصوصیت ہے کہ حافظہ ایسا پایا ہے کہ جتنے شعر اس طرح زبان سے نکلیں، الروہ
 ایک سلسل نظم کے ہوں تو سب کے سب دوسرے وقت اور دوسرے دن اُسی ترتیب سے
 حلقے میں محفوظ ہوتے ہیں جس ترتیب سے کہے گئے تھے، اور در بیان میں خود وہ انھیں
 قلمبند بھی نہیں کرتے۔ مجھے بہت سے شعرا کی ہم نشینی کا موقع ملا ہے اور بعض کو میں نے
 شعر کہتے بھی دیکھا اور سنا ہے، طریقہ رنگ رسی اور میں نہیں دیکھا۔ قبیل لی ایک اور خصوصیت
 یہ ہے کہ بایں ہر مؤذرونی طبع وہ حسب فرمائش شعر کہنے سے قاصر ہے جب طبیعت خود مائل نظم
 ہو تو جتنے شعر چاہے کہ وہ طریقہ کہ ہر وقت اور ہر موقع پر حسب فرمائش وہ کچھ لکھ سکے، یہ قریب
 قریب ناممکن ہے۔ اسی لیے جب ان کا نام نکلا اور فرمائشوں کی بھرمار ہوئی تو انھیں اکثر

فرمانشوں کی تعمیل سے انکار ہی کرنا پڑا۔ اسی طرح انجمنوں اور مجالس کو بھی وہ عموماً جواب ہی دیتے رہے۔ فقط لاہور کی انجمن حمایت اسلام کو بعض وجوہ کے سبب یہ موقع ملا کہ اس کے سالانہ جلسوں میں کئی سال متواتر اقبال نے اپنی نظم سنائی جو خاص اسی جلسے کے لیے لکھی جاتی تھی اور جس کی فہرست وہ پہلے سے کرتے رہتے تھے۔

اول اول جو نظمیں جلسہ عام میں پڑھی جاتی تھیں تحت اللفظ پڑھی جاتی تھیں اور اس طرز میں بھی ایک لطف تھا۔ طر بعض دستوں نے ایک مرتبہ جلسہ عام میں شیخ محمد اقبال سے یہ اصرار کیا کہ وہ نظم ترنم سے پڑھیں۔ ان کی آواز قدرتا بلند اور خوش آئند ہے۔ طرز ترنم سے بھی جلسے اقصا میں ایسا سماں بند حال سکوت کا عالم مچا لیا اور لوگ جھومنے لگے۔ اس نے دو نتیجے بنائے۔ ایک تو یہ کہ ان کے لیے تحت اللفظ پڑھنا مشکل ہو گیا جب بھی پڑھیں لوگ اصرار کرتے ہیں کہ لے سے پڑھا جائے اور دوسرا یہ کہ پہلے تو خواص ہی ان کے کلام کے قدر ان تھے اور شمس کو سمجھ سکتے تھے اس شش کے سبب جمعہ ام بھی کھینچ آئے۔ لاہور میں جلسہ حمایت اسلام میں جب اقبال کی نظم پڑھی جاتی ہے تو دس دس ہزار آدمی ایک وقت میں جمع ہوتے ہیں اور جب تک نظم پڑھی جائے لوگ دم بخود بیٹھے رہتے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں وہ بھی محو اور جو نہیں سمجھتے وہ بھی محو ہوتے ہیں۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال کی شاعری کا ایک دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ دور تھا ہے جو انھوں نے یورپ میں بسر کیا۔ گو وہاں انھیں شاعری کے لیے نسبتاً کم وقت ملا اور ان نظموں کی تعداد جو وہاں کے قیام میں لکھی گئیں تھوڑی ہے مگر ان میں ایک حسن رنگ ہاں کے مشاہدات کا نظر آتا ہے۔ اُن سن مانے میں دو بڑے تغیر ان کے خیالات میں آئے۔ ان تین سالوں میں سے دو سال ایسے تھے جن میں میرا بھی وہیں قیام تھا اور

اکثر ملاقات کے موقع ملتے رہتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ ان کا ارادہ
 مصمم ہو گیا ہے کہ وہ شاعری کو ترک کر دیں اور قسم کھالیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت
 شاعری میں صرف ہوتا ہے اُسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں گے۔ میں نے ان سے
 کہا کہ ان کی شاعری ایسی شاعری نہیں ہے جسے ترک کرنا چاہیے بلکہ ان کے کلام میں
 وہ تاثیر ہے جس سے ممکن ہے کہ ہماری در ماندہ قوم اور ملک کے مصیب ملک کے امراض کا
 علاج ہو سکے اس لیے ایسی مفید خدا و اوطاق کو بیکار کرنا درست نہ ہو گا۔ شیخ صاحب
 کچھ قائل ہوئے کچھ نہ ہوئے اور یہ قرار پایا کہ آئندہ صاحب کی رائے پر آخری فیصلہ چھوڑا جائے۔
 اگر وہ مجھ سے اتفاق کریں تو شیخ صاحب اپنے ارادہ ترک شعر کو بدل دیں اور اگر وہ شیخ صاحب
 سے اتفاق کریں تو ترک شعر اختیار کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علمی دنیا کی خوش قسمتی تھی کہ
 آئندہ صاحب نے مجھ سے اتفاق رائے کیا اور یہ فیصلہ یہی ہوا کہ اقبال کے لیے شاعری کو
 چھوڑنا جائز نہیں اور جو وقت وہ اس شغل کی نذر کرتے ہیں وہ ان کے لیے بھی مفید ہے اور
 ان کے ملک و قوم کے لیے بھی مفید ہے۔ ایک تفسیر جو پہلے شاعر کی طبیعت میں آتا تھا کہ
 کا تو یوں حسرتہ ہوا کہ وہ سرِ تغیر ایک چھوٹے سے آغاز سے ایک بڑے انجام تک
 پہنچا یعنی اقبال کی شاعری نے فارسی زبان کو اردو زبان کی جگہ اپنا ذریعہ اظہار خیال بنایا
 فارسی میں شعر کہنے کی رغبت اقبال کی طبیعت میں اپنی اسباب سے پیدا ہوئی ہوگی
 اور میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے اپنی کتاب حالات تصوف کے متعلق لکھنے کے لیے جو
 کتب بینی کی جو اس کو بھی ضرور اس تفسیر شراق میں دخل ہوگا۔ اس کے علاوہ جوں جوں
 ان کا مطالعہ حکیم فلسفہ کے متعلق ہوا چوتھا لیا اور دوستی خیالات کے اظہار کو جس چاہا
 تو انھوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلے میں اردو کا سرمایہ بہت کم ہے اور فارسی میں

کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اردو میں فقرے
 ڈھلنے آسان نہیں، اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے۔ مگر بظاہر جس چھوٹے
 سے واقعے سے ان کی فارسی کوئی کی بہت دور ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک ترسہ ایک دست
 کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی اشعار سنانے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ
 فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں۔ انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ انھوں نے سوائے ایک اور
 شعر کبھی کہنے کے فارسی کہنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر کچھ ایسا وقت تھا اور اس فرمائش نے
 ایسی تحریک ان کے دل میں پیدا کی کہ دعوت سے واپس آکر بہتر پرلیٹے ہوئے باقی وقت وہ
 شاید فارسی شعر کہتے رہے اور صبح اٹھتے ہی جو مجھ سے ملے تو وہ تازہ غزلیں فارسی میں
 تیار تھیں جو انھوں نے زبانی مجھے سنائیں۔ ان غزلوں کے کہنے سے انھیں اپنی فارسی گوئی
 کی قوت کا حال مسلم ہوا جس کا پہلے انھوں نے اس طرح امتحان نہیں کیا تھا۔ اس کے
 بعد ولایت سے واپس آنے پر کونسی کبھی اردو کی نظمیں بھی کہتے تھے مگر طبیعت کا رخ فارسی کی
 طرف ہو گیا۔ یہ ان کی شاعری کا تیسرا دور ہے جو شاندار کے بعد سے شروع ہوا اور جو
 اب تک چل رہا ہے۔ اس عرصے میں اردو نظمیں بھی بہت سی ہوئیں اور اچھی اچھی جن کی
 عدم گنج گئی۔ مگر اصل کام جس کی طرف وہ متوجہ ہو گئے، وہ ان کی فارسی شاعری اسرار خودی
 تھی۔ اس کا خیال دیر تک ان کے دماغ میں رہا اور رفتہ رفتہ دماغ سے صفحہ قریب
 اترنے لگا، اور آخر ایک مستقل کتاب کی صورت میں ظہور پذیر ہوا جس سے اقبال کا نام
 ہندوستان سے باہر بھی مشہور ہو گیا۔

فارسی میں اقبال کے قلم سے تین کتابیں اس وقت تک نکلی ہیں: اسرار خودی،
 'رموز بے خودی' اور پیام مشرق۔ ایک سے ایک بہتر پہلی کتاب سے دوسری میں زبان

زیادہ سادہ اور عام فہم ہو گئی ہے اور تیسری دوسری سے زیادہ سلیس ہے۔ جو لوگ اقبال
 کے اردو کلام کے دلدادہ ہیں وہ فارسی نظمیں کو دیکھ کر مایوس ہوتے ہوں گے مگر انہیں
 یاد رکھنا چاہیے کہ فارسی نے وہ کام کیا جو اردو سے نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام اسلامی دنیا
 میں جہاں فارسی کم و بیش متداول ہے اقبال کا کلام اس ذریعے سے پہنچ گیا اور اس
 میں ایسے خیالات تھے جن کی ایسی وسیع اشاعت ضروری تھی اور اسی وسیلے سے یورپ
 اور امریکہ والوں کو ہمارے ایسے قابل تدریص صنف کا حال معلوم ہوا۔ پیام شرق میں
 ہمارے مصنف نے یورپ کے ایک نہایت بلند پایہ شاعر کوٹے کے سلام مغرب
 کا جواب لکھا ہے اور اس میں نہایت حکیمانہ خیالات کا اظہار بہت خوب صورتی
 سے کیا گیا ہے۔ اس کے اشعار میں بعض بڑے بڑے عقیدے حل ہوئے ہیں جو پہلے
 آسان طریق سے بیان نہیں ہوئے تھے۔ مدت سے بعض رسائل اور اخبارات میں
 ڈاکٹر محمد اقبال کو ترجمان حقیقت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کتابوں کے خاص
 خاص اشعار سے ثابت ہے کہ وہ اس لقب سے طعق ہونے کے مستحق ہیں اور
 جس کسی نے یہ لقب ان کے لیے پہلے وضع کیا ہے اس نے کوئی مبالغہ نہیں کیا۔
 فارسی گوئی کا ایک اثر اقبال کے اردو کلام پر یہ ہوا ہے کہ نظمیں اردو میں
 دورِ سوم میں لکھی جاتی ہیں ان میں سے اکثر میں فارسی ترکیبیں اور فارسی بندشیں پہلے
 سے بھی زیادہ ہیں اور بعض جگہ فارسی اشعار پر تفسیریں کی گئی ہیں۔ لویا یہ معلوم ہوتا ہے
 کہ اشہب تسلیم جو فارسی کے میدان میں کامزن ہے اس کی بال کسی قدر تکلف کے
 ساتھ اردو کی طرف موڑی جا رہی ہے۔

اقبال کا اردو کلام جو وقتاً فوقتاً ۱۹۰۱ء سے لے کر آج تک سالوں اور اخباروں

میں شائع ہوا اور انجمنوں میں پڑھا لیا، اُس کے مجموعے کی اشاعت کے بہت لوگ
 خواہاں تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے احباب بارہا تقاضا کرتے تھے کہ اُردو کلام کا مجموعہ شائع
 کیا جائے مگر لکھنؤ کی وجوہات سے آج تک مجموعہ اُردو شائع نہیں ہو سکا تھا۔ خدا کا شکر
 ہے کہ آخر اب شائقین کلام اُردو کی یہ دیرینہ آرزو برآئی اور اقبال کی اُردو نظمیں کا
 مجموعہ شائع ہوتا ہے جو دو سو بانو سے صفحوں پر مشتمل ہے اور تین حصوں پر مشتمل ہے۔
 حصہ اول میں ۱۹۰۵ء تک کی نظمیں ہیں، حصہ دوم میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کی
 اور حصہ سوم میں ۱۹۰۸ء سے لے کر آج تک کا اُردو کلام ہے۔ یہ مجموعے سے کہا جا
 سکتا ہے کہ اُردو میں آج تک کوئی ایسی کتاب اشعار کی موجود نہیں ہے جس میں خیالات
 کی پینہ روانی ہو اور اس قدر مطالب معانی کیجا ہوں۔ اور کیوں نہ ہو ایک صدی کے
 چہارم حصے کے مطالعے اور تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ اور سیر و سیاحت کا نتیجہ ہے۔ بعض
 نظموں میں ایک ایک شعر اور ایک ایک مصرع ایسا ہے کہ اُس پر ایک مستقل مضمون
 لکھا جاسکتا ہے۔ یہ مختصر مضمون جو بطور دیباچہ لکھا گیا ہے اس میں مختلف نظموں کی
 تنقید یا مختلف اوقات کی نظموں کے باہم مقابلے کی گنجائش نہیں، اس کے لیے اگر
 جو سکا تو میں کوئی اور موقع تلاش کروں گا۔ سیر و سیاحت میں صاحبان ذوق کو مبارک باد دیتا
 ہوں کہ اُردو کلیات اقبال اُن کے سامنے رسالوں اور کلمہ ستوں کے اوراق پریشان
 سے نکل کر ایک مجموعہ دل پذیر کی شکل میں جلوہ گر ہے اور اُمید ہے کہ جو لوگ مدت
 سے اس کلام کو بیجا دیکھنے کے مشتاق تھے وہ اس مجموعے کو شوق کی نگاہوں سے
 دیکھیں گے اور دل سے اس کی قدر کریں گے۔

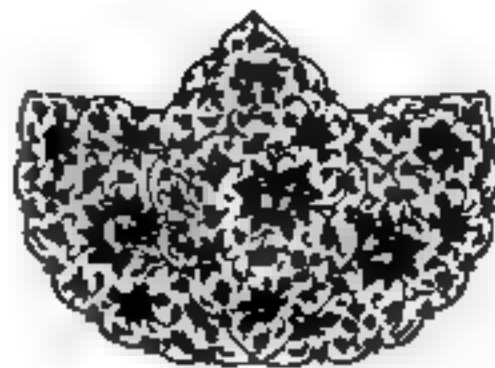
آخر میں اُردو شاعری کی طرف سے میں یہ درخواست قابل مصنف سے کرتا ہوں کہ

وہ اپنے دل و دماغ سے اُردو کو وہ جتنہ دیکھیں جس کی وہ مستحق اور محتاج ہے۔ خود انھوں نے غالب کی تعریف میں چند بند لکھے ہیں جن میں ایک شعر میں اُردو کی حالت کا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔

کیسوتے اُردو ابھی منت پذیر شانہ ہے

شمع یہ سودا آتی دلسوزی پروانہ ہے

ہم ان کا یہ شعر پڑھ کر ان سے یہ کہتے ہیں کہ جس احساس نے یہ شعر ان سے نکلوا یا تھا، اُس سے کام لے کر اب وہ پھر کچھ عرصے کے لیے کیسوتے اُردو کے سنوارنے کی طرف متوجہ رہیں اور ہمیں موقع دیں کہ ہم اسی جہت سے اُردو کو جو اس قدر دیر کے بعد چھپا ہے، ایک دوسرے قیامت اُردو کا پیش خیرہ سمجھیں۔



ان بن

قدت المحبہ ستم ہے۔

ان کو راز جو بنایا۔ راز اگر کمال سے چھایا
رہتا ہے حق آگیا۔ کھنڈ سر محمدؐ کی کا
جوت اعز و انتہا ہے
آج کے گھر ملک لکھا ہے

جے رسم خرم موج دریا۔ دریا کوئے مگر حاد ہما
بلبل کو ہوا رطوبت۔ شان سلیمان لدا ہے
نار مشعل رب قدرت۔ نندان ملک مانہ نگر
نور شدہ عابد بحر خزا۔ لکھو اللہ نام بر خزا
نور بناروں پر جھنڈ۔ بندہ کس شوق ہاں
نور و نور ہنسی ہے سرشت ہے نورانی
نور ہے محبہ ان کا
کتابچہ روزگار ہے

۲۸

باقی ہے در

۳۲

حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)

۴۹

بانگ درا

۳۳

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمالہ

اے ہمالہ! اے فصیل کشور ہندوستان چومتا ہے تیری پیشانی کو خجک کراساں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دینا دوزی کے نشان توجواں ہے کرشن شام و سحر کے درمیان

ایک جلوہ تھا کلیم طوسیٰ کے لیے
تو تجلی ہے سہرا چشم بینا کے لیے

اتحانِ مدیہ ظاہر میں کوہِ ستاں ہے تو پاسباں اپنا ہے تو دیوارِ ہندوستان ہے تو
مطلعِ اول فلک جس کا چوہہ دیواں ہے تو نئے خدوت کا دل و ہر شہر انساں ہے تو

برف نے باندھی ہے ستارِ فضیلت تیرے

خندہٴ ن ہے جو گلہٴ سہرِ عالم تاب پر

تیری عمر فرست کی اک آن ہے عہدِ سخن وادیوں میں ہیں تیری گالی لکھتا ہنسی سن
چو شیاں تیرا ہے ہر سرگرم سخن تو زہیں پر اور پہناتے فلک تیرا وطن

چشمہ دامن ترا آئینہ خیال ہے

دامن موج ہوا جس کے لیے وصال ہے

ابر کے ہاتھوں میں ہوا ہوا کے واسطے تازیانہ دے دیا برقی سر کھسارنے
اے ہمالہ کوئی بازی کا ہے تو بھی ہے دستِ قدرت بنایا ہے عناصر کے لیے

ہاتے کیا فطرطرب میں جھومتا جاتا ہے ابر

فیل بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر

جنبشیں موجِ نسیم سج کھوار وہی جھومتی ہے نشہ ہستی میں ہر گل کی کلی
یوں زباں برل سے گویا ہے اس کی خاموشی دستِ گلچیں کی جھلک میں نے نہیں دیکھی کبھی

کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا

گنجِ خلوت خانہ قدرت ہے کاشانہ مرا

آتی ہے منہ راز کوہ سے فاتی ہوتی کوثرِ نسیم کی موجوں کو شتراتی ہوتی

آئینہ سا شاہِ قدرت کو دکھلاتی ہوتی سب سے گاہِ پستی گاہِ مکراتی ہوتی

چھیڑتی جا اس عراقِ دل نشیں کے ساز کو

اے مسافرِ دل سمجھتا ہے تری آواز کو

یسی شب کھولتی ہے آکے جب زلفِ سا وہیں دل کھینچتی ہے ہر آواز کی صدا

وہ خموشیِ شام کی جس پر تکلم ہو فدا وہ درختوں پر کندہ کاسماں چپایا ہوا

کانپتا پھرتا ہے کیا رنگِ شفق لہا پر

خوشنما لگتا ہے عین زہ تے رخسار پر

اے ہمالہِ داستانِ اس وقت کی کوئی سنا مسکین آیتے انساں جب بنا وہن ترا

کچھ بتا اس سیدھی ساوی زندگی کا سہرا داغ جس پر غارِ رنگِ تکلف کا نہ تھا

ہاں لکھا ہے اے قصورِ پھر وہ صبحِ شام تو

دور پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

گلِ زندیں

تو شام سے خراشِ عقدہ مشکل نہیں اے گلِ زندیں تیرے پہلو میں شاید دل نہیں

زیب محفل ہے شریکِ شورشِ محفل نہیں یہ فراغتِ بزمِ ہستی میں مجھے حاصل نہیں

اس چین میں میں سراپا سوز و ساز آرزو

اور سیری زندگی بے لہذا آرزو

تو لینا شاخ سے تہجد کو مرا آہیں نہیں یہ نظر غیر از نگاہ چشم صہوت میں نہیں

آہ! یہ دستِ جنا جو لے گلِ زندیں نہیں کس طرح تہجد کو یہ بجھاؤں کہ میں گلچیں نہیں

کامِ تہجد کو دیدہ بکستِ الجھیروں سے لیا

دیدہ بے ل سے میں کرتا ہوں نظارہ ترا

سوزِ بانوں پر بھی خاموشی تہجے منطوب ہے راز وہ کیا ہے ترے سینے میں جو ستوب ہے

میری صورت تو بھی اک برکِ ریاضِ طوب ہے نہیں چین سے دور ہوں تو بھی چین سے تو ہے

مطمئن ہے تو پریشان مثلِ بوبرہا ہوں میں

زخمی شمشیرِ ذوقِ جستجو رہتا ہوں میں

یہ پریشانی مری سامانِ محبت نہ ہو یہ جگر سوزی چہ پر افع خازِ حکمت نہ ہو

ناتوانی ہی مری سراپا یہ قوت نہ ہو رشکِ جامِ بزمِ مرا آئینہ حیرت نہ ہو

یہ تلاشِ متصل شمعِ جہاں فروز ہے

توسن اور اک انسان کو خرامِ امن ہے

عہد طفلی

تھے دیدارِ نو زمینِ آسماں میرے لیے وسعتِ آغوشِ مادرِ اک جہاں میرے لیے
تھی ہر آلِ جنبشِ نشانِ لطفِ عیاں میرے لیے حرفِ بے مطلبِ تھی جو میری باں میرے لیے
ورڈ طفلی میں اگر کوئی رلاتا مست مجھے

شورشِ نجیرِ در میں لطفِ آتا تھا مجھے

تکے رہنا ہائے باوہ پیرِ تنکِ سوتِ قمر وہ چٹے بادل میں بے آوازِ پاؤں کا سفر
پوچھنا رہ رہ کے اُس کے کوہِ صحرائی خبر اور وہ حیرتِ دروغِ مصلحتِ امیز پر
انکھِ وقفِ دید تھی لبِ نائلِ نثار تھا
دل نہ تھا میرا، سراسرِ پاؤںِ وقِ ہفتا تھا

مرزا غالب

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا چہ پر مرغِ تخیل کی رسائی تانجی
تھا سراپا روحِ ثورِ بزمِ سخنِ پیکرِ ترا زنجیرِ بے پناہی کی پناہ بھی

وید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظوم ہے

بن کے سوز زندگی ہر شے میں جوستو ہے

محفل ہستی تری بر لب سے ہے سرمایہ دار جس طرح ندی کے نغموں سے کھوت کو ہمار

تیرے فروغ پر نیل سے ہے قدرت کی بہا تیری شبِ فکر سے اگتے ہیں عالم سبز و دہا

زندگی مضمون ہے تیری شوخی تحریر میں

تاب کو یابی جسے بخش ہے لبِ تصعیر میں

نطق کو سونا نہیں تیرے لبِ محبذ پر محو حیرت ہے ثریا فست پر اذ پر

شاہِ مضمون تصدیق ہے تم سے انداز پر خندِ زن ہے غنچہ پستی گل شیراز پر

آہ! ثوابِ جبری ہوئی دلی میں آہیہ ہے

گوشنِ ویر تیرے سیرِ انجمِ آہیہ ہے

لطفِ کو یابی میں سیرِ ہر مری مکن نہیں چوخیل کا زبنت کنگار کا ملِ ہمیشیں

ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرزمین آہ! لطفِ آہِ آموز نگاہِ مستہ میں

• دیر : جرمنی کا مشہور شاعر گوٹے اس جگہ مرقون ہے

گیسوئے اردو ابھی منت پذیر نہ ہے

شمع یہ سودا کی دسویں پروا ہے

اے جہان آباد اے گوارہ عیلم ہنر ہیں سراپا مالہ خاموش تیرے بام در

فترے فترے میں ترغے اہل شمس و قمر یوں تو پوشیدہ ہیں غبار میں لاکھوں

دفن تجھ میں کوئی فخر نہ کار ایسا بھی ہے

تجھ میں پس کوئی موتی آب ایسا بھی ہے

ابر کو ہزار

ہے بلند می سے فلک بوس شیریں ابر کو ہزار ہوں گل پاش ہے امن میرا

کبھی صحرایہ بھی گلزار ہے سکون میرا شہر ویرانہ مرا بحر مرا بن میرا

کسی آدمی میں جو منظور ہو سونا مجھ کو

سبزہ کو ہے منجھ سے کابھی سونا مجھ کو

مجھ کو قدرت نے رکھا یافے افشان ہونا ناقہ شاہد حست کا حدی خوان ہونا

عنم دوائے دل افسردہ بہت ہونا رونق بزم جوانان گلستان ہونا

بن کے کیونچ ہستی پہ بھرجاتا ہوں

شانہ موجبہ صہر سے سنو جاتا ہوں

دور سے یق آئید کو ترستا ہوں کسی بستی سے جو خاموش گن جاتا ہوں

سیر کرتا ہوں جس دم لب بچھاتا ہوں بالیاں نہر لولہ اس کی پھٹاتا ہوں

سبزہ مزع فوجیہ نر کی آئیں میں

زاق بچھڑن بڑوہ خورشید میں

چشمہ کوہ کوہی شورش قلزم میں نے اور پرندوں کو کیس موثر تم میں نے

سر پہ پنے کے کھٹے ہو کے کہا تم میں نے غنچہ گل کو دیا ذوق تبسم میں نے

فیض سے میرے نمونے ہر شبستانوں کے

جھوپٹے میں گہسار میں ہمت انوں کے



ایک مکڑا اور مکھی

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا
لیکن مری کشیا کی نہ جاگی کبھی قسمت
غیروں سے شیطیے تو کوئی بات نہیں ہے
اوجو کے گھر میں تو عزت ہے یہ میری
مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی تو بولی
اس حال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیر میں یہ چڑھا پھر نہیں اُترا
تم سا کوئی نادان زمانے میں ہو گا
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا
ٹھہرو جو کے گھر میں تو ہے اس میں بُرا لیا

اس گھر میں کئی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
 لٹکے پڑے دروازوں پر بار بار ایک پس پر
 مہمانوں کے آرام کو خاطر ہیں بچپن
 مکتی نے کہا خیر یہ سب ٹھیک ہے لیکن

باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی کٹیڑیا
 دیواروں کو آئینوں کے ہیں نے سجایا
 ہر شخص کو سماں یہ میسر نہیں ہوتا
 میں آپ کے گھر آؤں یہ آپ نہ رکھنا

ان نرم بچپنوں سے خدا مجھ کو بچاتے

سو جاتے کوئی ان پر تو پھر اٹھ نہیں سکتا

کڑے نے کہا دل میں سنی بات جو اُس کی
 سو کا غم شائے نکلتے ہیں جہاں میں
 یہ سوچ کے مکتی سے کہا اُس نے بڑی بنا
 ہوتی ہے اُسے آپ کی صوٹ سے محبت

پھانسیوں کے س طرح یہ کم بخت ہے ہوانا
 دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بنا
 اللہ نے بے محاشا ہے بڑا آپ کو رتبا
 سر آپ کا اللہ نے کلمی سے سجایا

پھر اس پر قیامت ہے یہ اُتے ہوئے گانا
 بولی کہ نہیں آپ کے مجھ کو کوئی لٹکا
 سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا

انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں میں
 یہ سن یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی
 مکتی نے سنی جب یہ خوشامد تو پس بھی
 انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں میں

یہ بات کہی اور اڑی اپنی جگہ سے پاس آتی تو مڑے نے اچھل کر اسے پکڑا

بھوکا تھا لٹی رنے اب ہاتھ جو آتی

آرام سے گھر بیٹھ کے مکتھی کو اڑایا

ایک پہاڑ اور گلہری

(ماخوذ از امیرسن)

بچوں کے لیے

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا ال گلہری سے تجھے ہوشم تو پانی میں جا کے ڈوب کر

ذرا سی چیز ہے اس غرور کیا کہنا یہ عقل اور یہ سمجھ بھڑکیا کہنا

خدا کی شان ہے ہر چیز چیز بن بیٹھیں جو بے شعور ہوں یوں باتیں بن بیٹھیں

ترمی بساط ہے کیا میری شان کے لے زمین ہے پست مری آن بان کے لے

جو بات مجھ میں ہے تجھ کو وہ ہے نصیب کہا

بھلا پہاڑ کہاں جانور غریب کہا

کہا یسن کے گلہری نے منہ نہ بھال ذرا یہ کچھ باتیں ہیں دل سے انھیں نکال ذرا

جو مین بڑی نہتیں سیری طرح تو کیا پروا
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
ہر ایک چیز سے پیدا خدائی قدر سے
کوئی بڑا کوئی چھوٹا یہ اس کی حکمت سے
بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اس نے
قدم اٹھانے کی طاقت نہیں اتجھ میں
بڑی بڑائی ہے خوبی ہے اور کیا تجھ میں
جو تو بڑا ہے تو مجھ سے سزا سنو لکھا مجھ کو
چھپا لیا ہی ذرا تو ڈر لکھا مجھ کو

نہیں ہے چیز بڑی کوئی زمانے میں
کوئی بڑا نہیں قدرت کے کاغذ میں

ایک کا تے اور بلبری

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

اک چہرہ الہ ہری بھری تھی نہیں
تھی سراپا بہار جس کی زمیں
کیا سماں اس بہار کا ہو بیاں
ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں
تھے اناروں کے بے شمار درخت
اور پھل کے یہ دار و درخت

ٹھنڈی ٹھنڈی چو آئیں آتی تھیں
 کسی ندی کے پاس اک بدمی
 جب ٹھنڈ کر اوجھڑا جھڑ گیا
 پہلے جھجکا کر اُسے سلام کیا
 کیوں بڑی بی! مزاج کیسے ہیں
 کٹ رہی ہے بڑی مہملی اپنی
 جان پر آہنی پئے کیل کیسے
 دیکھتی ہوں خدا کی شان میں
 زور چلتا نہیں عنبر یوں کا
 آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے
 دودھ کم دوں تو بڑھاتا ہے
 ہتھکٹنڈوں سے غلام کرتا ہے
 اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
 بدے نیکی کے یہ بُرائی ہے

طاہروں کی صدائیں آتی تھیں
 چرتے چرتے کہیں سے آنکلی
 پاس اک گائے کو گھڑے پایا
 پھر سیلتے سے یوں کلام کیا
 گاتے بولی کہ خیر اچھے ہیں
 ہے مصیبت میں زندگی اپنی
 اپنی قسمت بُنی ہے کیا کہیے
 رو رہی ہوں بُروں کی جان میں
 پیش آیا نکلا نصیبوں کا
 اس سے پالا پڑے خدا نہ کرے
 ہوں جو ڈوبی تو بیچ لھاتا ہے
 کہن سنریوں سے رام کرتا ہے
 دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں
 میرے اللہ! تری دہاتی ہے

سُن کے بکری یہ ماجرہ اسارا
 بات سچی ہے بے مزا لگتی
 یہ سپرالہ، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
 اسی خوشیاں ہیں نصیب
 یہ منزے آدمی کے دم سے ہیں
 اس کے دم سے ہے اپنی آبادی
 سوطرچ کا بنوں میں ہے کھٹکا
 ہم یہ احسان ہے بڑا اس کا
 قدر آرام کی اگر سجد
 گائے سُن کر یہ بات شرمائی
 دل میں پرکھا بھلا بُرا اُس نے
 بولی، ایسا بگڑ نہیں اچھپ
 میں کہوں گی مگر خدا لگتی
 یہ ہری کھاس اور یہ سایا
 یہ کہاں بے زبان غریب
 نطف سارے اسی کے دم سے ہیں
 قید ہم کو جس کہ از آدمی
 واں کی نذران سے بچائے خدا
 ہم کو زیب نہیں کلا اس کا
 آدمی کا کبھی بگڑ نہ کرو
 آدمی کے گلے سے پھٹائی
 اور کچھ سوچ کر کہا اُس نے

یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
 دل کو لگتی ہے بات بکری کی



بچے کی دعا

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے منت میری
زندگی شمع کی صورت ہو نہ ایا میری
دُور دُنیا کا مرے دُم سے اندھیرا ہو جائے

ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے
ہو مرے دُم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب
ہو مرا کام عنریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں کے ضعیفوں سے محبت کرنا

مرے اللہ! بُرائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مجھ کو

ہمدردی
(ماخوذ از ولیم کوپر)
بچوں کے لیے

شہنی یہ کسی شخص کی تنہا	نُبل تھا کوئی اُداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آتی	اڑنے چکنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح اشیان تک	ہر چیز پہ چھپا لیا اندھیرا
مُن کر نُبل کی آہ و زاری	جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے	کیسٹرا ہوں اگرچہ میں فوراسا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری	میں راہ میں روشنی کروں گا
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل	چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

ماں کا خواب

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

میں سوئی جو اک شب تو دیکھا یہ خواب
یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں
لڑتا تھا ڈر سے مرا بال بال
جو کچھ حسد پاکے آگے بڑھی
زمر دسی پوشاک پہنے ہوئے
وہ چپ چاپ تھے آگے پیچھے روئے
اسی سوچ میں تھی کہ میرا پر
وہ پیچھے تھا اور میں چلتا نہ تھا
کہا میں نے نہ چپان کر میری جان!
جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار
بڑھا اور جس سے مرا خطراب
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں
قدم کا تھا دہشت سے اٹھنا محال
تو دیکھ قطار ایک لڑکوں کی تھی
دیے کئے ہاتھوں میں جلتے ہوئے
خدا جانے جانا تھا ان کو کہاں
مجھے اُس جماعت میں آیا نظر
دیا اُس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا
مجھے چھوڑ کر آگے تم کہاں؟
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ما

نہ پروا ہم ساری ذرا تم نے کی گئے چھوڑ، اچھی وفا تم نے کی
 جو بچے نے دیکھا مرا بیچ و تاب دیا اُس نے مُنہ پھیر کر یوں جواب
 رلاتی ہے تجھ کو جُدا تی مری نہیں اس میں کچھ بھی جُدا تی مری
 یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چُپ رہا دیا پھر دکھ کر یہ کہنے لگا

سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے؟

ترے آنسوؤں نے بُجھایا اسے!

پرندے کی فریاد
 بچوں کے لیے

اہم ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانا وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چھپانا
 آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی اپنی خوشی سے اُٹا اپنی خوشی سے جانا
 لگتی ہے چوٹِ دل پڑا ہوا ہے یاد جس دم شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا ٹکرانا
 وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی موت آباد جس کے دم سے تھا میرا اُتھینا

اتنی نہیں آئیں اُس کی مرے قفس میں

ہوتی مری ہائی لے کاش میرے بس میں!

کیا نصیب چن میں لکھ کر ترس رہا ہوں ساتھی تو ہیں وطن میں میں قید میں چڑھا ہوں
 اتنی بہار کلیاں بھولوں کی سنس رہی ہیں میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں
 اس قید کا الہی اڈو لکھڑا کے سناؤں

ڈرے یہیں قفس میں میں غم سے مر رہا ہوں

جب سے چمن چٹاپے یہ حال ہو گیا ہے دل غم کو لکھا رہا ہے غم دل کو لکھا رہا ہے
 گانا ہے سمجھ کر خوش ہوں نہ سننے والے دکھے ہوئے دلوں کی فانی یاد یہ صدا ہے
 آزاد مجھ کو کروئے اوقید کرنے والے!

میں بے زبان چن قیدی تو چھوڑ کر ڈالے

خفتگانِ حال کے استفسار

مہر روشن چھپ گیا اٹھی نقابِ روتے شام شانہ ہستی ہے بکھرا ہوا کیسوتے شام
 یہ سیہ پوشی کی تیاری کسی کے غم میں ہے محفلِ قدرت مگر خورشید کے ماتم میں ہے
 کر رہا ہے آسمان جا بول بگفتار پر ساحرِ شب کی نظر ہے دیدِ قیدار پر
 غوطہ زن دریائے حساس ہوشی میں موج ہوا ہاں طراکِ دور سے آتی ہے آوازِ دردا

دل کہ ہے بے تابی الفت میں دنیا سے نفو
کھینچ لایا ہے مجھے ہنگامہ عالم سے نور

منظرِ حرام کی تماشائی ہوں میں

ہم نشینِ جنتگانِ گنجِ تنہائی ہوں میں

تعمدِ بے تابی دل بیٹھ جانے دے مجھے
اور اس بستی پہ چار آنسو گرانے دے مجھے

اے غفلت کی سرستو! کہاں رہتے ہو تم؟
کچھ کہو اس دس کی آخر جہاں رہتے ہو تم؟

وہ بھی حیرت خاںہ امر و نہی ہے کوئی؟
اور پیکارِ عتصاف کا تماشہ ہے کوئی؟

اوسمی اں بھی حصہِ غم میں ہے محسوس کیا؟
اُس لایت میں بھی ہے انسان کا دل مجبور کیا؟

واں بھی جیل مرثیہ سوزِ شمع پر پڑا نہ کیا؟
اُس چین میں بھی گلِ لبس کا ہے افسانہ کیا؟

یاں تو اک مصرع میں پسند سے نکل جاتا ہے دل
شعر کی لہری سے کیا اں بھی پھل جاتا ہے دل؟

رشتہ و پیوندی کے جان کا آزار ہیں
اُس گھٹاں میں بھی کیا ایسے نکمے خار ہیں؟

اس جہاں میں اک معیشت اور سو افتاد ہے
روح کیا اُس سیس میں اس فکر سے آزاد ہے؟

کیا دامنِ بلی بھی ہو جہاں بھی ہے خرم بھی ہے؟
قلعے والے بھی ہیں اندیشہ سبز بھی ہے؟

تکے چنتے ہیں وہاں بھی آشیان کے واسطے؟
خشتِ گل کی فکر ہوتی ہے کھال کے واسطے؟

واں بھی انسان اپنی اہلیت سے بیکار نہ ہیں کیا؟
امیازِ ملت و آئین کے دیوانے ہیں کیا؟

واں بھی کیا منیر پوئیل پرچہ تانہیں؟

اس جہاں کی طرح اس بھی بڑا دل ہوتا نہیں؟

بانغ ہے فردوس یا اک نسل آرام ہے؟
کیا جہنم مصیبت بڑی کی اک ترکیب ہے؟
کیا عرصہ رفا کے اُس ریس میں پرواز ہے؟
اضطرابِ دل کا سماں یاں کی ہست بود ہے؟
دیدے تے سکین پاتہ ہے دل مجبور بھی؟
جستجو میں ہے ہاں بھی رُوح کو آرام کیا؟
اواہ کشور بھی تار کی سے کیا مہر ہے؟
یا رنج بے پردہ حسنِ ازل کا نام ہے؟
آگ کے شعلوں میں نہاں مقصدِ دید ہے؟
سوت کتے ہیں جسے ازل میں کیا راز ہے؟
علمِ انساں اُس لایت میں بھی کیا محدوس ہے؟
لکن ترانی کدے ہے ہر پاؤں کے طو بھی؟
واں بھی انساں ہے قسطنطنیہ وقِ استغنا کیا؟
یا محبت کی تحبلی سے سراپا نور ہے؟

تم بتا دو راز جو اس کنبہ لڑواں میں ہے

سوت اک چھتا ہوا کا نسا دل انساں میں ہے

شمع و پروانہ

پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمعِ پیار کیوں
یہ جان بے قرار ہے تجھ پریشاں کیوں

سیاب وار رکھتی ہے تیری ادا سے
 کرتا ہے یہ طواف تری جدو جہاد کا
 آداب عشق تو نے سکھائے ہیں کیا سے؟
 از آرموت میں اسے آرام جاں ہے کیا؟
 پھونکا ہوا ہے کیا تری برقی نگاہ کا؟
 غم خانہ جہاں میں جو تیری ضیاء ہو
 شعلے میں تیرے زندگی جاوداں ہے کیا؟
 اس تفتہ دل کا نخل مست ہر آنہ ہو
 کرنا ترے حضور میں اس کی نماز ہے
 نتھے سے دل میں لذت سوز و لذائذ ہے
 کچھ اس میں جو شمع عشقِ حُسنِ قدیم ہے
 چھوٹا سا طور تو، یہ ذرا سا حکیم ہے

پروانہ اور ذوق تماشا تے روشنی
 کبیرا ذرا سا اور تماشا تے روشنی

عقل و دل

عقل نے ایک دن یل سے کہا
 ہوں زمین پر، گزر فلک پہ مرا
 بھولے بھٹکے کی رہنما ہوں میں
 دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
 مثلِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں
 کامِ دنیا میں رہبری ہے مرا
 ہوں مغتر کتاپِ پستی کی
 منظرِ شانِ کبریا ہوں میں

بوندِ اک خون کی ہے تُو لسی کن
 دل نے سن کر کہا یہ سب سچ ہے
 رازِ بستی کو تُو سمجھتی ہے
 ہے تجھے واسطہ مظاہر سے
 غمِ تہجد سے تو معرفتِ مجھ سے
 علم کی انتہا ہے بے تابی
 شمعِ تُو محفلِ صداقت کی
 تُو زمان و مکاں سے رشتہ بیا
 غیرتِ لعلِ بے بہا ہوں میں
 پر مجھے بھی تو دیکھ لیا ہوں میں
 اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں
 اور باطن سے آشنا ہوں میں
 تُو حندِ اجو حندِ انما ہوں میں
 اس مرض کی طرودا ہوں میں
 حُسن کی بزم کا دیا ہوں میں
 طائرِ سدرہ آشنا ہوں میں

کس بندِ می پہ ہے ہمتِ امِ مرا
 عرشِ تَبِ جلیل کا ہوں میں

صدائے درد

جل ہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
 سُر میں اپنی قیامت کی نفاقِ انگیز ہے
 ہاں بوفے اے محیطِ آبِ گنگا تو مجھے
 وصلِ کیسا یان تو اک قُربِ فراقِ انگیز ہے

بے یک رنگی کے یہ آشنائی ہے غضب ایک خرمی کے دانوں میں خدائی ہے غضب
جس کھوپوں میں اخوت کی ہوا آئی نہیں اس چین میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

لذتِ قربِ سیقی پر مٹا جاتا ہوں میں

اختلاطِ حجبہ ساحل سے گھبراتا ہوں میں

وانہ خرمی بند ہے شمعِ معجزیاں ہونہ خرمی ہی تو اس دانے کی سستی کھپاں
خُسن ہو کیا خودِ صاحبِ کوئی مائل ہی ہو شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی ہو
ذوقِ گویائی حسدِ شہی سے بے تار کیوں نہیں میرے آئینے سے یہ جو ہر نکلتا کیوں نہیں

کب زباں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے

چھوٹا ٹالا جب چمکے آتشِ سکاری نے

آفتاب

(ترجمہ گایتری)

اے آفتابِ رُوح و روانِ جہاں ہے تُو شیرازہ بندِ فستہ کون ساں ہے تُو
باعث ہے تُو وجودِ عدم کی نمود کا ہے سبز تیرے دم سے چمن بستِ بود کا

قائم یہ غصروں کا تاشا تجھی سے ہے
 ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے
 ہر شے کو تیری جلوہ گری سے شبات ہے
 تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے
 وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے
 دل ہے خرو ہے روح رواں ہے شعور ہے
 اے آفتاب! ہم کو ضیائے شعور دے
 چشم خرو کو اپنی تحبلی سے نور دے
 ہے محسن وجود کا سماں طہراز تو
 یزدان ساکن ان نشیب و فراز تو
 تیرا کمال ہستی ہر جاندار میں
 تیری نمود سلسلہ کو ہمار میں
 ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو
 زائید گاہ نور کا ہے تاجدار تو
 نے ابتدا کوئی نہ کوئی انتہا تری
 از اذ قید ازل و آخر ضیا تری

شمع

بزم جہاں میں میں بھیجے شمع دردمند
 فریاد و گریہ صفت دانہ سپند
 دی عشق نے حرارت سوز و زوروں سے تجھے
 اور گل فروش اشک شفق کوں کیا مجھے
 ہر شمع بزم شمس کہ شمع مزار تو
 ہر حال اشک غم سے ہی پہنار تو
 یک بین تری لطف صفت عاشقان راز
 میری نگاہ مایہ آشوب امتیاز

کعبے میں نہ رکھے میں کیساں تری ضیا
نہیں استیاز ویر جسم میں چھپا ہوا

ہے شان آہ کی ترے دو سیاہ میں

پوشید کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں

جلتی ہے ٹوکہ برق تجلی سے نور ہے
بے درد تیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے

تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں
بینہ ہے اور سوز و زوے نظر نہیں

نہیں جو شر اضطرار ہے سیما بے ار بھی
اگاہ اضطرار دل بے قرار بھی

تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بنے ناز کا

احساس دے دیا مجھے اپنے کہ ناز کا

یہ آگہی مری مجھے رکھتی ہے بے قرار
خوابید اس شر میں ہیں آتش کہ بے ہزار

یہ استیاز رفت و پستی اسی سے ہے
گل میں مہک شرب میں تھی اسی سے ہے

بستان و بیل و گل و بو ہے یہ آگہی

اصل کشاکش من و تو ہے یہ آگہی

صبح ازل جو حسن و بستان عشق
آواز گون ہوئی تپش آموز جان عشق

یہ حکم تھا کہ فلش گون کی بہار دیکھ
ایک آنکھ لے کے خواب بستان بیکھ

مجھ سے خبر نہ پوچھ حجابِ جو کی
 وہ دن گئے کہ قید سے نہیں آشنائے تھا
 شامِ سحرِ صبح تھی میری نو کی
 قیدی ہیں اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں
 زیبِ درختِ طور مرا آشیانہ تھا
 غربت کے غم کے کو وطن جانتا ہوں میں
 یادِ وطن فسرِ دلی ہے سببِ بنی
 شوقِ نطن کہ کبھی کبھی ذوقِ طلبِ بنی

اے شمع! انتہائے فریبِ خیال دیکھ
 مضمونِ فراق کا ہوں ثریا نشانِ چوں میں
 مسجودِ ساکنِ ان فلک کا مال دیکھ
 باندِ حلاجے جو اُس نے تو چاہی میری نو
 اہنگِ طبعِ ہنسِ کونِ مکانِ چوں میں
 گوہرِ کشتِ خاک میں سپا پسند ہے
 تحریرِ کر دیا سرِ یوانِ ہست بود
 بندش اگرچہ ہے مضمونِ طلبِ ہے
 چشمِ غلطِ فکر کا یہ سارا قصور ہے
 عالمِ ظہورِ جلوتِ ذوقِ شعور ہے
 یہ سلسلہ زمانِ مکان کا پسند ہے
 اے شمع! میں اسیرِ فریبِ نگاہ ہوں
 منزلِ کاشتِ تیاق ہے کلمِ کردہ اہ ہوں
 باجمِ سرم بھی طائرِ باجمِ سرم بھی آپ
 صیادِ آپِ صلتِ ترومِ ترم بھی آپ
 کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں
 میں حسنِ چوں کہ عشقِ سراپا لہز ہوں

ہاں آشنائے لب جو نہ راگزین کہیں
پھر چھڑ نہ جلتے قصہ دار و رسن کہیں

ایک آرزو

دنیا کی مخلوق سے اکتا گیا ہوں یارب! کیا نطف انجمن کا جب دل ہی سمجھ گیا ہو
شورشِ بجاتا ہوں دل ٹھونڈتا ہے میرا ایسا سکوت جس پر تیرا بھی منہ ہو
مرتا ہوں خاشی پڑیا آرزو ہے میری دہن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھنوپڑا ہو
ازاد فکر سے ہوں عزت میں ن گزارا دنیا کے عنسِ کامل سے کانٹا نکل گیا ہو
لذتِ سرور کی چوہ پٹریوں کے چھپو میں چشمے کی شورشوں میں باجاسا بج رہا ہو
گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا ساعتِ ذرا سا کو یا مجھ کو جہاں نہا ہو
جو ہاتھ کا سر حانا سبز سے کا ہو بھونکا شربت جس سے جلوتِ خلوت میں وہا ہو
مانوس اس قدر ہو صوت سے میری سبیل ننھے دل میں اس کے کھٹکانہ کچھ مرا ہو
صفِ باندھے نون جانب ٹوٹے سر پہ ہوں ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دل فریب ایسا کسار کا نطراہ پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دھکتا ہو

آنکھیں میں نہیں کی سو یا نہوا سو سبز
 پانی کو چھو رہی جھک جھک کے گل کی
 مہندی لگائے سو ج جب شام کی دھن کو
 راتوں کو چنے والے چلتیں تھکے جسم
 بجلی چمک کے اُن کو کشیا مری لکھائے
 پھیلے پہر کی کوتل وہ صبح کی توڑن
 کانوں پہ چونہ میسے دیر جسم کا احسا
 پھولوں کو اسے جسم شبنم وضو کرنے
 اس خامشی میں جاتیں اتنے بلند نالے
 پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا
 جیسے سین کوئی آئینہ دیکھتا رہا
 سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قسب
 آئینہ اُن کی میسر اُٹوٹا ہوا دیا
 جب آسمان پہ ہر سو بادل بھرا ہوا
 میں اس کا ہم نوا ہوں وہ سیری ہم نوا
 روزن ہی جھنوپٹری کا مجھ کو سحر نہا
 رونامرا وضو ہو، نالہ مری دعا
 تاروں کے قافلے کو سیری صدا اورا

ہر درمند دل کو رونامرا دلادے
 بے ہوش جو پٹے نہیں شاید انجمن جگادے



اقصاب

شورشِ مخزنِ انساں سے بالاتر ہے تو زینتِ بزمِ فلک جس سے غم ہے تو
ہو ذرِ کوششِ عروسِ صبح وہ کوہِ ہے تو جس پہ پائے افقِ نازاں ہو وہ یور ہے تو

صفحہٴ ایام سے دُعا و شبِ مٹا

آسماں سے نقشِ ماطل کی طرح کو لبِ مٹا

حسنِ تیرا جب اب ہم فلک سے جلوہ گر آنگہ سے اُٹتا ہے یک دم غم کی مے کا ش

نور سے سور ہو جاتا ہے دامنِ نظر کھولتی ہے چشمِ ظاہر کو ضیاءِ تیری مگر

ڈھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں تماشا چاہیے

چشمِ ماطن جس سے کھل جاتے وہ جلوہ چاہیے

شوقِ آزادی کے دنیا میں نہ بکھو حوصلے زندگی بھر قیدِ زنجیرِ مستق میں ہے

زیرِ بالا ایک ہیں تیری نگاہوں کے لیے آرزو ہے کچھ اسی چشمِ تماشا کی مجھے

آنکھ میری اور کے غم میں سرشکِ باد ہو

امیازِ غمتِ آئیں سے دلِ آزاد ہو

بستہ رنگِ خصوصیت نہ ہو میری بہا
نورِ انساں قوم ہو میری وطن میرا بہا
ویدہ باطن پر از نظم قدرت ہو عیا
ہوشناسائے فلک شمعِ تخیل کا دھواں

عقدہ ضدِ ادا کی کاوش نہ تڑپاتے مجھے

حُسنِ عشقِ انجمنِ زہرے میں نظر آتے مجھے

صدمہ آجاتے ہوا سے گل کی پتی کو اگر
اشک بن کر میری آنکھوں سے ٹپک جاتے اثر
دل میں سوزِ محبت کا وہ چھوٹا سا شہر
نور سے جس کے بدلے از حقیقت کی خبر

شاہِ قدرت کا آئینہ ہو دل میرا نہ ہو

سر میں خیرِ ہمدردی انساں کوئی نہ دے

تو اگر زحمت کش ہنگامِ عالم نہیں
فیضیت کا نشان اے غیرِ اعظم نہیں
اپنے حُسنِ عالم آرا سے جو تو محرم نہیں
ہم سرِ یک فترۂ خاکِ آدم نہیں

نورِ سجودِ ملکِ گرم ہاں شاہی رہا

اور تو منتِ پیہرِ صبحِ منہ را ہی رہا

آرزوِ نورِ حقیقت کی ہمارے دل میں ہے
یہی ذوقِ طلب کا گھر اسی محل میں ہے
کس قدر لذت کشوہِ عقدہِ مشکل میں ہے
لطفِ حاصلِ ہماری سہی بے حاصل میں ہے

دردِ استغمام سے اقف ترا پہلو نہیں
جستجوئے از قدرت کا شناسا تو نہیں

دردِ عشق

اے دردِ عشق! ہے گہرا بے در تو
پنہاں تیرے نقاب تیری جلوہ گاہ ہے
اکی نئی ہوا چہ من بہت بود میں
ہاں، خود نمائیوں کی تجھے جستجو نہ ہو
نامحرموں میں دیکھ نہ ہو آتش کار تو!
ظہا پر پرست محسن نو کی نگاہ ہے
اے دردِ عشق! اب نہیں لذت نمود میں
مست پذیر نالہ بے بس کا تونہ ہو!
پانی کی بوند کر یہ شبِ بنم کا نام ہو
اشک جگر کہ از زخم ترا
گو یا زبانِ شاعر زنجیںِ بیاں ہو
آواز نے میں شکوہ و فرقت نہاں نہ ہو

یہ دوز نکلتے ہیں بے کہیں چھپ کے بیٹھ رہ

جس دل میں تو کہیں ہے وہیں چھپ کے بیٹھ رہ

حافل ہے تجھ سے حیرتِ علمِ آفریدہ دیکھ! جو یا نہیں تیری نگہ نارسیدہ دیکھ

رہنے دے بستج میں خیال بند کو حیرت میں چھوڑ دینے چلت پند کو
 جس کی بہ سا تو ہو یہ ایسا چمن نہیں قابل تری نمود کے یہ انجمن نہیں
 یہ انجمن ہے شستہ نظارہ محباز مقصد تری نگاہ کا خلوت سرائے از

ہر دل سے خیال کی کستی سے چور ہے
 کچھ اور آجکل کے کاموں کا طور ہے

گل پر مردہ

کس زبان سے گل پر مردہ تجھ کو گل کہوں کس طرح تجھ کو مستائے دل بہل کہوں
 تھی کبھی موج صبا کھوار بھنبان ترا نام تھا صحن گلستاں میں گل خنداں ترا
 تیرے احسان کا نسیم صبح کو ہوا تھا
 باغ تیرے دم سے گویا طبع عطف تھا

تجھ پہ برساتا ہے شبنم دیدہ گریاں مرا ہے نہاں تیری اداسی میں دل بیاں مرا
 میری بربادی کی ہے چھوٹی سی ال تصویر تو خواب میری زندگی تھی جس کی ہے تعبیر تو
 ہر چوئے از نیستانِ جو حکایت می کنم بشنوائے گل از جداتہا شکایت می کنم

سید کی لوح تربت

اے کہ تیرا مرغ جان تا نفس میں ہے کیا
اے کہ تیری لوح کا طائر نفس میں ہے کیا
اس چمن کے نغمہ پردازوں کی ازادی تو مجھ
شہر خواہڑا ہوا تھا اس کی آبادی تو مجھ
فکر رہی تھی مجھے جس کی وہ نسل ہے یہی
صبر و استقلال کی نصیبی کا حاصل ہے یہی

سب تربت ہے مرا کہ وہ تفتہ بریکہ

چشم باطن سے فراس لوح کی تحسیریکہ

بہ عاتیر الزنباب میں ہے تسلیم میں
ترک زنباب قوم کو اپنی نہ سکھانا کہیں
وانہ کرنا فرستہ بندگی کے لیے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامہ مشرباں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
وہیہ کوئی دل نہ دکھ جاتے تری تحریر سے

محفل نو میں پرانی دستانوں کو نہ چھیڑ

زنگ پر جواب نہ آئیں ان فسانوں کو نہ چھیڑ

تو اگر کوئی بدتر ہے تو سن میری صدا
ہے دلیری دستار باب سیاست کا عصا
عرض مطلب کے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے
نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پروا تجھے

بندہ مومن کا دل بیم و یاس سے پاک ہے
قوتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے

ہوا لرہاتھوں میں تیرے خاتمہ معجزہ قسم شیشہ دل ہوا التیرا مثالِ جامِ جسم
پاک رکھ اپنی باں تلمیہ زحمانی ہے تُو ہونہ جائے بھینتا تیری صدا بے آبرو
سمنے والوں کو جگائے شعر کے اعجاز سے
خمرینِ باطل جلائے شعلہ آواز سے

ماہِ نو

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی عرقابِ نیل ایک ٹکڑا تیرا پھرتا ہے رُئے آبِ نیل
طشتِ لڑوؤں میں ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب نشترِ قدرت کے لیا کھول ہے فصہ آفتاب
چرخ نے بالی خُپالی ہے عروسِ شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے غیم کی
قافہ تیرا واں بے منتِ بانگِ دوا گوشِ انساں سن نہیں سکتا تری آوازِ پیا
گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دکھلاتا ہے تُو ہے وطن تیرا کہ صُرفِ سرِ وِیس کو جاتا ہے تُو

ساتھ اے سیارہ ثابت نمائے چل مجھے خارِ حسرت کی غلش رکھتی ہے ایسے کل مجھے

نور کا طالب چوں گھبرا تا ہوں اس بستی میں

طفلابِ سیاب پاہوں مکتبِ ہستی میں

انسان اور برہم قدرت

صبحِ خورشیدِ خشاں کو جو دیکھا میں نے
پر تو مہر کے دم سے ہے اُجبالا تیرا
مہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے
گل و گلزار تجھے حُسن کی تصویر میں
سرخ پوشاک ہے ٹھپولوں کی دختوں کی ہری
ہے ترخمیہ گزروں کی طبعاتی جبار
کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی
رتبہ تیرا ہے بڑا نشان بڑی تہی سہری
صبحِ اک لیت سراپا ہے تری سطوت کا
برہم معمرہ ہستی سے یہ پوچھا میں نے
سیمِ سیال ہے پانی تھے دریاؤں کا
تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے
یہ بھی سورۃِ دانش کی تفسیر میں
تیری محفل میں کوئی سبز کوئی لال پری
بدلیاں لال سی آتی ہیں اُفق پر چٹنہ
مے گلزنہ خمِ شام میں تو نے ڈالی
پردۂ نور میں ستور ہے ہر شے تیری
زیرِ خورشیدِ نشان تک بھی نہیں ظلمت کا

میں بھی بادلوں اس نور کی بستی میں ملے
جل کیا پھر مری تختہ دیر کا اختر کنوئلر؟
نور سے نور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں

کیوں سنیہ روز سنیہ سخت سنیہ کار ہوں میں؟

میں یہ کہتا تھا کہ آواز کہیں سے آئی
بام گردوں سے ویا صحن میں سے آئی
ہے تیرے نور سے ابستہ مری بود و بود
باغباں ہے تری ہستی ہے گلزار چڑ
انہج سن کی ہے تری تصویر ہوں میں
عشق کا تو ہے صحن تری تفسیر ہوں میں
میرے بگڑے ہوتے کاموں کو بنایا تھو نے
بار جو مجھ سے اٹھا وہ اٹھا یا تھو نے

نور خورشید کی محتاج ہے ہستی میری
اور بے منت خورشید چمک ہے تیری
ہو نہ خورشید تو ویراں چو گلستان میرا
منزل عیش کی جا نام ہو زنداں میرا
اے اے از عیاں کے نہ سمجھنے والے
حلتہ ام تمسک میں الجھنے والے
ہے غفلت کہ تری آنکھ ہے پابند مجاز
ناز زیب تھا تجھے تھو ہے طرکرم نیاز

تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار ہے

نہ سنیہ روز ہے پھر نہ سنیہ کار ہے



پیامِ صبح

(ماخوذ از لائیک فیلو)

اُجالا جب تجھ از نصرتِ جبینِ شب کی افشاں کا
 نسیمِ نہ کی سپہِ ملامی صبحِ خنداں کا
 جگایا بس رنکسِ نوا کو آتشِ یلے میں
 کنکے کھیت کے شانہ پلایا اس نے دھماں کا
 طلسمِ عینِ شبِ سورۃِ والنور سے توڑا
 اندھیرے میں اڑایا تلخِ زرشعِ شبستاں کا
 پڑھا خواہی گدینِ فریرِ افسونِ بیداری
 بزمِ کو دیا سپہِ مخرِ شیدِ خفاں کا
 ہوتی بامِ حرم پر آگے یوں گویا موتوں سے
 نہیں کھٹکا ترے دل میں نہ وہ مہرِ تاباں کا
 نکاری اس طرح دیا ہوشِ کھٹکے ہو کر
 چٹک اُغنیِ گلِ آتشِ موتوں سے گلستاں کا
 دیا یہ حکم صومرا میں چلو اے قافلے والا
 چلنے کو ہے جگنو بن کے ہر ذرہِ سیاہاں کا
 سوئے کو رِ غریباں جب لیتی نڈوں کی سہی
 تو یوں بولی نطفِ ارہ و میہ کر شہرِ خروشاں کا

ابھی آرام سے لیٹے رہو میں مھر بھی آؤں گی
 سلاووں کی جہاں خواہی ہے تم کو جگنو کی



عشق اور موت

(ماخوذ از مینی سن)

سُہانی نمودِ جہاں کی لٹری تھی تبسمِ فشاں زندگی کی کلی تھی
 کہیں سرکہ تاجِ زرِ بل رہا تھا عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی
 بسیہ پیرِ جن شام کو دے رہے تھے ستاروں کو تعلیم تابندگی تھی
 کہیں شاخِ ہستی کو گلتے تھے پتے کہیں زندگی کی کلی پھوٹتی تھی
 فرشتے بسکھاتے تھے شبنم کو رونا ہنسی گل کو پہلے پہل آرہی تھی
 عطا ورو ہوتا تھا شاعر کے دل کو خودی تشنہ کام سے بے خودی تھی
 اٹھی اول اول گھٹا کالی کالی کوئی خورِ چوٹی کو کھولے لٹری تھی

زمین کو تھا دعویٰ کہ میں آسماں ہوں

سکماں کہہ رہا تھا کہ میں لامکاں ہوں

غرض اس قدر نیٹا رہا تھا پیارا کہ نیٹا رگی ہو سدا پانٹارا
 ملک آزماتے تھے پرواز اپنی جبینوں سے نورِ ازل آشکارا

فرشتہ تھا اک عشق تھا نام جس کا
 فرشتہ کہ پتلا تھا بے تابوں کا
 بے سیر فروس کو جا رہا تھا
 یہ پوچھا ترا نام کیا، کام کیا ہے
 ہوا سن کے گویا قضا کا فرشتہ
 اڑاتی ہوں میں رخت ہستی کے پرزے
 مری آنکھ میں جاوے مستی ہے
 مگر ایک ہستی ہے دنیا میں ایسی
 شر بن کے رہتی ہے انساں کے دل میں
 چسپتی ہے آنکھوں سے بن بن کے آنسو
 سنی عشق نے گفتگو جب قضا کی
 گری اس متبہ کی بجلی اسل پر
 کہ تھی رہبری اس کی سب کا سہارا
 ملک کا ملک اور پارے کا پارا
 قضا سے بلا راہ میں وہ قضا را
 نہیں آنکھ کو دید تیری گوارا
 اہل ہوں مرا کام ہے آشکارا
 بچھاتی ہوں میں زندگی کا شرارا
 پیام فنا ہے اسی کا اشارا
 وہ آتش ہے میں سامنے اس کے پارا
 وہ ہے نور مطلق کی آنکھوں کا تارا
 وہ آنسو کہ ہو جن کی تلخی گوارا
 ہنسی اس کے لب پر ہوئی آشکارا
 اندھیرے کا ہو نور میں کیا گزارا

بے ت کو جو دیکھا فنا ہو گئی وہ
 قضا تھی شکار قضا ہو گئی وہ

زُہد اور رندی

اک مولوی صاحب کی سنانا ہیوں کہانی
شہر تھا بہت آپ کی صوفی منشی کا
کہتے تھے کہ پہاں ہے تصوف میں شریعت
لبرزیئے زہد سے تھی دل کی صراحی
کہتے تھے بیاں آپ کلمات کا اپنی
مدت سے ہاتھ تھے ہمسائے میں میر
حضرت کے مرے ایک شناسا سے یہ پوچھا
پابندی احکام شریعت میں ہے کیا؟
سناتا ہوں کہ کافر نہیں پسند کو سمجھتا
ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی فرسا
سمجھا ہے کہ ہے رال عبادات میں خل
کچھ عار اسے حسن فروشوں سے نہیں ہے

تیزی نہیں منظور طبیعت کی دکھانی
کہتے تھے ادب ان کا اعلیٰ و ادانی
جس طرح کہ الفاظ میں مضمر ہوں سانی
تھی تہ میں کہیں درد خیال ہرانی
منظور تھی تعداد مریدوں کی جانی
تھی رند سے زاہد کی ملاقات پرانی
اقبال کہ ہے شمری شمشاد معانی
گو شعر میں ہے شک ظہیم ہرانی
ہے ایسا عقیدہ اثر فلسفہ رانی
تفصیل علی ہم نے سنی اس کی زبانی
مقصود ہے مذہب کی طر خاک اڑانی
عادت یہ ہمارے شعرا کی ہے پرانی

گانا جو ہے شب کو تو سحر کو ہے تلاوت
 لیکن یہ سنا اپنے مریدوں کے ہے میں نے
 مجموعہ اصفہاویں اقبال نہیں ہے
 رندی سے بھی آگاہ شریعت سے بھی واقف
 اس شخص کی ہم پر تو حقیقت نہیں کھلتی
 القصد بہت طویل دیا وعظ کو اپنے
 اس شہر میں جو بات ہو اڑ جاتی ہے شب
 اک دن جو سردار ملے حضرت زاد
 فرمایا شکایت وہ محبت کے سبب تھی
 میں نے یہ کہا کوئی جگہ مجھ کو نہیں ہے
 غم ہے تسلیم مرا آپ کے آگے
 گرا آپ کو معلوم نہیں میری حقیقت
 میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
 مجھ کو بھی تمنا ہے کہ اقبال کو دیکھوں

اس منزل کے اب تک نہ کھلے ہم یہ معانی
 بے داغ ہے مانند سحر اس کی جوانی
 دل و فکر حکمت ہے طبیعت خفقتانی
 پوچھو جو تصوف کی تو منصور کا ثانی
 ہو گا یہ کسی اور ہی اسلام کا بانی
 تا دیر رہی آپ کی یہ نغز بیانی
 میں نے بھی سنی اپنے اقبال کی زبانی
 پھر چھپر گئی باتوں میں وہی بات پرانی
 تھا فرض مراد شریعت کی و کھانی
 یہ آپ کا حق تھا زرق و قرب مکانی
 پیری ہے تو اضع کے سبب میری جوانی
 پیدا نہیں کچھ اس سے قصور ہر جوانی
 گہرا ہے مرے بحر خیالات کا پانی
 کی اس کی جدائی میں بہت اشک فشانہ

اقبال بھی قہرِ سال سے گاہ نہیں ہے
کچھ اس میں سخن نہیں و اللہ نہیں ہے

شاعر

قوم کو یا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم
منزلِ صنعت کے پہاڑ ہیں دستِ پائے قوم
محفلِ نظمِ حکومت چہ قریب ہے قوم
شاعرِ زندیں نوا ہے ویدہ سینائے قوم

بستائے دو کوئی عضو ہو تو ہے انکھ

کس قدر ہمد و سارے جسم کی ہوتی ہے انکھ

دل

قصہ دار و رسن بازی طعنہ دل
تجائے ارنی سُخی افسانہ دل
یارب اس ساغرِ لبِ بزم کی مے کیا ہوگی
جادو ملکِ بخت ہے خطِ پیانہ دل
ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی بیلِ یارِ با
جل گئی مزرعِ ہستی تو اگا دانہ دل
حُسن کا گنج گراں مایہ تجھے مل جاتا
تو نے نہ ہوا دانہ لھو اکبھی ویرانہ دل
عرش کا ہے کبھی کعبے کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الہی امرِ کاشانہ دل

اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سوا اپنا
 دل کسی اور کا دیوانہ ، میں دیوانہ دل
 تو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں اس کو
 رشکِ صمدِ سجدہ ہے اک لغزشِ مستانہ دل
 خال کے ڈھیر کو اسیر بنا دیتی ہے
 وہ اثر رکھتی ہے خاکِ تر پڑانہ دل
 عشق کے دم میں مچھلیں کھیر رہا ہوتا ہے
 برق لڑتی ہے تو یہ نخل ہر ہوتا ہے

موج دریا

مضطرب کھتا ہے میرا دل بے تاب مجھے
 عین ہستی ہے تڑپ صورتِ سیاب مجھے
 موج ہے نام مرا، بھر ہے پیاب مجھے
 ہونہ زنجیر کبھی سلفہ لبر و اب مجھے

اب میں شل ہوا جاتا ہے ٹوسن میرا

خارِ ماہی سے نہ اشکا کبھی دامن میرا

میں اچھلتی ہوں کبھی جذبِ مہِ کامل سے
 جوش میں سر کو شکستہ ہوں کبھی ساحل سے
 ہوں وہ رہز کہ محبت ہے مجھے منزل سے
 کیوں تڑپتی ہوں یہ ٹوچھے کوئی میرے دل سے

زحمتِ تنگی دریا سے گریزاں ہوں میں

وسعتِ بحر کی فرقت میں پیشاں ہوں میں

منخصت اے بزمِ جہاں!

(ماخوذ از ایرسن)

منخصت اے بزمِ جہاں اُسوئے وطن جاتا ہے
 آہ اس آبادی کے میں گھبراہٹوں میں
 بکد میں افسردہ دل ہوں درخوہِ نسل نہیں
 تو میرے قابل نہیں ہے میں ترے قابل نہیں
 قید ہے دربارِ سلطانِ شہستانِ زیر
 تو ذکرِ نکلے گا زنجیرِ طلائی کا اسیر
 گو بڑی لذت ہے ہنس کا آرائی میں ہے
 اجنبیت سی گزیر سی شائستگی میں ہے
 مدتوں تیرے خجے و آرائوں سے ہم صحبت ہا
 مدتوں بیٹا ترے ہنس کا ترے عشرت میں
 مدتوں ٹھونڈا کیا نطفہ سارے گل خان میں
 روشنی کی جستجو کرتا رہا ظلمت میں میں
 مدتوں چیراں ٹھونڈتی اب اور نطاکے کو ہے
 آہ وہ یوسف نہ ہا تم آیتا ترے بازار میں
 چشمِ حیراں ٹھونڈتی اب اور نطاکے کو ہے
 آہ وہ یوسف نہ ہا تم آیتا ترے بازار میں
 آرزو سال کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے

چھوڑ کر مانند بوتر چسپن جاتا ہوں میں

منخصت اے بزمِ جہاں اُسوئے وطن جاتا ہوں میں

گھر بنایا ہے سکونتِ امن گھسار میں
 آہ! یہ لذت کہاں موسیقیِ لفظ میں

بزمِ نغمہ گس شہلا، رستقِ گل ہوں میں ہے چین میرا وطن، ہمسایہ مبہل ہوں میں
شام کو آواز چشموں کی سلاتی ہے مجھے صبح فرش سبزے کے گل جگاتی ہے مجھے

بزمِ ہستی میں ہے سب کو محفلِ ابدانی پسند

ہے دلِ شاعر کو بس کینجِ تنہائی پسند

ہے جنوں مجھ کو کہ گھبراتا ہوں آوازیں میں ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس کوہ کی آوازیں میں؟

شوق کس کا سبزہ آروں میں پھرتا ہے مجھے اور چشموں کے کناروں پر سلاتا ہے مجھے؟

طعنہ زن ہے تو کہ شیدا کینجِ عزلت کا ہوں میں دیکھ اے غافل! پیامی بزمِ قدرت کا ہوں میں

ہم وطن شہاد کا قمری کامیں ہم از ہوں اس چین کی خامشی میں گوشِ برآواز ہوں

کچھ جو سنتا ہوں تو آوروں کو سنا نے کے لیے دیکھتا ہوں کچھ تو آوروں کو دکھانے کے لیے

عاشقِ عزلت ہے دلِ نازان میں اپنے گھر میں خند زن ہوں سندِ ارادہ سکندِ پید میں

میتنا زرخیز بکھتا ہے جاؤ کا اثر شام کے تاریے چھب بڑتی ہو رہ کر نظر

علم کے حیرت کدے میں کجاں اس کی نو

گل کی تپتی میٹھنا آتا ہے از ہست بو



طفل شیرخوار

میں نے چاہا تو تجھ سے پیہلے چلا آیا ہے تو مہرباں ہوں میں مجھے نا مہرباں سمجھا ہے تو

پھر بڑا پڑے گا اسے نوار و استلیم غم چھ نہ جائے دیکھنا بار یکساں ہے تو کس قسم

آہ! کیوں لکھنے والی شے سے تجھ کو پیسا ہے

کھیل اس کاغذ کے ٹکڑے سے یہ بے آزار ہے

گیند تیرے سیری کہاں چینی کی پتی ہے کدھر؟ وہ ذرا سا جانور ٹوٹا ہوا ہے جس کا سر

تیرا آئینہ تھا آزاد و غبار آرزو آنکھ کھلتے ہی چمک اٹھا شہر آرزو

ہاتھ کی جنبش میں سر وید میں پوشیدہ ہے تیری صہوت آرزو بھی تیری نوزائیدہ ہے

زندگانی ہے تری آزاد و قید ہستی

تیری آنکھوں پر پیویدا ہے مگر قدرت کا راز

جب کسی شے پر بڑا کر مجھ سے چلا آیا ہے تو کیا مٹا سنا ہے رومی کاغذ سے من جاتا ہے تو

آہ! اس عاوت میں ہم آہنگ ہیں میں بھی تھا تو تلون آشنا، میں بھی تلون آشنا

عارضی لذت کا شیدا تی ہوں چلا آیا ہوں میں جلد آجاتا ہے غصہ جلد من جاتا ہوں میں

میری آنکھوں کو ابھالیتا ہے حسنِ ظاہری کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی مری

تیری صورت کاہ لکریاں کا خندان میں بھی ہوں

دیکھنے کو نوجوان ہوں طفلِ نادان میں بھی ہوں

تصویر درد

نہیں منت کش تاشِ نیدنِ داستانِ مری یہ ستورِ بیاں بندہ ہے کیسا تیری محفل میں
خوشیِ لغت کو ہے بے بانی ہے بے باں مری یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے بے باں مری
چمن میں ہر طرف بکھر چکی ہے داستانِ مری اٹھائے کچھ برقِ لالے نے کچھ زرخِ کچھ گل نے
چمنِ اوس کے گلِ لرزوں کی طرزِ فغاں مری اڑالی قمریوں کے جلوئیوں کے جھنڈیوں نے
سراپا چڑوں حشر بھری ہے داستانِ مری نپکے شمعِ آسویں کے پرانے کی آنکھوں سے
حیاتِ جاوداں مری نہ ملے گا کہاں مری اہلی پھر کیا ہے یہاں دنیا میں ہے کا
وہ گل ہوں میں غمناں گل کی ہے یہاں غمناں مری مرادِ مانہیں ونا ہے یہاں غمناں کا

”دیں حسرتِ سرا عمرِ ستِ افسونِ جبرائیلِ م

رفیقِ دل پیدا نہا خرویشِ بے نفسِ دارم“

ریاض ہرین آشنائے نریم عشرت ہو
 مری بڑی ہوئی تفتید کو روتی ہے گویائی
 پریشان میں شبت خال لیکن کچھ نہیں کھلتا
 یہ سب کچھ ہے مری مری مقصد قدرت کا
 خزانہ ہوں چھپایا مجھ کو شبت خال صحرانے
 نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
 نہ صبا ہوں ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیمانہ
 خوشی روتی ہے جس کو ہرین محروم مسرت ہو
 میں فربہ شرب شرب کو شرب سماعت ہو
 سکند ہوں کہ آئینہ ہوں کہ دولت ہو
 سراپا نور جس کی حقیقت میں عظمت ہو
 کسی کو کیا ہے میں کیا ہوں کس کی دولت ہو
 میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ اپنی ولایت ہو
 میں اس خانہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہو

مجھے از دوسالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
 وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانوں میں
 اثر یہ بھی ہے ال میرے جنون فتنہ سامان کا
 رلاتے تھے الطارہ اے ہندوستان! مجھ کو
 دیا دنا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
 نشانِ گل تلک بھی نہ چھو اس باغ میں چھپا
 کہ بامِ عرش کے طائر ہیں کیے ہم بانوں میں
 مرا آئینہ دل ہے قصاکے راز دانوں میں
 کہ عبرت خیز ہے ہر افسانہ سببانوں میں
 لکھا کلاک ازل نے مجھ کو تیرے نورِ خزانوں میں
 ترمی قسمت سے نرم آریاں میں باغبانوں میں

چھپا کر استیں نہیں بکھیاں رکھی ہیں گروں نے
 سن اے غافل صد میری ایسی چیز ہے جس کو
 وطن کی فکر کرنا وہاں مصیبت آنے والی ہے
 فرادیکھ اس کو کچھ پور رہا ہے ہونے والا ہے
 یہ خاموشی کہاں تک لذت فرما دے گی
 نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان
 عنادِ باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
 وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائرِ بوستانوں میں
 تری برادریوں کے مشوے ہیں آسمانوں میں
 دھڑکیا ہے بھلا عہدِ کائنات کی آستانوں میں
 زمین بچ تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
 تمہاری آستان تک بھی ہوئی آستانوں میں

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے

جو ہے اہل میں کامِ زنِ محبوبِ فطرت ہے

ہو یا آج اپنے جسمِ نہاں کر کے چھوڑوں گا
 جدا ہے مجھے ہر شمعِ دل کو سوزِ نہاں سے
 مگر غنچوں کی صورت ہوں دلِ دروِ آشیانہ
 پرنا ایک ہی سیج میں ان بھرے دانوں کو
 مجھے اے ہم نشین رہنے دشمنِ سینہ کاوی میں
 دکھا دوں گا جہاں جو مری آنکھوں نے کھلے
 لہو رو کے محفلِ گوشتاں کر کے چھوڑوں گا
 تری تاریک اتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
 چمن میں بشتِ خال اپنی پشایں کر کے چھوڑوں گا
 جو شکل ہے تو اس شکل کو اس کر کے چھوڑوں گا
 کہ میں داغِ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
 تجھے بھی صورتِ آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

۱۰۰
 بانگِ درا
 ۸۲

جو ہے پروں میں سہاں چشم بنیادیکہ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

کیا رفت کی لذت کے ذل کو آتش تو نے
گزار دی عمر پستی میں مثال نقشِ پا تو نے
رہا دل بستہ محفلِ مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرونِ محفل سے نہ حیرت آتش تو نے
فدا کر تار ہا دل کو حسینوں کی آواز
مگر وہ بھی نہ اس آئینے میں اپنی آواز تو نے
تعبیب چھوڑا دانا دہر کے آئینہ خانہ میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برا تو نے
سرا پا نالہ سید داؤد سوزِ زندگی ہو جا
سپند آسارہ میں ماندہ کتنی ہے صدا تو نے
صفائے دل کو کیا آتشِ رنگِ تعلق سے
کفِ آئینہ پر باندھی ہے اونا دانا جنا تو نے
زمین کیا آسماں بھی تیری کج بینی پر دھما
غضبِ سطرِ قرآن کو چلیں پار دیا تو نے
زباں سے لکھ لیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بتِ پندار کو اپنا حنا تو نے
کنوئیں میں تونے یوسف کو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
اے غافل! جو مطلق تھا حقیت کو دیا تو نے

ہوسِ بالائے منبر ہے تجھے رنجِ بیکینی کی
نصیحت بھی تیری صورت کے اہل افسانہ خوان کی

ولکھا وہ حسنِ عالم سوز اپنی چشم پر نرم کو
جو ٹرپا ہے پرانے کوڑاواتا ہے شبنم کو

بڑا نظارہ سی ہے بوالہوس مقصد نہیں کا
 اگر دیکھا بھی اُس نے کس عالم کو تو کیا بھیج
 شجر ہے فرقہ آرائی، تخت ہے شہر اس کا
 نہ اٹھا جذبہ خوشی کے ال بُلُّ لُٹل تک بھی
 بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
 نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
 یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلا واپس آدم کو
 یہ رفعت کی متن ہے کھلے اڑتی ہے شبنم کو
 یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
 یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

محبت کے شر سے دل سہرا پا نور ہوتا ہے

درا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

دوا پر دُکھ کی ہے مجب سرج تیغ اُردو رہنا
 شراب کے خودی سے تافک پوار ہے میری
 تھے کیا دیدہ لریاں وطن کی نوخانی میں
 بنائیں کیا سمجھ کر شلخ گل پر اشیاں اپنا
 علاج زحمت ہے آزاد و احسان نور ہونا
 شکست رنگ سے کھاتے ہیں بن کے نور ہونا
 عبات چشم شاعر کی ہے پر دم با وضو رہنا
 چمن میں آہ کیا رہنا جو بے ابرو رہنا
 غلامی ہے اسیر استیاز ماو تو رہنا
 تجھے بھی چاہیے شل جابا بھر رہنا
 اگر منظور ہے ونیا میں اویگانہ خور رہنا
 نہ رہ اپنوں سے بے پروا، اسی میں خیر ہے تیری

شرابِ پُوح پڑے محبتِ نوحِ انساں کی سکھایا اس نے مجھ کو سستِ جام و سبور سنا

محبت ہی کپاتی ہے شفا بیمار قوموں نے

کیسے اپنے بختِ خفہ کو بیدار قوموں نے

بیابانِ محبت وشتِ غربت بھی وطن بھی ہے یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے

محبت ہی منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحر بھی جس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے

مرض کہتے ہیں سب کچھ یہ لیسے کین مرضِ ایسا چھپا جس میں علاج گردشِ چرخِ کُن بھی ہے

غلانا دل کا ہے گویا سہرا پاؤں ہو جانا یہ پروانہ جس زان ہو تو شمعِ انجمن بھی ہے

وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں یہ شیریں بھی ہے گویا بیستوں بھی، کوہن بھی ہے

اجازت ہے تمیزِ منت و آہن نے قوموں کو سے اہلِ وطن کے دل میں کچھ فکرِ وطن بھی ہے

سکوتِ آوازِ طولِ استانِ درو ہے ورنہ زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تابِ سخن بھی ہے

”نیکروید کہ تیرے رشتہ سے معنی رہا کروم

حکایتِ بودے پایاں بخاموشی اوا کروم“



۱۰۳
ماہنامہ
۸۷

نالہ فراق

(آرٹلڈ کی یاد میں)

جاسا مغرب میں آفرائے نکاتیں یہ اکھیں آہ بشرق کی پسند آتی نہ اس کو سہ نہیں
آج اس صداقت کا مے دل کو یقین غلبت شب کے ضیائے وز فرقت کم نہیں

”مازا آغوش و ہوش داغ حیرت چیدہ است

ہرچشم گشتہ چشم نگاہ بیدہ است“

گشتہ غزلت ہوں آبادی میں گھبراتا ہوں میں شہرے واکشیت میں گل عات ہوں میں
یاد ایام سلف سے دل کو تڑپاتا ہوں میں بہر تسکین تیری جانب ڈرتا آتا ہوں میں

آئندہ کو مانوس ہے تیرے در و دیوار سے

جنبت ہے مگر پیدامری فتار سے

ذرہ میسے دل کا غور شید آتشا ہونے کو تھا آئندہ ٹوٹا ہوا الم نہا ہونے کو تھا
نخل سیری آرزوؤں کا ہر اہونے کو تھا آہ! کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہونے کو تھا

ابر رحمت و امن از طراز ہن برچید و رفت

اندکے غنچہ پائے آرزو بارید و رفت

تو کہاں ہے اے کلیم ذرۂ سیناے علم تھی تری موجِ نفسِ باوِ نشاطِ افزائے علم
اب کہاں وہ شوقِ رہِ پیمائیِ صحرائے علم تیرے دم سے تھا پلکے سر میں بھی سوائے علم
”شورِ سیلی کو کہ باز آرایشِ سحرِ دانند

خاکِ حسنوں اغیارِ خاطرِ صحرائے دانند“

کھول دے گا دشتِ دشتِ عقدہ تقدیر کو توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو
دیکھتا ہے دیدہ حیران تری تصویر کو کیا تہی ہو مگر دیدہ تعسیر کو
”تابِ گویائی نہیں رکھتا دہنِ تصویر کا

خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخنِ تصویر کا“

چاند

میرے دیرانے سے کہ سوں دے رہے تیرا وطن ہے مگر دریائے دل تیری شش سے مجھ جن
قصہ کس محفل کا ہے آتا ہے کس محفل سے؟ زورِ روشاید ہوا رنجِ منہ سزل سے تو
افرمیش میں سراپا نور تو طلعتِ ہمن میں اس سجِ روزی پسین تیرا ہم قسمت ہوں میں
آہ! میں جلتا ہوں سوزِ اشتیاقِ دیدے تو سراپا سوزِ داغِ منتِ خورشید سے

ایک حلقے پر اگر تمام تری فتا ہے
سیری گردش بھی شال گردش چکا ہے
زندگی کی وہ میں گردش کے تو حیران ہوں میں
تو فروزاں محفل سستی میں کے سوانا ہوں میں
میں منزل میں ہوں تو بھی وہ منزل میں ہے
تیری محفل میں جین خاموشی ہے کیسے دل میں ہے
تو طلب ہے تو میرا بھی یہی دستور ہے
چاندنی ہے تو تیرا عشق میرا نور ہے
انجمن ہے ایک میری بھی جہاں رہتا ہوں میں
بزم میں اپنی اگر ملتا ہے تو تنہا ہوں میں
مہر کا پرتو ترے حق میں ہے پیغام اجل
محو کر دیتا ہے مجھ کو جلد وہ حسن ازل
پھر بھی اے بابہ بسین میں رہوں تو اور ہے
درد جس پہلو میں اٹھتا ہوا وہ پہلو اور ہے
گردہ میں غلٹ سے سراپا ہوں سراپا نور تو
سیکڑوں منزل ہے فوج اگلی کے فوج تو

جو مری سستی کا مقصد ہے مجھے معلوم ہے
یہ چک ہے جس میں جس گری محروم ہے

ملال

چمک اٹھا جو ستارے تیرے مقتدر کا
جس سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
نہونی اسی سے ترے غم کے کی آبادی
ترمی غلامی کے صدقے ہزار آزادی

وہ آستان چھٹا تجھے ایک دم کے لیے کسی کے شوق میں تو نے مرنے ستم کے لیے

جناح عشق میں ہوئی ہے دھبتا ہی نہیں

ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

نظر تھی صورتِ سلمانِ ادا شناس تری شراب پیسے بڑھتی تھی اور پیاس تری

تجھے نطائے کاشلِ کلیم سودا بخت اویس طاقت دیدار کو ترستا تھا

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا ترے لیے تو یہ سحر ہی طور تھا گویا

تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید ٹٹک دے کہ پیسے دے نیا سائید

گرمی وہ برق تری جانِ ناشکیبار کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موٹی پر

پیشِ زشعلہ رفتند بڑل تو روند

چہ برقِ جہدہ بخاشاکِ حاصل تو روند

ادائے دیدہ سپا نیاز تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اواں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی نماز اس کے نطائے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ شربِ مقام تھا اس کا

خوشا وہ دور کہ دیدارِ عام تھا اس کا

۱۰۴
باقی ہے درجہ
۹۱

سرگزشت دوم

نئے کوئی مری غربت کی استاں مجھ سے
 لگی یہ سیری طبیعت ریاضِ حُت میں
 رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو
 ملا مزاجِ تغیر پسند کچھ ایسا
 نکالا کبے سے پتھر کی مورتوں کو کبھی
 کبھی میں ذوقِ نظم میں طور پر پہنچا
 کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
 کبھی میں غارِ حیرت میں چھپا رہا برسوں
 سنایا ہند میں اکبر و دربارانی
 دیارِ ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی
 بنایا دُروں کی ترکیب سے کبھی عالم
 لہو سے لال کیا سیکڑوں زمینوں کو
 بھلایا قصۂ سپہ سالارِ اولیں میں نے
 پیا شور کا جب جامِ آتشیں میں نے
 دکھایا اوجِ خیالِ فلکِ شیں میں نے
 کیا ترار نہ زیرِ فلکِ کبھی میں نے
 کبھی بتوں کو بنایا حرمِ شیں میں نے
 چھپایا نورِ ازل زیرِ استیں میں نے
 کیا فلک کو سفرِ چھوڑ کر زمیں میں نے
 دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے
 پسند کی کبھی یونان کی سرزمیں میں نے
 بسایا خطۂ جاپانِ ملکِ چیں میں نے
 خلافِ معنی تسلیم ایل دیں میں نے
 جہاں میں چھڑکے پیکارِ عقل دیں میں نے

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی
 ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
 کشش کا راز ہویدا کیا زمانے پر
 کیا اسیر شعاعوں کو برق مضطر کو
 گم خبر نہ ملی آہ راز ہستی کی
 کیا حسد سے جہاں کو تنہا میں نے
 ان خیال میں آئیں گزار دیں میں نے
 سکھایا سدا گروش زمین میں نے
 لگا کے آتش عقل و دہریں میں نے
 بنا دئی عیتر جنت یہ سرزمین میں نے
 کیا حسد سے جہاں کو تنہا میں نے

ہوتی جو چشم مظاہر پرست و آخر
 تو پایا خانہ دل میں اُسے مکین میں نے

ترانہ ہندی

سلسلے جہاں سے اچھا پسند و تاش ہمارا
 غربت میں ہیں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
 پریت وہ سب کے اونچا پسند آیا ہمارا
 گووی میں کھلتی ہیں اس کی ہزاروں پیا
 اے آپ ونگا اوہ دن ہیں یاد تجھ کو
 ہم غلبہ میں اس کی یہ ہستیاں ہمارا
 سمجھو وہ ہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
 وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا
 گلشن بون کے دم سے رشک جہاں ہمارا
 اتر اترے کنا سے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں رکھتا آپس میں بیکر لھنا
 ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا
 یونان مصر و ماسب مشعلتے جہاں سے
 اب تک طرے باقی نام و نشان ہمارا
 کچھ بات ہے کہ ہستی مٹی نہیں ہماری
 صدیوں ہا ہے دشمن دور زمان ہمارا

اقبال! کوئی محسوس اپنا نہیں جہاں میں
 معلوم کی کسی کو دہو ہاں ہمارا

جگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانی چمن میں
 یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
 آیا ہے آسمان سے اڑ کر کوئی ستارہ
 یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں
 یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
 غربت میں آ کے چمکا گناہ تھا وطن میں
 تلمکہ کوئی کر ہے مہتاب کی قبا کا
 ذرہ ہے یا نمایاں سوچ کے پیرہن میں
 حُسنِ قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
 لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں
 چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
 نکلا کبھی کہن سے آیا کبھی کہن میں

پروانہ اک چمکا، جگنو بھی اک چمکا

وہ روشنی کا طالب یہ روشنی سراپا

۱۱۰
 بانگ درا
 ۹۴

ہر چیز کو جہاں میں قدر تھے دلبری ہی
 پروانے کو تپش دی، جگنو کو روشنی دی
 رنگیں نو ابس یا مرنے کی زبان کو
 گل کو زبان دے کر تسلیم خامشی دی
 نظارہ ~~سخت~~ کی خوبی زوال میں تھی
 چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی ندی دی
 رنگیں کیا سحر کو بانگی دھن کی صورت
 پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی
 سایہ دیا شجر کو، پرواز دی ہوا کو
 پانی کو دی روانی، موجوں کو بے کلی دی

یہ استیاز لیکن اک بات ہے ہماری

جگنو کا دن ہی ہے جورات ہے ہماری

حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
 انسان میں دہ سخن ہے غنچے میں چمک ہے
 یہ چاند آسمان کا شاعر کا دل ہے لویا
 واں چاندنی ہے جو کچھ بیاں درو کی لک ہے
 انداز گفتگو نے دھوکے دیے ہیں رند
 نغمہ ہے جوئے طبل، بو پھول کی چمک ہے
 کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
 جگنو میں جو چمک ہے، وہ پھول میں مہک ہے

یہ اختلاف پھر کیوں سنگھاموں کا محل ہو

ہر شے میں جبکہ پنہاں شے ہو



صبح کا ستارہ

لطفِ ہمایلی شمس و قمر کو چھوڑوں
 اور اس خدمتِ پیغامِ سحر کو چھوڑوں
 میرے حق میں تو نہیں ناروں کی بستی اچھی
 اس بندگیِ زمین و آلوں کی بستی اچھی
 آسمان کیا، عدم آباد وطن میرا
 صبح کا دامنِ صہ چاکِ لفن ہے میرا
 میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
 ساقی موت کے ہاتھوں سے صبحی پینا
 نہ یہ خدمت نہ یہ عزت نہ یہ رفعت اچھی
 اس گھڑی بھر کے چلنے سے تو ظلمت اچھی

میری شہرت میں جہوتا تو نہ خست برنما

قصرِ دریا میں حکمت اپنا کوہِ ثبات

وہاں بھی موجوں کی کشائش کے چول لھرتا
 چھو کر جب کہیں سب گلوں ہو جاتا
 ہے چسکنے میں مزاحسن کا زیور بن کر
 زینتِ تاجِ سرِ بانو سے قصیر بن کر
 ایک پتھر کے جوئلز کے کا نصیب جا جا
 خاتمِ دستِ سیماں کا نگین بن کے رہا
 ایسی چیزیں کا ملر و ہر میں کام شکست
 ہے لہر ہائے گراں مایہ کا انجام شکست
 زندگی ہے کہ جو ہر نہ شناساتے اجل
 کیا وہ جیسا ہے کہ جو جس میں تقاضائے اجل

ہے یہ نخبِ سام الرزینتِ عالم ہول

کیوں نہ لڑ جاؤں کسی بھول شبنم ہول

کسی پیشانی کے افشاں کتاروں میں
کسی مظلوم کی آہوں کے شراروں میں

اشک بن کر مژگاہں کھٹک جاؤں میں
کیوں نہ اُنسو کی انگوٹھوں کے ٹپک جاؤں میں

جس کا شوہر ہواں ہو کے زور میں ستور
نئے میدانِ عنایتِ وطن سے مجبور

پس اُتید کا نطفہ جو دکھلاتی ہو
جس کی خاموشی سے تقریر بھی شرماتی ہو

جس کو شوہر کی ضربِ تابِ شکیبائی دے
اور نگاہوں کو حیا طاقِ گویائی دے

زردِ رخصت کی گھڑی حاضریِ ظلموں پہ جاتے
کششِ حسنِ نسیمِ ہیرے افزوں پہ جاتے

لاکھ وہ ضبط کئے پر میں ٹپک ہی جاؤں
سُرخِ برقعِ پُریم سے چھٹک ہی جاؤں

خاک میں مل کے حیاتِ ابدی پا جاؤں

عشق کا سوز زبانی کو دکھاتا جاؤں

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

چشتیؔ نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدتِ گائیت گایا

۱۱۲
بانگِ درا
۴۴

تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا جس نے حجازیوں سے شبت عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا سائے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا

مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا ترکوں کا جس نے امن بیڑ سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جوتارے فارس کے آسمان سے پتھر تابوے کے جس نے چمکاتے لکشاں سے

وہ کیلے سنی تھی دنیا نے جس مکان سے میرے رب کی آتی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے پرست جہاں کھینا نوح نبی کا اگر ٹھہرا جہاں سفینا

رفت ہے جس زمیں کی نام فلاب کا زینا جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

نیا سوال

سچ کہہ دوں اے برہمن اگر تو برا نہ مانے تیرے صنم کہوں کجبت ہو گئے پرانے

اپنوں سے بیرکھنا تو نے بتوں سے کیلھا
جنگِ جدل سکھایا واعظ کو بھی خدانے
تنگ آکے میں نے آخرِ دیرِ جسم کو چھوڑا
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوٹے ترے فسانے

پتھر کی نورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے

خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

ابغیر سیت کے پڑے اک بار پھر اٹھاویں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ برونئی مٹا دیں

سوئی پڑی ہوئی ہے مدت کے دل کی بستی
آک نکال نیا سوال اس دیس میں بنا دیں

دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
وامان آسمان سے اس کا کھس ملا دیں

ہر صبح اٹھ کے گاتیں منتر و میٹھے میٹھے
سائے چناریوں کو مے پست کی ملا دیں

شکستی بھی شانتی بھی جگتوں کے گیت ہیں

دھرتی کے باسیوں کی نکستی پریت ہیں

داغ

عظمتِ غالب ہے اک مذت سے پیوند زمیں
مہدی مجروح ہے شہرِ خموشاں کا مکین

توڑ ڈالی ہوئے غربت میں سینا ہے تیر
چشمِ محفل میں اب تک کیفِ صبا ہے تیر

آج لیکن منو اس را چمن ماتم میں ہے شمع روشن کجھ لہتی بزم سخن ماتم میں ہے
 نبیل دلی نے باندھا اس چمن میں کشیا ہم نوا ہیں عجب دل بانغ ہستی کے جہاں

چل بسا آغ آہ بہت اس کی زیوش ہے

آخری شاعر جہاں آباد کا خاص ہے

اب کہاں وہ بانگین وہ شوخی طرزیں آگ تھی کانورپیری میں جوانی کی نہاں
 تھی بان آغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے لیلیٰ معنی ہاں بے پردہ یاں سہل میں ہے
 اب سب کے کون پوچھے کاسکوت گل کارا کون سمجھے کاچمن میں نالہ نبیل کارا

تھی حقیقت سے بغفلت فکر کی پرواز میں

اسکھٹ سحر کی نشین پر پھی پرواز میں

اور دکھلا میں گئے مضمون کی بہن باریکیاں اپنے فکر نکست آرا کی فلک سپاہیاں
 تلخی دوراں کے نقشے کھینچ کر لڑا میں گے یا تختیل کی نئی دنیا میں دکھلا میں گے
 اس چمن میں جس کے پیدا نبیل شیراز بھی سیکڑوں ساحر بھی جس کے صاحب عجب بھی
 انھیں گے آرزو ہزاروں شعر کے بت خانے سے مے پلا میں گے نئے ساقی نئے پیمانے سے
 بکھری عاتیں کی کتاب دل کی تفسیر میں بہت ہوں کی لے اب جانی اتیری تعبیر میں بہت

یوہو کھینچے گالیسکن عشق کی تصویر کو

اٹھ لیا ناول سنگن مارے گا دل پر تیر کوں؟

اشک کے دانے زمین شعر میں تباہوں میں تو بھی رولے خالِ تلی داغ کو روتا ہوں میں

اے جہانِ بادِ اے سرمایہ بزمِ سخن! ہو گیا پھر آج پامالِ حسنِ ان تیرا چمن

وہ گلِ نجس ترا نصرتِ مثالِ نوبہا او جنتِ الی داغ سے کاشتِ نرُودہا

تمہی نہ شاید کچھ ششِ ایسی وطن کی خال میں وہ سرِ کمال ہو اپنا سن کن کی خال میں

اٹھ گئے ساقی جو تھے مے خانہ عالی دلیا

یادِ کارِ بزمِ دہلی ایک حسرتِ الی رہ لیا

ارزو کو خونِ رُلا تھی ہے بیدِ ادا اہل مارتا ہے تیر تار کی میں صیتِ ادا اہل

کھل نہیں سکتی شکایت کے لیے لیکن زباں ہے حسنِ ان کا رنگ بھی جہِ قیامِ گلستان

ایک ہی قانونِ عالمِ صمیکے ہیں سب اثر

نوتے گل کا باغِ نئے گلچیں کا دنیا سے سفر

ابر

اٹھی پھر آج وہ پورے کالی کالی گھٹا سیاہ پوش ہو پھر پڑ سر بن کا

نہاں ہوا جو رخ مہر زریہ دامنِ ابر
 گرج کا شور نہیں ہے خموشی سے یہ لکھا
 چمن میں کیم شادِ مدام لاتی ہے
 جو پھول مہر کی لڑی سے سو چلتے تھے اُٹھے
 ہوا کے زور سے ابھرا، بڑھا، اڑا بادل
 اُٹھی وہ اور لکھٹا لکھٹا بوسِ شاد بادل
 عجیب ہے کسار کے نہالوں کا
 یہیں قیام ہو وادی میں پھرنے والوں کا

ایک پرندہ اور جنگلو

سرِ شام ایک مرغِ نغمہ پیرا
 چمکتی چیزِ ال و بھی زمین پر
 کہا جنگلو نے او مرغِ نوا ریزا
 تجھے جس نے چمک گل کو مہدی
 لباسِ نور میں ستورہ یوں میں
 کسی ٹہنی پہ بیٹھا گارہ تھا
 اڑا طائر اُسے جنگلو سمجھ کر
 نہ کر بکس یہ منتقا، ہو س تیز
 اُسی اللہ نے مجھ کو چمک دی
 پتنگوں کے جہاں کا طور ہوں میں

چمک تیری بہشت گوشِ ادب ہے چمک میری بھی فردوسِ نظر ہے
 پڑں کو میرے قد رستے ضیاء دی تجھے اُس نے صدائے دلِ بادی
 ترمی منتار کو گانا سکھایا مجھے گلزار کی شعل بنایا
 چمک بخشی مجھے آوازِ تجھ کو دیا ہے سوزِ مجھ کو، سازِ تجھ کو
 مخالف ساز کا پوتا نہیں سوز جہاں میں ساز کا ہے ہم شمسِ سوز
 قیامِ بزمِ ہستی ہے انھی سے ظہورِ اوجِ دوستی ہے انھی سے

ہم آہنگی کے محلِ جہاں کی
 اسی کے بہارِ ہنس بوستاں کی

بچہ اور شمع

کیسی حیرانی ہے یہ اے طفلِ کلبِ پروانہ خواہ
 شمع کے شعلوں کو گھڑیوں کی گھٹیا رہتا ہے تو
 یہ مری آغوش میں بیٹھے ہوئے جن جنش ہے کیا
 روشنی سے کیا بغلِ میری ہے تیرا دعا؟

اس نظارے سے ترانہ تھا سادلِ حیران ہے

یہ کسی دیکھی ہوئی شے کی مگر چپان ہے

شمع اک شعلہ ہے لیکن تُو سر اپا نو ہے
 آہ! اس محفل میں یہ غمراں ہے تُو مستور ہے
 دستِ قدرت نے اسے کیا جانے کیوں غمراں کیا
 شجہ کو خال تیرے فانوس میں پہناں کیا
 نو تیرا چمپ کیا زیرِ نقابِ الہی
 غمبارِ دیدہ بنیا حجابِ الہی

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراہوشی ہے یہ

خوابِ غفلت ہے ہر سرتی سنبے ہوشی ہے یہ

محفلِ قدرت کے اک دریائے بے پیمانِ حسن
 آنکھ الٹ دیکھتے تو ہر قطرے میں طوفانِ حسن
 حسن کو ہستاں کی سمیت ناکِ غاموشی میں ہے
 ہر کی ضوِ سترونی شب کی بسیہ پوشی میں ہے
 آسمانِ صبح کی آئینہ پوشی میں ہے
 شام کی ظلمتِ شفق کی گلِ فروشی میں ہے
 عظمتِ دیرینے کے مٹتے ہوئے آثار میں
 طغلبِ ناشائستہ ناکِ کوششِ لغتار میں
 سالنِ صحنِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے
 ننھے ننھے طائروں کی آشیان سازی میں ہے
 چشمہٴ لہسار میں دریا کی آوازی میں حسن
 شہرِ صحرا میں ویرانے میں آبادی میں حسن
 روح کو لیکن کسی گمشتہ شے کی ہے ہوا
 ورنہ اس صحرا میں کھوئی نال ہے مثلِ حیرس!

حسن کے اس عالمِ جلوے میں بھی تپتا ہے

زندگی اس کی مثالِ مٹی ہے آبِ

۱۲۰
 بانگِ درا
 ۱۰۴

کنارِ راوی

سکونتِ شام میں محوِ سرو ہے راوی
 نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیتِ مے دل کی
 پیامِ جسد کے کا یہ زیرِ وہم ہوا مجھ کو
 جہاں تمام سوا جو سرم ہوا مجھ کو
 سرِ کنارہ آبِ رواں کھڑا ہوں میں
 خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں
 شرابِ سُرخ سے رنگیں ہوئے ہیں شام
 لیے ہے پیرِ فلکِ مستِ عرشہ دار میں جام
 عدمِ کوفتِ افلکِ روزِ یسز کام چلا
 شفقِ تنہا ہے یہ سوچ کے مچول ہیں لویا
 کھرے ہیں دورِ عظمتِ فرائے تنہائی
 منابرِ خوابِ گدہ شہسوارِ چغتائی
 فسانہِ ستمِ انقلاب ہے یہ محل
 مقامِ لیا ہے سروِ خموش ہے لویا
 رواں ہے سینہ دریا پہ اک سفید تیز
 سبکدوشی میں ہے شبنمِ نگاہِ شستی
 جہانِ زندگیِ آدمی رواں ہے یونہی
 ہوا ہے موج سے طالعِ جس کا گرم ستیز
 ابد کے بھر میں پیدا یونہی نہاں ہے یونہی
 نکل کے حلقہ حدِ نظر سے دور لیتی

شکست کے کیسے ہی آشنا نہیں ہوتا

نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

الحاجۃ مسافر

(بہ درگاہ حضرت محبوب الہیؑ دہلی)

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تیری فیض عام ہے تیرا
سکے عشق کے تیری شش ہے قائم
نظام سکر کی صہوت نظام ہے تیرا
تری لحد کی یار سے زندگی دل کی
سیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں نیک محبوبی
بڑی ہے شان بڑا استرام ہے تیرا

اگر سیاہ دلم، داغ لالہ زار توام
وگر گشت و چینم گل سار توام

چمن کو چھوٹے نکلا ہوں شل نہت گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحاں مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
نظر ہے ابرار کم پر درختِ صحرائیوں
کیا خدا نے مجھ تلج باغباں مجھ کو
فدا نشیں صفتِ مہر مہوں زمانے میں
تری وصال سے عطا ہوئے زبان مجھ کو
مقام ہم سفر سے ہوا قس آگے
کہ سمجھے نزل مقصود کا وراں مجھ کو

۱۲۲
باقی ہے در
۱۰۶

مری بانِ مستم کے کسی کا دل شوق لکھے
 کسی سے شکوہ نہ ہو پیرِ آسمان مجھ کو
 دلوں کو چال کرے مثلِ شانہ جس کا اثر
 تری جناب کے ایسی بے فتنہاں مجھ کو
 بنایا تھا جسے چن چن کے خاندانِ جس میں نے
 چمن میں پھر نظر آئے وہ اشیاں مجھ کو
 پھر اکھوں میں قدم اور پیرِ چہرہ میں
 کیا جنھوں نے محبت کا راز دیاں مجھ کو
 وہ شمعِ بارگاہِ حنفِ اندانِ مرقنوی
 ہے کا مثلِ حرم جس کا آستانِ مجھ کو
 نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی گئی
 بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ حنفِ اندانِ آسمانِ بزی
 کئے پھر اس کی یار سے شادماں مجھ کو
 وہ میرِ یوسفِ ثانی وہ شمعِ منسلِ عشق
 جدا کے جس کی محبت نے دفترِ من و تو
 ریاضِ ہر میں مانسہ گل ہے خند
 کہ ہے عزیز تر از جانِ وہ جانِ جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے گل کی پھول ہو جائے
 یہ تجلے سے منسہ قبول ہو جائے



عزلیات

گلزارِ بہت بود نہ بیکانہ وار دیکھ ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ
 آیت ہے تو جہاں میں شالِ شرار دیکھ دم دے نہ جائے ہرستی ناپا تدار دیکھ
 مانا کہ تیری دیک کے قابل نہیں میں تو نہیں عاشق دیکھ مرا منتظر دیکھ
 کھولی ہنرِ بوق دینے آنکھیں تری اگر
 ہرگز لہر میں نقشِ شکر نپائے یار دیکھ

نہ آتے نہیں اس میں تکرار کیا تھی مگر وعدہ کرتے ہوئے عمار کیا تھی
 تمھارے پیامی نے سب زلھولا خطا اس میں شبے کی سرکار کیا تھی
 بھری بزم میں اپنے عاشق کو مارا تری آنکھ مستی میں شہار کیا تھی

تامل تو تھا اُن کو آنے میں قاصد
گمریہ بے طرہ انکار کیا تھی
کھینچے خود بخود جانب طور موئی
کشش تیری اے شوق دیدار کیا تھی!

کہیں ذکر رہتا ہے قہرِ سبالتیرا
فسوں تھا کوئی تیری گُفتار کیا تھی



عجب اعظم کی دین داری ہے یارب! عداوت ہے اسے سارے جہاں سے
کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انسان کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے
وہیں سے رات کو ظلمت ملی ہے چمکتا ہے نے پائی ہے جہاں سے
ہم اپنی دروہندی کا فسانہ سُنا کرتے ہیں اپنے رازِ دواں سے

بڑی باریک ہیں وہ اعظم کی چالیں
لرز جاتا ہے آوازِ اذواں سے



لاؤں وہ تنکے کہیں سے آشیانے کے لیے
وائے ناکامی فلک نے تال کر توڑا اُسے
بجلیاں بے تاب ہوں جوں کو جلانے کے لیے
میں نے جس ڈال کو تارِ آشیانے کے لیے

آنکھ مل جاتی ہے مہتا دو دلت سے تری
 ایک پیانہ ترا ساکے زمانے کے لیے
 دل میں کوئی اس طرح کی آرزو پیدا کروں
 لوٹ جائے آسمان سے مٹانے کے لیے
 جمع کر خرمین تو پہلے دانہ دانہ چن کے تو
 اسی نکلے کی کوئی بجلی جلانے کے لیے
 پاس تھانا کامی صیاد کا ہے ہم صغیر
 ورنہ میں اور راکے آتا ایک دانے کے لیے

اس چمن میں مرغ دل قاتلے زارا دی حالت
 آہ! کیشن نہیں ایسے ترانے کے لیے



کیا کہوں اپنے چمن سے میں جدا کیونکر ہوا
 اور اس حیرت سے دام ہوا کیونکر ہوا
 جاتے حیرت پر اس کے زمانے کا ہوں میں
 مجھ کو یہ خلعت شرافت کا عطا کیونکر ہوا
 کچھ دکھانے دیکھنے کا تھا تقاضا طور پر
 کیا خبر ہے تجھ کو اے دل فصیلا کیونکر ہوا
 ہے طلب بے تدعا ہونے کی بھی اک تدعا
 مرغ دل دام مست سے ہا کیونکر ہوا
 دیکھنے والے یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں تجھے
 پھر یہ وعدہ حشر کا صبر مال کیونکر ہوا
 حسن کامل پہنچا ہوا اس بے حجابی کا سبب
 وہ جو تھاپڑوں میں نہاں خود نکال کیونکر ہوا
 موت کا نسخہ ابھی باقی ہے اے در فراق
 چارہ لرو یا نہ ہے میں لاوا کیونکر ہوا

تُو نے دیکھا ہے کبھی اے یہ عبرت کُل
ہو کے پیدا خال سے گھس قبائلوں کو ہوا
پیش اعمال سے مقصد تھا رسوائی مری
وزن طائر تھا سبھی کچھ لیا ہوا کیونکر ہوا

میرے شے کا ماشا دیکھنے کی چیز تھی
کیا باتوں ان کا میرا سامن کیونکر ہوا



انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نزلے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یار رہنے والے ہیں
صلح درو میں بھی دلی لذت پہ مرتاہوں
جو تھے چھالوں میں کانٹے نول سونے کا کہا
پھلا پھولا رہے یار بچن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے کر یہ تو نے میں نے پلے میں
رلاتی ہے مجھے اتوں کو خاموشی ستاروں کی
نہ پوچھو مجھ سے لذت خانان باد رہنے کی
نہیں گناہی اچھی فرستیں اہ منزل سے
امید جو نے سب کچھ بکھا رکھا ہے واعظ کو
نرالا عشق ہے میرا نزلے میرے نزلے میں
نشین سیزوں میں بنا کر پھونٹ ڈالے ہیں
ٹھہر جا لے شرزم بھی تو آخر مٹنے والے ہیں
یہ حضرت دیکھنے میں ہے ساد بھول بھالے ہیں

مے اشعار اے اقبال کیوں پیارے تھے مجھ کو
مے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درگیز نالے ہیں

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
 ہو دیکھنا تو دیدہ دل واکرے کوئی
 منصور کو نہو الہام کو یا پیام موت
 اب کیا لسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی
 ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
 ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی
 میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن
 دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
 عذر آفرین جرمِ محبت ہے حسنِ دوست
 محشر میں عذرِ تازہ نہ پیدا کرے کوئی
 چھپتی نہیں ہے یہ نگہ شوق ہمیشیں
 پھر اور کس طرح انھیں دیکھا کرے کوئی
 اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر حکیم
 طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی
 نظائے کو یہ حبشیں شکر کاں بھی رہے
 زنس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

کھل جائیں کیا منے ہیں تمناے شوق میں
 دو چار دن جو سیری تمنا کرے کوئی

کہوں کیا آرزوئے بے دلی مجھ کو کہاں تک ہے
 مے بازار کی رونق ہی سوائے زیاں تک ہے
 دوسے کش ہوں فروغِ مے سے جو طراز بن جاؤں
 ہوائے گلِ فراقِ ساقی نامہ رہاں تک ہے

چمن افروز ہے صیاد میری خوش فواتی تک
 وُشتِ خال ہوں فیضِ پریشانی سے صحر اہوں
 جرسِ مژگنِ نالہ خوابیدہ ہے سرِ گڑبے میں
 سکونِ دل سے سامانِ شوقِ کار پیدا کر
 چمنِ ارجحیت میں شمشیرِ موتِ طعنے بس
 جوانی ہے تو ذوقِ دید بھی لطفِ تما بھی
 رہی بجلی کی بے تابی ہو میرے آشیانِ تہا ہے
 نہ پوچھو میری وسعت کی نہیں آسمانِ تہا ہے
 یہ خاموشی مری وقتِ حیلِ کارواں تہا ہے
 کہ عقد و خاطرِ لہرِ آبِ کابِ واں تہا ہے
 یہاں کی زندگی پابندیِ سہمِ فغان تہا ہے
 ہمارے لہر کی آبادی قیامِ مہمان تہا ہے

زمانے بھر میں سواہوں مگر اے لئے نادانی!
 سمجھتا ہوں کہ میرا عشق میرے ارداں تہا ہے



جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں مینوں میں
 حقیقت اپنی آنکھوں پر نمایاں جب جاتی اپنی
 اگر کچھ آشنا ہوتا مذاقِ حبسِ ساقی سے
 کبھی اپنا بھی نظارہ لیدے تو نے اے مجنون
 مہینے بسل کے لہڑیوں کی صوت اڑتے تھے
 وہ نکلے میرے ظلمتِ خانہِ دل کے مہینوں میں
 مکانِ نکلا ہمارے خانہِ سول کے مہینوں میں
 تو سب آستانِ تعبہِ جادوِ حبسینوں میں
 کہ سیلی کی طرح تو خود بھی ہے محلِ شینوں میں
 مگر لہڑیاں جھڑکتی کی لڑتی ہیں مہینوں میں

مجھے روکے گا تو اے ناخدا کیا عرق سونے سے

چھپایا احسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے

جدا سکتی ہے شمع شہ کو موج نفس ان کی

تساو و دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو

ترستی ہے نگاہ سب جس کے نظائے کو

کسی ایسے شے ٹھونک اپنے خرم دل کو

محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹے ٹوٹے والا

سراپا احسن بن جاتا ہے جس کے حسن عاشق

پھڑک اٹھا کوئی تیری ادائے نامے فقاہ

نمایاں ہو کر لکھلائے کبھی ان کو جمال اپنا

خمش اے دل ابھری محفل میں چلتا نہیں اٹھیا

۱۳۰

باقی ہے در

۱۱۲

کہ جن کو ڈوبنا سو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

وہی نازا فریں ہے جلوہ پیرا ناز سینوں میں

الہی الیا چھپا سوتا ہے ایل دل کے سینوں میں

نہیں ملتا یہ کو ہر بادشاہوں کے خزانوں میں

یہ بیٹھا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

وہ رونق انجمن کی ہے انھی خوت گزینوں میں

کہ خورشید قیامت بھی تو میرے غم شہ چینوں میں

یہ وہ ہے جسے رکھتے ہیں نازل گبینوں میں

بھلائے دل حسین ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

ترا رتبہ ہا بڑھ چڑھ کے سب نازا فرینوں میں

بہت مدت سے چرچے ہیں کے باریک بینوں میں

اوت پہلا قریب ہے محبت کے قرینوں میں

برا سمجھوں انھیں مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا

کہ میں بھی تو ہوں اقبال اپنے نگہ چینوں میں



ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں مری سادلی دیکھ لیا چاہتا ہوں
 ستم ہو کہ ہو وعدہ بے حجابی کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں
 یہ جنت مبارک ہے زاہدوں کو کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
 ذرا سا تو دل ہوں گر شوخ تہن وہی من ترانی سنا چاہتا ہوں
 کوئی دم کا مہماں ہوں لے ایل محفل چراغِ سخن ہوں بجھا چاہتا ہوں

بھری بزم میں ازلی بات کہہ دی

بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں



گشاہ دست کرم جب بے نیاز کرے نیاز مند نہ کیوں عاجزی یہ نیاز کرے
 ہٹھاکے عرش پہ رکھتا ہے تو نے اعظا خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احترام کرے
 مری نگاہ میں وہ رند ہی نہیں ساقی جو پوشیاری ہستی میں امتیاز کرے
 مدام کوشش بدل دے یہ ساز ہے ایسا جو پوشکتہ تو پیدا نوائے راز کرے
 کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بڑتا ہے جو بے عمل یہ بھی حمت ہے نیاز کرے

سخن میں سوز، الہی کہاں سے آتا ہے
یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی لدا کرے
تمیز لالہ و گل سے ہے نالہ نمبل
جہاں میں نہ کوئی چشم امتیاز کرے
غروں زہد نے سکھلا دیا ہے واعظ کو
کہ بندگانِ خدا پر زباں دراز کرے

پروا ہو ایسی کہ ہندوستان سے لے اقبال
اڑاکے مجھ کو غبارِ حجاز کرے



سختیاں کرتا ہوں دل پر غمیرے غافل ہوں میں
ٹٹے کیا اتنی کسی ظالم ہوں میں عامل ہوں میں
میں حبیبی تک تھا کہ تیری جلوہ پیرانی نہ تھی
جو نہود حق سے سٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں
علم کے دریا سے نکلے غوطہ زن کو ہر بدست
وائے محرومی اخرف چین لب ساحل ہوں میں
ہے مری قلت ہی کچھ میری شرافت کی دلیل
جس کی غفلت کو ٹکڑے ہیں غافل ہوں میں
بزمِ ہستی اپنی آرائش پہ ٹونا زاش ہو
تو تو اک تصویبے محفل کی اور محفل ہوں میں

دھونڈتا پھر تا ہوں اے اقبال اپنے آپ کو
آپ ہی کو یا مسافر آپ ہی منزل ہوں میں





مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑ دیا
 واعظ کمال ترک کے متی ہے یاں مراد
 تقصیر کی روش سے تو بہتر ہے خود کشی
 مانند خاصہ تیری باں پر ہے حرفِ غیر
 لطفِ کلام لیا جو نہ ہو دل میں دردِ عشق
 شبِ نیم کی طرح ٹھولوں پہ واہر چمن سے چل
 ہے عاشقی میں رسمِ لک سے بے بیٹنا
 سوداگری نہیں یہ عبادتِ خدا کی ہے
 اچھا ہے دل کے ساتھ ہے پاسبانِ عقل
 جینا وہ کیا جو ہو نفسِ غمیر پر دیا
 شوخی سی ہے سوالِ مکر میں اے کلیم
 نقطے کی پوس ہو تو سیلی بھی چھوڑ دے
 دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبی بھی چھوڑ دے
 رستہ بھی ڈھونڈنا خضر کا سودا بھی چھوڑ دے
 بیگانہ شے پہ نازشیں بے جا بھی چھوڑ دے
 بے سمل نہیں ہے تو تو تروپت بھی چھوڑ دے
 اس باغ میں قیام کا سودا بھی چھوڑ دے
 بت خانہ بھی حرم بھی کلیسا بھی چھوڑ دے
 اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے
 لیکن کبھی کبھی اے تنہا بھی چھوڑ دے
 شہرت کی زندگی کا بھروسا بھی چھوڑ دے
 شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

واعظ ثبوت لاتے جو مے کے جواز میں

اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

(۱) ...
 (۲) ...
 (۳) ...
 (۴) ...
 (۵) ...
 (۶) ...
 (۷) ...
 (۸) ...
 (۹) ...
 (۱۰) ...

۱۳۲
 باقیه
 ۱۱۸

حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

۱۳۵
ہفت روزہ
۱۱۹

حامد
دستبرد سوادیه
اد
الحمد

آجا چتر ترا اردون کی ابرو - تو بھول نہ کنوں ہاتھ تیری بوی
بر دلخ سا جو ترے سے ملے نہا - ماقبہ نہ ترک کر گریہ ریلخ آرزو
کے ہر پہلو پر زور نہا نہا - ماقبہ نہ ترک کر گریہ ریلخ آرزو

ان کا رخ جیسا
میں ہم بھول نہ کر
میں ہم بھول نہ کر

تو ڈیڑھ دن پہ چکر تاروں کا خاکسار - تو ڈیڑھ دن پہ چکر تاروں کا خاکسار
ہاتھ کر دے ہر پہلو پہ - ہاتھ کر دے ہر پہلو پہ
آپ بچہ دیکھو دیکھو دیکھو - آپ بچہ دیکھو دیکھو دیکھو
نوا درت دودیل پہ بلو
سرسبز گل ترے رخسار پہ

ان کا رخ جیسا

۱۳۹
باقی ہے در
۱۲۰

محبت

عروس شب کی زلفیں تھیں ابھی ناشام سے
 قرآنے لباس نو میں بیکار سا لگتا تھا
 ابھی امکانِ عظمت خانے سے ابھری تھی دنیا
 کمالِ نظمِ سستی کی ابھی تھی بہت دلیوا
 سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کیسیا کرتا
 لکھا تھا عرش کے پائے پہ الٰہ کی تصویر
 نگاہیں مال میں رستی تھیں لیکن کیا لڑکی
 بڑھا تبیعِ خوانی کے بہانے عرش کی جانب
 پھر ایسا فکرِ بزلنے اُسے میدانِ امکان میں
 چمک تار سے مانگی چاند سے طراغِ بگڑا نکا
 تڑپ بجلی سے پائی حور سے کپینڈلی پائی
 ذرا سی بھڑ بھڑت کے شانِ بے نیازی لی
 ستارے آسمان کے بے خبر تھے لذتِ روم سے
 نہ تھا واقف ابھی کر و شکر کے استیلا سے
 مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پہلے عالم سے
 یوید اتھی طینے کی تنا چشمِ حاتم سے
 صفا تھی جس کی خالِ پائین بڑھ کر ساغرِ جم سے
 چھپتے تھے فرشتے جس کو چشمِ روح آدم سے
 وہ اس نسخے کو بڑھ کر جانتا تھا اہمِ علم سے
 تنائے دی آخر برآتی سعیِ پیسم سے
 چھپے کی لیا کوئی شے بارگاہِ حق کے محرم سے
 اڑائی تیری تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے
 حرارتِ لی نفسِ سحرِ سحرِ ابنِ مریم سے
 ملک سے عاجزیِ افتاد کی تقدیرِ شبنم سے

پھر ان اجزا کو لکھو لاپشہ حیوان کے پانی میں
موتوں نے یہ پانی ہستی نوخیز پر چھڑکا
مگر کتب نے محبت نام پایا عشر عظم سے
گرہ لکھولی تہنہ نے اس کے لویا کا عالم سے
ہر جہش عیان ذوق نے لطف خواب کو چھوٹا
گھٹنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے ہدم سے

خراہ ناز پایا افتابوں نے ستاروں نے
چٹک غنچوں نے پانی داغ پاتے لالہ زاروں نے

حقیقتِ حسن

خدا سے حسن نے اک روز یہ سوال کیا
ملا جواب کہ تصویرِ حسن ہے دنیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تونے لازوال کیا
شب وازم قدم کا فسانہ ہے دنیا
ہوئی ہے رنگ تغیر سے جب ہوا اس کی
کسیں قریب تھا، نیفت گو قمر نے سنی
فلک چم م ہوئی اختر سحر نے سنی
فلک کی بات بتا دمی زمیں کے محرم کو
کھل کا نتھا سا دل خون ہو گیا نسیم سے
شب سیر کو آیا تھا سو گوار لب
چمن سے واما ہوا موسم بہار لیا

س

عشق نے کرویا تجھے ذوقِ تیش سے آشنا
بزمِ گوشِ شمعِ بزمِ حاصلِ نو ساز و
شانِ کرمِ پر ہے مدارِ عشقِ کرہ نشا کا
ویرِ حرم کی قید کیا جس کو وہ بے نیاز و
صوتِ شمعِ نور کی ہستی نہیں قبائے
جس کو خدا نہ دہر میں لریہ جہاں لداڑے
تائے میں و قمر میں و جہد و کدھر میں و
چشمِ نظارہ میں نہ ٹوسد مرے امتیازے
عشق بندِ بال ہے رسمِ مرہ نیاز سے
حسن ہے مستِ ناز اگر تو بھی جابِ نازے

پیرِ مغانِ فرنگ کی مے کا نشا ہے اثر
اس میں و کیفِ غم نہیں مجھ کو تو خانہ ساز
تجھ کو خبر نہیں ہے کیا! بزمِ ٹہن بل لیتی
اب خدا کے واسطے ان کو مے مجاز و

سوامی ام سیرتھ

سہمِ بغلِ دریا سے ہے اے قطرِ برباب تو
پہلے کو ہر تھا بن اب کو ہر نیاب تو
آہِ لہو لاکس او اسے تو نے رازِ رنگِ بو
میں ابھی تک ہوں اسیرِ تسیارِ رنگِ بو

مٹ کے غوغا زندگی کا شور شر محشر بنا
 یہ شرار و بھج کے آتش خانہ آزر بنا
 نفی ہستی ال کر شمر ہے دل آگاہ کا
 لائے دریا میں نہاں موتی ہے 'الا اللہ' کا
 چشم نابینا سے مخفی معنی انجم ہے
 تھم لتی جس دم تڑپ سیلاب سیم خام ہے
 توڑ دیتا ہے ہستی کو ابراہیم عشق
 ہوش کا دار ہے لویا ہستی تسنیم عشق

طلبہ علی لڑھ کا لکھ کے نام

آوروں کا ہے پیام اور یہ سپر پیام اور ہے
 عشق کے درمیں کلاں زبرد کلام اور ہے
 طاہر زبرد ام کے نام لے تو سن چکے ہوں تم
 یہ بھی سنو کہ نالہ طائر بام اور ہے
 اتنی تھی کوہ سے صہارا زحیات ہے سکوں
 کہتا تھا مور ناتواں لطف خرام اور ہے
 جذبِ حرم سے ہے فروغِ انجمنِ حجاز کا
 اس کا مقام اور ہے اس کا نظم اور ہے
 ہوتے عیشِ جاوداں فوقِ طلب الرنیم
 گروشیں آدمی ہے اور گردشِ عالم اور ہے
 شمعِ سحر یہ کہ لیتی سوز ہے زندگی کا
 عنم لہ نہود میں شرط و دام اور ہے

باوہ ہے نیم رس ابھی شوق ہے نارسا بھی
 رہنے چشم کے سر پہ نیم خشتِ کلیا بھی

۱۲۰

بانگِ درا

۱۲۲

خستِ صبح

ستارہ صبح کا روتا تھا اور یہ کہتا تھا علی نگاہِ مکر فر صستِ نظر نہ ملی

ہوئی ہے زندہ دم آفتاب کے پرشے اماں مجھی کو تیرا مینِ سحر نہ ملی

بساطِ لیا ہے بعدِ صبح کے ستارے کی

نفسِ جناب کا، تابندگیِ شراے کی

کہا یہ میں نے کہ اے زیورِ حسینِ بھرا غمِ فنا ہے تجھے لنبہِ فلک سے اتر

ٹپکِ بے بند ہی کر دوں سے ہر شہِ بنم مرے یا ضحیٰ سخن کی فضا ہے جاں پُر

میں باغیاں ہوں محبتِ بہار ہے اس کی

ہما شالِ ابدِ پائدار ہے اس کی

حُسن و عشق

جس طرح ڈوبتی ہے شستیِ سیمینِ سر نورِ خورشید کے طوفان میں منگنا ہم

جیسے ہو جاتا ہے لُٹ کر کلمے کے لُٹا خیل چاندنی است میں متا کب ہم رنگِ نعل

۱۲
ہفت روزہ
۱۲۵

جسودہ طور میں جیسے یہ مصیبتِ کلیم
سوجہ نکست گلزار میں غنچے کی شمیم

ہے ترے سبیل محبت میں یونہی دل میرا

تو جو محفل ہے تو ہنگامہ محفلِ یوں میں
حُسن کی برق ہے تو عشق کا حاصلِ یوں میں
تو سحر ہے تو مرے اشک ہیں شبنم تیری
شامِ غربت ہوں اگر میں تو شفقِ تومیری
مرے دل میں تری زلفوں کی پریشانی ہے
ترمی تصویر سے پیدا مری حیرانی ہے

حُسنِ کامل ہے ترا، عشق ہے کامل میرا

ہے مرے باغِ سخن کے لیے تو باوہب
میرے بے تابِ تخیل کو دیا تو نے فستار
جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں
نتے جو ہر سوئے پیدا کے آئینے میں
حُسن سے عشق کی فطرت کو ہے تھرک لال
تجھ سے سرسبز ہوئے میری امیدوں کے نہال

فائدہ ہو یا اسودہ منزل میرا

...لی لو د میں بلی و لیہ ل

تجھ کو زودیدہ نگاہی یہ سکھا دی کس نے
رمزِ آغازِ محبت کی بتا دی کس نے
پہرہِ اداسے تری پیدا ہے محبت کیسی
نیلے آنکھوں سے چلتی ہے فکارت کیسی

دیکھتی ہے کبھی ان کو کبھی شرماتی ہے
 آنکھ تیری صفت آنکھ جیسا کہ ہے کیا
 مارتی ہے انھیں پونچوں سے عجب ناز ہے یہ
 شوخ تو ہولی تو لودھی سے تاریں گے تجھے
 کیا تجس ہے تجھے کس کی تنائی ہے
 خاص انسان سے چرخ حسن کا احساس نہیں
 شیشہ دہر میں ماندے تاب ہے عشق
 دل ہر ذرہ میں پوشیدہ کس ہے اس کی
 کبھی اٹھتی ہے کبھی لیٹ کے سوجاتی ہے
 نور آگاہی سے روشن تیری پہچان ہے کیا
 چھوڑے غصہ ہے یا پیار کا انداز ہے یہ
 گر لیا ٹھول جو سینے کا تو ماریں گے تجھے
 آہ! کیا تو بھی اسی پسینہ کی سودائی ہے
 صورت دل ہے یہ ہر چیز کے باطن میں سکھیں
 زور خورشید ہے خونِ دل ہوتا ہے عشق
 نوریہ وہ ہے کہ ہر شے میں جھلک ہے اس کی

کہیں سامانِ سترت کہیں سازِ غم ہے
 کہیں گھر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

کلی

جب لکھاتی ہے سحرِ عارضِ رنگیں اپنا
 جدو آتشام ہے یہ صبح کے مغلانے میں
 لکھول دیتی ہے کلی سینہ زریں اپنا
 زندگی اس کی ہے خورشید کے پیمانے میں

سناں مہر کے دل چیر کے کھدیتی ہے
کس قدر سینہ شگافی کے لئے لیتی ہے

مے خورشید کبھی تو بھی اٹھا اپنی نقاب
بہرِ نظارہ تڑپتی ہے نگاہ بے تاب
تیرے جلوے کشمیں جو مے سینے میں
عکس آباد ہو سیرا مے کتبے میں
زندگی ہو ترا نظارہ مے دل کے لیے
روشنی ہو تری گوارہ مے دل کے لیے
ذرہ ذرہ ہو مرا پھر طرب اندوز حیات
ہو عیاں جو ہر اندیشہ میں پھر سوز حیات
اپنے خورشید کا نظارہ کروں دور سے میں
صفتِ غنچہ ہم آغوش ہوں نور سے میں

جانبِ مضطر کی حقیقت کو نمایاں کر دوں
دل کے پوشیدہ خیالوں کو بھی عیاں کر دوں

چاند اور تارے

ڈرتے ڈرتے دمِ حیرے
تارے کہنے لگے تیرے
نظارے ہے وہی فلک پر
ہم تھک بھی گئے چوک چوک
کام اپنا ہے صبح و شام چلنا
چلنا، چلنا، مدام چلنا

بے تاب ہے اس جہاں کی ہمشے کہتے ہیں جسے سکون نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کش سب تارے انسان شجرِ حشر سب

ہو گا کبھی ستم یہ سن کر کیا

منزل کبھی آئے گی ظن کر کیا

کنے لگا چاند، ہم شینو اے مریع شب کے خوش چینو!

جُنبش سے ہے زندگی جہاں کی یہ رسم قدیم ہے یہاں کی

ہے دوڑتا شمسِ زمانہ کھا کھا کے طلب کا تازیانہ

اس وہ میں مستام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اجل ہے

چلنے والے نکل گئے ہیں جو شہرے ذرا، نکل گئے ہیں

انجام ہے اس خرام کا حسن آغا ہے عشق، نہتہا حسن

وصال

جستجو جس گل کی تڑپاتی تھی اے عجب بل مجھے خوبی قسمت سے آخر گل کیا وہ گل مجھے

خود تڑپاتا تھا چمن الوں کو تڑپاتا تھا میں تجھ کو جب رنگین نواپاتا تھا، شرماتا تھا میں

میرے پہلو میں دل مضطر تھا سہما تھا
از تکاب جرم الفت کے لیے بے تاب تھا

نامرادی محفلِ گل میں مری مشہور تھی
صبح میری آہنہ در شب بیکجور تھی

از نفس و سینه نگوں شتہ نشتر دہم

زیر خاموشی نہاں غوغاے محشر دہم

اب تاثر کے جہاں میں وہ پریشانی نہیں
اہلِ فشن پر لہراں سیری خزلِ غالی نہیں

عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھلے مے
کھیلے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نلے مے

خازنہ الفت سے یہ خال سیہ آئینہ ہے
اور آئینے میں عکس ہمدیم و یرینہ ہے

قید میں آیا تو حاصل مجھ کو آزادی ہوئی
دل کے ٹٹ جانے سے سیرے لکھ کر آبادی ہوئی

صو سے اس خورشید کی اختر مرآتابندہ ہے
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے

یک نطفہ کر دمی آداب فنا و نحوئی

اے جنک روزے کہ خاشاک مرا و اس نحوئی



سُلیٰ

جس کی نمود و بکھی چشم ستارہ ہیں نے
خورشید میں، قمر میں، تاروں کی انجمن میں
صوفی نے جس کو دل کے ظلمت کدے میں پایا
شاعر نے جس کو دیھا قدرت کے بانگین میں
جس کی چمک ہے پیدا، جس کی مہک ہویدا
شبِ بزم کے موتیوں میں، ٹھوٹوں کے پیرہن میں
صحرا کو ہے بسایا جس نے سکونت بن کر
ہنکا مرہ جس کے دم سے کاشانہ چمن میں
ہر شے میں ہے نمایاں یوں تو جمال اس کا
انگھوں میں ہے سُلیٰ تیری جمال اس کا



عاشق ہر جاتی



ہے عجب مجموعہ اضداد اے قہس ال تو
 تیرے ہنگاموں سے اے دیوانہ رنگیں نوا
 ہم شیش تاروں کا ہے تُو رفت پرانے
 صین شغلے میں پیشانی ہے تیری بجز
 مثل بونے گل لباس رنگے عراں ہے تو
 بانی منزل واں بے نقش پاماند موج
 خرسوانی ہے بجلی تیری فطرت کے لیے
 تیری ہستی کا ہے آئین تصنیف پر مداء
 ہے حسینوں میں فنا آتشنا تیرا خطاب
 رونق ہنگامہ محفل بھی ہے تنہا بھی ہے
 زینت گلشن بھی ہے آتش صحرا بھی ہے
 اے زمین فرسا، قدم تیرا فلک پیا بھی ہے
 کچھ ترے مسک میں نگہ شرب دنیا بھی ہے
 ہے تو حکمت آفریں لیکن تجھے سوا بھی ہے
 اور پھر اُفتادہ مثل حاصل دیا بھی ہے
 پھر عجب ہے کہ تیرا عشق بے پروا بھی ہے
 تو کبھی ایک آستانے چہرہ فرسا بھی ہے؟
 اے تلون کشیش! تو مشہور بھی رسوا بھی ہے

لے کے آیا ہے جہاں میں حادث سیما تو
 تیری بجاتی کے صدقے ہے عجب بیجا تو

۱۲۸

ماہنامہ

۱۳۲

عشق کی آشفتمندی نے کر دیا صحرا ہے
 ہر خانہ اس کے پہلو، رنگ پہ پہلو کا
 دل نہیں شاعر کا، ہے کیفیتوں کی رستخیز
 آرزو ہر کیفیت میں اک نئے جلوے کی ہے
 گو سیر باز ہے ہر لحظہ مقصود و نظر
 بے نیازی ہے یہ پیدامیری فطرت کا نیا
 موجب کہیں تماشائے شاد و جستا
 ہر تقاضا عشق کی فطرت کا جو بس نمودش
 جستجو کل کی لیے پھرتی ہے اجزا میں مجھے
 زندگی انفت کی درونجا میوں کے ہے مری
 سچا الپوچھے تو افلاک تسخیل ہے وفا
 فیض سانی شبہم سنا طرف دل دریا طلب
 مجھ کو پس اگر کے اپنا کتہہ چسپا کیا

مشتِ خال ایسی نہاں زیر قبا رکھتا ہوں میں
 سینے میں یہ کالوئی تر شاہوار رکھتا ہوں میں
 کیا خبر تجھ کو دُورینِ سینہ کیا رکھتا ہوں میں
 مضطربِ جن دل گوں نا آشنا رکھتا ہوں میں
 حسن کے مضبوط پیمان وفا رکھتا ہوں میں
 سوز سازِ جستجو مثل صبا رکھتا ہوں میں
 ہر نہیں سکتا کہ دل بقی آشنا رکھتا ہوں میں
 آہِ ابدہ کامل تحسینی مدعا رکھتا ہوں میں
 حسن کے پایاں ہے در و لاوار رکھتا ہوں میں
 عشق کو آزاد و ستور وفا رکھتا ہوں میں
 دل میں ہر دم الکیا محشر بپا رکھتا ہوں میں
 تشنہ اتم ہوں تشنہ زیر پا رکھتا ہوں میں
 نقشِ حوں اپنے مصوے ظاہر رکھتا ہوں میں

محفلِ سستی میں حبِ ایسا تنگِ جلوہ تھا حسنِ پختل کس سے نہ تھا رکھتا سوتل

دربِ بابِ طلبِ پیوستہ می کو شیم

موجِ بحیمِ شکستِ خویشِ بر پوشیم

کوششِ ناتمام

فرقتِ آفتاب میں کھاتی ہے پیچ و نما صبح
چشمِ شفق ہے خونِ فشاںِ اخترِ شام کے لیے
رہتی ہے قیسِ روزِ کوسِ یلی شام کی ہوس
اخترِ صبحِ مضطربِ تابِ و ام کے لیے
کہتا تھا قطبِ آسمانِ قافلہِ نجوم سے
ہم سوز میں ترس گیا لطفِ خرم کے لیے
سوتوں کو ندیوں کا شوقِ بھر کا ندیوں کو عشق
موجِ بہ بھر کو تپشِ ماہِ تمام کے لیے
حُسنِ ازل کہ پردہِ لالہ و گل میں ہے نہا
کہتے ہیں بے قرار ہے جلوۂ عام کے لیے

رازِ حیاتِ پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے

زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے



۱۵۰
بانگِ درا
۱۳۲۷

نوائے غم

زندگانی ہے مری مثلِ بابِ غاموش جس کی ہر رنگ کے غموں سے ہے لبریز آغوش
 بربط کون مکان جس کی خموشی پیشا جس کے ہر تار میں ہیں سیڑیوں غموں کے مزا
 عشرستانِ نوح کا ہے امیں جس کا سکوت اور منت کشش منہا نہ ہیں جس کا سکوت

آہ! آئید محبت کی بر آتی نہ کبھی

چوٹ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی

گمراہی ہے نسیمِ چمنِ مگور کبھی سمتِ گردوں سے چوائے نفسِ محو کبھی
 چھیرا ہستہ سے دیتی ہے مرا تارِ حیات جس سے ہوتی ہے ہمارا روح گرفتار حیات
 نغمہ یاس کی دھیمی سی صدا اٹھتی ہے اشک کے قاف سے کو بانگِ اٹھتی ہے

جس طرح رفعتِ بہنم ہے مذاقِ رم سے

میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے



عشرتِ امروز

نہ مجھ سے کہہ کہ اہل ہے پیامِ عیش و سرور
 نہ کھینچ نکتہ کیفیتِ شرابِ طہور
 فراقِ خور میں جو غم سے پہلکار نہ تو
 پر ہی کو شیشہٴ صفا میں اُتار نہ تو
 مجھے فرغیتہٴ ساقی جمیل نہ کر
 بیانِ خور نہ کر، ذکرِ سبیل نہ کر
 مقامِ امن ہے جنت، مجھے کلام نہیں
 شبابِ آہ! کہاں تک اُمیدوار ہے
 وہ حسنِ لب کہ جو محتجِ چشمِ بیاہو
 وہ عیشِ ہمیش نہیں جس کا انتظار ہے
 نوؤ کے لیے منت پذیر نہ رہو

عجیب چیز ہے احساسِ زندگانی کا
 عقیدہٴ عشرتِ امروز ہے جوانی کا

انسان

قدرت کا عجیب یہ ستم ہے!

انسان کو راز جو بنایا
 راز اس کی نگاہ سے چھپایا

بے تاب ہے ذوقِ آگہی کا کھلتا نہیں بھیدِ زندگی کا

حیرتِ آغاز و انتہا ہے

اسی نے لے لکھ میں اور کیا ہے

ہے گرمِ حرامِ موجِ دریا دریا سوئے بحرِ جاوہِ پیا

بادل کو چوا اڑا رہی ہے شانوں پہ اٹھلتے لا رہی ہے

تارے مستِ شرابِ تفتدیر زندانِ فلک میں پا بہ زنجیر

خورشید، وہ عابدِ سرخیز لانے والا پیامِ برخیز

مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر پیتا ہے مے شفق کا ساغر

لذت کیسے وجود پر شے سرست سے نمود پر شے

کوئی نہیں غم گسارِ انساں

کیا تلخ ہے روزگارِ انساں

جلوۂ حُسن

جلوۂ حُسن کہ ہے جس سے متا ہے تاب پالتا ہے جسے آغوشِ تختل میں شب

ابدی بنتا ہے عیسا الم فانی جس سے
 ایک افسانہ رنگیں ہے جوانی جس سے
 جو سکھاتا ہے ہمیں سرب لریاں ہونا
 منظر عیسا الم حاضر ہے لہریاں ہونا
 دُور چو جاتی ہے اُدال کی خامی جس سے
 عقل لرتی ہے تاثر کی غلامی جس سے

آہ! موجود بھی وہ حسن کہیں ہے کہ نہیں
 خاتم دہر میں یارب وہ نگین ہے کہ نہیں

ایک شام

(دریائے نیل، ہائیڈل برگ کے کنارے پر)

خاموش ہے چاندنی قمر کی
 شاخیں ہیں خموش ہر ٹھہری
 وادی کے نوا فروش خاموش
 گسار کے سبز پوش خاموش
 فطرت بے پوش ہو گئی ہے
 آنکھوں میں شب کے سولتی ہے
 کچھ ایسا سکوت کافوں ہے
 نیکر کا حنہ ام بھی سکوں ہے
 تاروں کا خموش کارواں ہے
 یہ قافلہ بے درواں ہے
 خاموش ہیں کچھ دوست و دریا
 قدرت ہے مڑتا ہے میں گویا

۱۵۲

بانگ درا

۱۲۸

اے دل! تو بھی خموش ہو جا
 آغوش میں غم کو لے کے سو جا

تنہائی

تنہائی شب میں ہے حزن کیا انجم نہ تیرے یہ نیم شبیں کیا؟
 یہ فہستہ آسمانِ خاموش خوابیدہ زمینِ جاںِ خاموش
 یہ چاند، یہ دشت و دریا لہا فطرت ہے تیرا ہم سترِ ناز
 موتی خوش رنگ، پیارے پیارے یعنی تیرے آسواؤں کے تارے

کس شے کی تجھے ہوس ہے اے دل!
 قدرت تیری نیم نفس ہے اے دل!

پیامِ عشق

سُن اے طلبِ کار و درویشِ سدا! میں نازِ نبیوں، تو نیازِ مہو جا
 میں غمِ زنجیری سوماتِ دل کا ہوں، تو سراپاِ ایازِ مہو جا

نہیں ہے وابستہ زیرِ لڑووں کمالِ شانِ سکندری سے
 تمام سماں ہے تیرے گھسینے میں تو بھی آتینہ ساز ہو جا
 غرض ہے پیکارِ زندگی کے کمالِ پاتے ہلالِ تیرا
 جہاں کا فرضِ قدیم ہے تو، اداِ مٹا لیں ساز ہو جا
 نہ ہو قناعت شعارِ چین اسی سے قائم ہے شانِ تیری
 و فوراً مل ہے اگرچہ سن میں تو اور دامنِ دراز ہو جا
 گئے وہ ایام، اب زمانہ نہیں ہے محسوسِ نورِ دیوں کا
 جہاں میں مانندِ شمعِ سوزاں میانِ محسوسِ گداز ہو جا
 وجودِ اسرار کا مجبازی ہے، ہستی قوم ہے حقیقی
 فدا ہو وقت پہ یعنی آتشِ زینِ طلسمِ مجاز ہو جا
 یہ ہند کے فرستہ سازِ آفتابِ آذری کر رہے ہیں گویا
 بچا کے دامنِ بتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجاز ہو جا



فراق

تلاشِ گوشہ عزلت میں پھر رہا ہوں میں
یہاں پہاڑ کے دامن میں آنکھیں پھاہوں میں
شکستہ گیت میں شیروں کے دلبری ہے کمال
وہلے طغناک گفتار آزما کی مثال
ہے تختِ لعلِ شفق پر جلوِ سرِ خستہ شام
بہشتِ دیدہ بہینہ ہے حسنِ منظرِ شام
سکوتِ شامِ جدائی ہوا بہانہ مجھے کسی کی یاد نے سکھلا دیا ترانہ مجھے
کیفیت ہے مری جانِ ناشکیبا کی
مری مثال ہے طمنلِ صغیر تنہا کی
اندھیری رات میں کرتا ہے وہ سروِ آغاز
صد کو اپنی سمجھتا ہے غیب کی آواز
یونہی میں دل کو پیامِ شکیب دیتا ہوں شبِ فراق کو لویا فریب دیتا ہوں

عبدالقادری کے نام

اٹھ کر ظلمت ہوئی پیدا افقِ صا و پر
 ایک نہ یاد ہے مانند سپند اپنی بیا
 اہل محفل کو کچھ سادیں اثرِ حقیقی عشق
 جادوہ یوسفِ لیم گشتہ دلہا لراں کو
 اس پس کو سبقِ آئین ہو کاوے کر
 رختِ جاں بت کدہ چس سے اٹھا لیں اپنا
 دیکھ ایشیرب میں ہو اناقت لیلی بیکار
 بادہ دیرینہ ہوا و گرم ہوا یکا لہ اڈ
 گرم رکھتا تھا ہمیں سڑی مغرب میں جو داغ
 شمع کی طرح جیسے بنم لیم عالم میں
 بزم میں شمع نہ نوا آتی سے اُجبالا کر دیں
 اسی ہنگامے محفل تہ و بالا کر دیں
 سناں اموز کو آئینہ و نہ کر دیں
 تپش آدہ تراز خونِ زلیخا کر دیں
 قطرہ شبنم بے پایہ کو دریا کر دیں
 سب کو موجِ مرغِ سدا می و سنبل کر دیں
 قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کر دیں
 جلد شیشہ پیمانہ و ہرینا کر دیں
 چیر کر سینہ سے وقف تماشا کر دیں
 خود بدین و یقین غیب کار کو بنیا کر دیں

ہرچہ در دل گذر و وقف زبانِ ارشاد

جستہ نیست خیال کے نہ ہماں ارشاد

۱۵۸

باقی ہے در

۱۶۲

حصہ

(جزیرہ سیلی)

روئے اب دل لہول کرے یہ غنایا
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزا
تھایاں منگھ ماراں صحرائیںوں کا بھی
بحرِ باری کاو تھا جن کے سفینوں کا بھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں کے اشیائے جن کی تلواروں میں تھے
اک جہانِ بازو کا پینام تھا جن کا ظہور
لکھائی عصرِ نثر کو جن کی تیغِ ہارسبور
مزدور عالمِ زندہ جن کی شویشِ کسم ہوا
آدمی آزاد زنجیر تو ہم سے ہوا

غلغلوں کے جس لذت گیر تگ لگ شے

کیا وہ بکیر اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے

آہ اے سیلی ہمنہ کی ہے تجھ سے آبرو
زیب سے خال سے خسارِ دریا کو رہے
رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو
تیری شمعوں سے تسلی بحرِ بیا کو رہے
پوشِ بک چشمِ مسافر پر تر اظہر مدام
موجِ رقعات سے کس حال کی چٹانوں پر مدام

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گوارہ تھا

حُسنِ عالم سوزِ جس کا آتشِ نظر تھا

نما کر شہرِ ازل کا میل ہوا بعدِ ادھر

داغِ رویا خون کے آنسو جب ان کا دھڑکا

اسماں نے دُعا کی تھی ناظرِ جبِ برباد کی

ابنِ بدلوں کے دلِ ناشائستہ کی یاد کی

غمِ نصیبِ اقبال کو بخشا کیا ماتم ترا

چن لیا تعست دینے وہ دل کہ تھا محرم ترا

ہے تیرے آثار میں پوشیدہ کس کی داستان

تیرے حُسن کی خموشی میں سہرا اندازِ بیاں

دروپنا مجھ سے کہہ میں بھی سہرا پاؤں ہوں

جس کی تو منزل تھا میں اس کا دُعا کی کروں

زنگِ تصویرِ بھن میں بھر کے لکھنا ہے مجھے

قصہِ ایامِ سلف کا کہہ کے تڑپا ہے مجھے

میں ترا شمعِ سوتے ہندوستان سے جاؤں گا

خود یہاں دُعا کروں کہ وہاں رُلاؤں گا



عزلیات



زندگی انساں کی لوم کے سوا کچھ بھی نہیں
 گل تبسم لہہ ہا بخت زندگانی کو مگر
 دم ہوا کی موج ہے دم کے سوا کچھ بھی نہیں
 شمع بولی باریہ غم کے سوا کچھ بھی نہیں
 راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو
 کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں
 زائرین کعبہ سے قبل یہ پوچھے کوئی
 کیا محرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں



اے عقل خجستہ پے کو ذرا سی دیوانی بھلاؤ
 اے سوئے بختیہ کاری مجھے سر پہن نہیں ہے
 مدحبت کا سو مجھ کو توبہ صبح ازل فرشتے
 مثال شمع مزار ہے تو تری کوئی انجمن نہیں ہے

یہاں کھانم نفس مستیزدین استیلا ہے لیا
وہ چیز تو مانگتا ہے مجھے کہ زیر پرچہ کہن نہیں ہے
نرالا سارے جہاں کے اس قعر کے مسمانے بنایا
بنایا ہے حصارِ ملت کی اتحاد وطن نہیں ہے
کہاں کا انا کہاں کا جانا فریب ہے اختیارِ عقی
نمودہ شے میں ہے ہماری کہیں کا وطن نہیں ہے

مذہبِ مخزن سے کوئی اقبال عالم میرا پیام لہے
جو کا کچھ لڑھی میں میں انھیں باق سخن نہیں ہے



زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے کاغذ کا
مری خموشی نہیں ہے گویا مزار ہے حرفِ آرزو کا
جو موج دریا لگی یہ کہنے سفر سے تاتم ہے شان میری
گہر یہ بولا صد فتنہ بینی ہے مجھ کو سامانِ آبرو کا
نہ ہو طبیعت ہی جن کی قاتل وہ تربیت سے نہیں شہوت
ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سرو کھنڈا جو کا
کوئی دل ایسا نطرنہ آیا نہ جس میں خوابیدہ ہوتا
الہی تیرا جہان کیا ہے، نگار حنہ ہے آرزو کا

۱۶۲

بانگِ درا

۱۲۶

کھسلا یہ مر کر کہ زندگی اپنی تھی طلسم ہو جس سراپا
جسے سمجھتے تھے جسم خالی غیب ارتقا کو ہے آرزو کا

اگر کوئی شے نہیں ہے نہاں تو کیوں سراپا تلاش میں
نگہ کو نظارے کی تناس ہے، دل کو سودا ہے جستجو کا
چمن میں گلچیں سے غنچہ کھلتا تھا، اتنا بیدار کیوں ہے انسان

ترمی نگاہوں میں ہے تبسم شکستہ ہونا مرے سب کو کا
ریاض ہستی کے فترے فترے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا

حقیقتِ گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پہیاں ہے رنگ بو کا

تمام مضمون مرے پرانے، کلام میرا خطا سراپا

ہنسر کوئی دلچسپ ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

سپاس شرطِ ادب ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر

ذرا سا الکل دل دیا ہے وہ بھی فریبِ خوروں ہے آرزو کا

کمالِ وحدت عیاں ہے ایسا کہ نولِ نشتر سے تو جو چھیرے

یقین ہے مجھ کو لرے دل گل سے قطرہ انسان کے لہو کا

کیا ہے تفتد کا زمانہ مج زخمت سفر اٹھاتے
ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یا راہے گفست کو

جو گھر سے اقبال دور ہوں میں تو ہوں نہ محزون عزیز میرے
مثال کو ہر وطن کی فرقت کمال ہے یہی آبرو کا



چمکتی سیریں بلی میں آتش میں شہر میں
بندی آسمانوں میں زمینوں میں تری ہی پستی
شعبت کیوں نمایاں گیسو ذوق تکلم کی
جو ہے بیدار نساں میں لہری منیر سوتا ہے
مجھے چھوٹکا ہے سوز قطرہ اشک محبت نے
نہیں صنیں تو اب آخرت کی آرزو مجھ کو
سکون نا آشتا رہنا اسے سامان ہستی ہے
جھکاتے ہی بید چاند میں موج میں تارے میں
روانی بحر میں فست و لی تیری کنارے میں
چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب تارے میں
شجر میں محول میں حواں میں شجر میں تارے میں
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے شہرے میں
وہ سوا کرتوں میں نے نفع دیکھا خسارے میں
تھرپ کس دل کی ماری چھپ کے ابھی ہے مارے میں

صدائے لہرانی سُن کے اقبال میں چپ رہا
تقاضوں کی کمال طاقت ہے مجھ فرقت کے مکے میں

یوں تو ہے بزمِ جہاں بولش تھے سچے تر
 ال ذرا افسردگی تیرے ہاشاؤں میں تھی
 پالنی آسوی کوئے محبت میں وہ خال
 مد توں آوارہ جھلک کے صحراؤں میں تھی
 کس قدر اے مے تجھے رسمِ حجاب کی پسند
 پردہ انکور سے نکلی تو بیناؤں میں تھی
 حسن کی تاثیر پر غالب نہ آسکتا تھا علم
 اتنی نادانی جہاں سائے اماؤں میں تھی
 میں نے اے اقبال کو یہ میں اُسے صوبہ
 بات جو ہندستان کے ماہ سیاؤں میں تھی

مثال پر تو مے طوفِ جام کرتے ہیں
 یہی سازِ ادا صبح و شام کرتے ہیں
 خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے عظیم تری
 شجرِ حبر بھی خدائے کلام کرتے ہیں
 نیا جہاں کوئی اے شمعِ اڑھوٹے کی یہاں
 ستم کشن پیشِ نام کرتے ہیں
 بھلی ہے ہم نفسو اس چمن میں خاموشی
 کہ خوشنواؤں کو پایہ نام کرتے ہیں
 غرض نشاط ہے شغلِ شراب سے جن کی
 حلال چیز کو یا حرام کرتے ہیں
 بھلا نہجے کی تری ہم سے کیونکر اے وعظا
 کہ ہم تو رسمِ محبت کو عام کرتے ہیں

الہی سے پیر پیرانِ حق پوش میں کیا
 کہ الٰہی سے جو انوں کو رام کرتے ہیں
 میں اُن کی غفلت سے کانپ جاتا ہوں
 جو گھر کو بھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں
 ہرے ہو وطن مازنی کے سید انوا
 جہاز پر سے تمہیں ہم سلام کرتے ہیں

جو بے نیاز کبھی پڑتے ہیں سزا اقبال
 بھاکے دیر سے مجھ کو امام کرتے ہیں



مارچ ۱۹۰۶ء

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدار یار ہو گا
 سکوت تھا پردہ دار جس کا، وہ راز اب آشکار ہو گا
 گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پیئے والے
 بنے کا سارا جہان میٹ نہ، ہر کوئی بان خوار ہو گا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آئیں گے
 برہنہ پانی وہی رہے گی، مگر نیاحت زار ہو گا

سنا دیا گوش منتظر کو جب از کی خاشی نے آخر
جو عمدہ سہراتیوں سے باندھا لیا تھا، پھر استوار ہوگا

نکل کے صحرا جس نے رومالی سلطنت کو اٹھ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں میں نے وہ شیر پھر پوشیا ہوگا

کیا مرا تہ کرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
تو پیر حینانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہوگا
دیار مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے

کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زبر کرم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے پنجہ سے آپ پر غوثی کے کی
جوشاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہوگا

سفینہ برکٹ مل بنائے گا قافلہ نور ناتواں کا
ہزار موجوں کی چوٹ کشش مگر یہ دریا سے پار ہوگا

چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا

جو ایک تھالے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
 یہی الکیفیت تھے سیری تو پھر کے عہد بار ہوگا
 کہا جو قمری سے میں نے اُن یہاں کے ازاد پائیل ہیں
 تو غنچے کہنے لگے ہمارے چمن کا یہ راز وار ہوگا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے ہارے
 میں اُس کا بند بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل! بس وہی جنبشِ نظر بھی
 رہے لی کیا آرزو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہوگا
 میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے در ماندہ کاواں کو
 شرفشاں ہوگی آہِ سیری نفسِ عاشق بار ہوگا
 نہیں ہے غم سے از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اُن نفس میں جہاں سے بٹنا تجھے مثالِ شرار ہوگا
 نہ پوچھ قبیل کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اُس کی
 کہیں سرگزار مہیشا ستم کشِ منتہی رہوگا

خدمت سوم

(۱۹۰۸ء سے)

۱۴۹
بانگ درا
۱۵۳

(۲) سرورم دلی ز عجب و دردم زنده به - زنده در شمع پیر و پیر به در آمدن به
پاک و در آتش گشتن و پیر و پیر به - خالق و خلقت و پیر و پیر به
و شمع در شمع و پیر و پیر به - خالق و خلقت و پیر و پیر به
و کز آن زنده و پیر و پیر به - خالق و خلقت و پیر و پیر به
و پیر و پیر به - خالق و خلقت و پیر و پیر به

(۳) جز باریت نامم گویند از بهر (در کرات و اگر مقدار پیر و پیر به)
پیر و پیر به و پیر و پیر به - در کرات و اگر مقدار پیر و پیر به
نار و پیر به و پیر و پیر به - در کرات و اگر مقدار پیر و پیر به
پیر و پیر به و پیر و پیر به - در کرات و اگر مقدار پیر و پیر به
و پیر و پیر به - در کرات و اگر مقدار پیر و پیر به

(۴) پیر و پیر به و پیر و پیر به - در کرات و اگر مقدار پیر و پیر به
پیر و پیر به و پیر و پیر به - در کرات و اگر مقدار پیر و پیر به
پیر و پیر به و پیر و پیر به - در کرات و اگر مقدار پیر و پیر به
پیر و پیر به و پیر و پیر به - در کرات و اگر مقدار پیر و پیر به
پیر و پیر به و پیر و پیر به - در کرات و اگر مقدار پیر و پیر به

۱۶۰
بازگشت به
۱۵۴

بلا و اسلامیہ

سُز میں تل کی مسجودِ دل غم دیدہ ہے دُستِ فتنے میں لہوِ اسلاف کا خوابیدہ ہے
پاک اس اُجڑے مَکستان کی نہ پوئو نگر میں خانمتِ جنتِ اسلام ہے یہ سُر میں
سوئے ہیں اس خالِ غمِ یہ لام کے تاجِ اُجڑا نظمِ عالم کا راجن کی حکومت پر مدار

دل کو تڑپاتی ہے اب تک لڑیِ محسن کی لڑ

جل چکا حاصلِ مکرِ محفوظ ہے حاصلِ لڑ

بے نیات کا ہر گم کہ جہاں آباد بھی اس کُراست کا مرقعِ اسے بے بند ابھی
یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لیے سامانِ ناز لالہ صحراب سے کہتے ہیں تہذیبِ باز
خالِ اس سب کی پوئو نگر نہ ہمدوشِ اہم جس نے دیکھے جانشینِ سیمِ کبرِ قدم

جس نے غنچے تھے چمنِ سامانِ گلشنِ پہیسی

کانپتا تھا جن سے روماء ان کا مدفن پہیسی

ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدہ مسلم کا نور
ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثل شمعِ طور
بجھ کے بزمِ ملتِ ہند پریشاں کرتی
اور دیا تہذیبِ حاضر کا منہ زان کرتی

قبرِ اس تہذیب کی یہ زمینِ پاک ہے
جس سے نالِ گلشنِ یورپ کی گل نم نال ہے

خطۂ قسطنطنیہ یعنی قصیر کا دیا
معدی اُمت کی سطوت کا نشان پائدا
صوتِ خالِ رسم یہ زمین بھی پاک ہے
استانِ سند آرائے شہِ لولائے
نحستِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
ثربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا

اے سدا ن ملتِ اسلام کا دل ہے شیر
سیڑھوں صدیوں کی نشٹِ نگوں کا حاصل ہے شیر

وہ زمیں ہے تو مگر اسے اب گھٹھن
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نجین
جس کے اہن میں امانِ قوامِ عالم کو رہی
جانشینِ قصیر کے وارثِ سندِ جم کے ہوئے
ہے الرقوبیتِ اسلام پابندِ مقام
پہنڈی بنیاد ہے اس کی بنیاد ہے ہشام

۱۷۲

بانڈی سے دور

۵۶

اے شربِ دیسِ مسلم کا توناوا ہے تو نقطہ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو

جب تک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں

صبح ہے تو اس چمن میں گھرِ شبنم بھی ہیں

ستارہ

قر کا خوف کہ ہے خطرہ سحرِ تجھ کو مالِ حسن کی کیا ملے گی خبرِ تجھ کو؟

مبارع نور کے ٹٹ جانے کا ہے ڈرِ تجھ کو ہے کیا ہر اس فنِ صورتِ شہِ تجھ کو؟

زمین سے فوڑیا آسمان نے گھرِ تجھ کو مثالِ ماہِ اڑھائی قبائے زرخیزِ تجھ کو

غضب ہے پھر تری تھی سی جان ڈرتی ہے!

تمام رات تری کانپتے لڑتی ہے

چمکنے والے مسانہ عجیب یہی ہے جواج ایک کانپے دوسرے کی پستی ہے

اجل ہے لاکھوں ستاروں کی اک دوستِ مہر فنا کی پسند میں زندگی کی مستی ہے

دو غنچہ پر میں ہے از آفرینِ شریں مل عدمِ عدم ہے کہ آئینہِ ابرہستی ہے!

سکونِ محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

دوستارے

اے جو قراں میں دوستارے کہنے لگا ایک دوسرے سے
 یہ وہ سالِ دہام ہو تو کیا خوب انجامِ حسدِ ام ہو تو کیا خوب
 تھوڑا سا جو سرِ بانِ فلک ہو
 ہم دونوں کی ایک ہی چمک ہو
 لیکن یہ وہ سال کی قسمت پیغامِ شراق تھی سراپا
 گردشِ تاروں کا ہے مستدر ہر ایک کی راہ ہے مستدر
 ہے خوابِ ثباتِ اشنائی
 آئینِ جہاں کا ہے حُبِ دائی

گورستانِ ساہی

آسمانِ بادل کا پنہ خستہ دیرینہ ہے کچھ عطرِ جبینِ ماہ کا آئینہ ہے
 چاندنی بھکی ہے اس نظارہِ خاموش میں صبحِ صبا تو سوہی ہے رات کی اغوش میں

۱۷۲

ہفتا گیسو

۱۵۸

کس قدر اشجار کی حیرت فزا ہے خاشی بریدِ قدت کی جھمی سی نواس ہے خاشی

باطن پر وزہ عالم سراپا درو ہے

اور حشاموشی لبِ پستی پہ اُکھڑ ہے

آہِ جولاں کا عالمِ غیر یعنی وہ حصار روشن چہ اپنے اُٹھاتے سیکڑوں صدیوں کا بابا
زندگی سے تھا کبھی سوا بے نسیان ہے نیم شوشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے

اپنے شکارِ کُنن کی خال کا دلدادہ ہے

کوہ کے سرِ پشالِ پاسبانِ ستاد ہے

ابر کے رُوزن سے وہ بالائے جامِ آسمان ناطقِ عالم ہے نجمِ بزمِ بزمِ آسمان
خالِ بازویِ مستِ دنیا کا منہ پٹنہ ہے دہستانِ ناگامیِ انساں کی ہے اُڑ بڑا
پے ازل سے سیا فرسوتے منہ زلِ عارِ ہا آسمان سے نعتِ دلا بونِ قاتلِ کھیتا
گوسکوں مکن نہیں عالم میں خست کے لیے فتحِ خاندانی کو ٹھیس سر پہ ہے مہر کے لیے

رنگِ آپِ ندی سے گلِ بداسن ہے زمیں

سیکڑوں غمِ شستہ تہذیبوں کا دفن ہے زمیں

خوابِ گے شاہوں کی ہے مینزلِ حسرتِ فزا دیدہ عبرتِ اخراجِ اشکِ گللوں کراوا

ہے تو کورستان طرہ خال لڑوں پایہ ہے
اوہ بال برشتہ قسمت قوم کا سٹریہ ہے
مقبروں کی شان حیرت آفریں ہے اس قدر
جنشیں شگاہوں سے ہے چشم تماشا کو حد

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں

جو اثر سکتی نہیں آتے تختہ میں

سوئے ہیں خاموشی آبادی کچھ گاہوں کے دور
مضطرب کھتی تھی جن بو آرزوئے جہاں
قبر کی عظمت میں ہے ان فستابوں کی چمک
جن کے دروازوں پر رہتا تھا جبیں ترغداں
کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا مال
جن کی تدبیریں مانی سے ڈرتا تھا زوال
عجب فغویٰ دنیا میں کہ شان قصیری
مل نہیں سکتی غنیم موت کی پوشش کہی

بادشاہوں کی بھی پشت عمر کا حاصل ہے لو

جادو عظمت کی لویا آخری منزل ہے لو

شورشیں خیم بکریا غول کی تختہ بکریا
درومنہ ان جہاں کا مالہ شب بکریا
عرصہ پہ چار میں ہنکار شمشیر بکریا
خون لولہ مانے والے فخر بکریا

اب کوئی آواز سوسوں کو جگا سکتی نہیں

سینہ سوراں میں جان فرتا سکتی نہیں

روحِ مُبْتَلٰ خال میں حمت کش سداوے
کوچہ مرنے نہ ہوا جس دم نفس سداوے
زندگی انساں کی ہے طانت مرغِ خوشنوا
شاخِ پریشاں کوئی دم چھپایا اڑ لیا
اے الیا آئے ریاضِ ہر میں ہم لیا لے
زندگی کی شاخ سے ٹھوٹے پھلے مر جھالے

موت ہر شاہ و لدا کے خواب کی تعبیر ہے

اس ستم گر کا ستم انصاف کی تصویر ہے

سلسلہ ہستی کا ہے انکسار پیدائندار
اور اس دہائے بے پایاں کی جو بس میں مینا
اے جو حسنِ خون کو کہ ہے زندگی بے اعتبار
یہ شرارے کا ستم خیرِ آتش سوا
چاند جو صہوتِ گریہی کا ال اعجاز ہے
پہنے سیما بی قبہ محو نہ رام ناز ہے
چرخِ بے نجم کی دہشتِ نالِ وسعت میں مگر
بیکسی اس کی کوئی دیکھے فراقتِ سحر

اے فراسا ابر کا مگر ہے جو ہست تاب تھا

آخری آنسو ٹپک جانے میں جو جس کی فنا

زندگی اقوام کی بھی ہے یونہی بے اعتبار
زلمتِ فترت کی تصویر ہے ان کی ہوا
اس زباں خانے میں کوئی ملتِ گروں و قار
رہ نہیں سکتی ابد تک بار و دوشِ روزگار
اس قدر قوموں کی بربادی سے ہے خول کر جہاں
دیکھتا ہے عتسائی سے ہے منظرِ حیران

ایک صوٹ پر نہیں رہا کسی شے کو قرا
ذوقِ جدت سے ہے ترکیبِ پنج روزگار

ہے ملکینِ ہیر کی زینت ہمیشہ نامِ نو

ماورِستی رہی استنِ اقوامِ نو

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ لہر
چشمِ کوہِ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجو

مصرِ بابل بٹکتے باقی نشانِ تک بھی یہ
دفترِ ہستی میں ان کی داستان تک بھی نہیں

آویا ہر ایراکِ اہل کی شام نے
عظمتِ یونانِ رومائوٹلی ایام نے

آہِ اسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا

اسماں کے ایرِ آذاری اٹھا برسا گیا

ہے لیلِ صبح کے اشکوں سے مٹی کی لڑی
کوئی سوج کی کرنِ چشم میں ہے الجھی ہوئی

سینہ دریا شمعوں کے لیے لہوار ہے
کس قدر پیارا لبِ جوہر کا لطف ہے

مجزئیہ سے صنوبرِ جوہر آئینہ ہے
غنچہ گل کے لیے باوہارِ آئینہ ہے

نعرہ زن رہی ہے کوئلِ باغ کے کاشانے میں
چشمِ انساں کے نہاں تپوں کے عزت خانے میں

اُور بیلِ مہربانِ رنگیں نوائے ہرستان
جس کے دم سے زندہ ہے گویا جوئے ہرستان

عشق کے ہنگاموں کی اڑتی ہوئی تصویر ہے
خاصہ قدرت کی کیسی شوخ تحریر ہے

باغ میں خاموش جلسے گستاخانوں کے ہیں واوی کھسار میں نعرے شبانوں کے ہیں
زندگی سے یہ پرانا خال اس سمور ہے موت میں بھی زندگانی کی تڑپ سمور ہے
چمکیاں بھولوں کی لڑتی ہیں اس طرح دستِ طفلِ خنجر سے زخموں کی کھلونے جس طرح

اس نشا آباد میں جو عیش بے انداز ہے

ایک نسیم یعنی غمِ ملت ہمیشہ تازہ ہے

دل ہمارے یا وہدِ فرت سے خالی نہیں اپنے شاہوں کی اُمت بھولنے والی نہیں
اشکِ باری کے بہانے ہیں یہ اُجڑے بامِ در گریہِ پیسہ سے جیسا ہے ہمارا چشمِ در
دہر کو دیتے ہیں موتی دیدہ لکریاں کے ہم آخری بادل میں ال لڑے جو طوفانِ کیم
ہیں ابھی صندِ ہائِ اس کی آغوش میں برق ابھی باقی ہے اس کے سینہ خاموش میں
واوی گل خالِ صحرے کو بنا سکتا ہے خواب کے تیرے دہقان کو جگا سکتا ہے

جو چکا لو قوم کی شانِ جدِ جلالی کا ظہور

ہے مگر باقی ابھی شانِ جدِ جلالی کا ظہور



نمود . ص

ہو رہی ہے نیرِ امانِ اُشُق سے آشکا
 پانچکا فرصت درودِ فصلِ نجم سے سپر
 آسماں نے آبدِ غورشید کی پالِ خبر
 شعلہ غورشید لویا حاصل اس کھیتی کا
 ہے وہاں نجمِ بحر جیسے عبادت خانے سے
 کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی
 مطلع غورشید میں مضرب ہر یوں مضربِ صبح
 ہے تیرِ دامنِ باؤخت لاطِ انگیزِ صبح
 صبح یعنی خستہ دوشیزہ لیل و نہا
 کشتِ خاور میں ہو اسے آفتابِ تیسرہ کا
 محلِ پرِ شب باندہ حاسر دوشِ خبر
 بوتے تھے ہفتاں گزروں کے جوتاؤں کے شرار
 سب سے پیچھے چلے کوئی عابدِ شبِ زندہ
 کھینچتا ہو میان کی غلٹ سے تین آوار
 جیسے خلوت گاہ میں شرابِ خمیش کو
 شورشنِ ناقوسِ آوازِ ازاں سے ہمنار

جلے کوئل کی ازاں سے کھارِ انجمنِ سنج

ہے تو تم ریزتِ انونِ سحر کا تار



۱۸۰

بانگِ درا

۱۹۲

تضمین بر شعر انجسی شاملو

ہمیشہ مست باو سحر آوارہ رستا ہوں
 دل بیتاب جا پہنچا دیار پیسہ بھر میں
 محبت میں کچھ منزل سے بھی خوشتر جاوہ پیمانی
 میسر ہے جہاں مان درو نہا شکیبائی
 ابھی ناشناسے لب تھا حرف آرزو میرا
 زبان جوئے کو تھی منت پذیر تاپ جوانی
 یہ مقدس صدا آتی جسم کے پہنے والوں کو
 شکایت تجھ سے ہے اتنے تارک آئین آبائی
 ترا قیس کیونکر ہو گیا سو زور میں ٹھنڈا
 کہ لیلیٰ میں تو میرا اب تک ہی انداز لیلیائی
 نہ تخمِ لالہ تیری زمین شور سے ٹھوٹا
 زمانے بھر میں سوا ہے تیری فطرت کی نازائی
 تجھے معلوم ہے غافل کہ تیرے ندی کی لیے
 گنشتی ساز معسوم نو اہاتے کلیسانی
 ہوتی ہے تربیت آعوش بیت اللہ میں تیری
 دل شوید ہے لیکن سنم خانے کا سواقی

”دفا انہوستی ازما بکار و گیراں دی

ربو دی کوہرے ازما نثار و گیراں دی“



فلسفہ غم

(میاں فضل حسین صاحب پیر سٹرائیٹ لارڈ لاہور کے نام)

گوسرا کیا کیفِ عشرت ہے شرابِ زندگی
اشک بھی رکھتے ہیں میں سحابِ زندگی

سوج غم پر رقص کرتا ہے جبابِ زندگی
ہے الم کا سُورہ بھی خُز و کتابِ زندگی

ایک بھی تپتی الرلم ہو تو وہ گل ہی نہیں

جو خزانِ دیدہ ہو بیل و دُبل ہی نہیں

ارتھ کے خون سے نکلیں ہر دل کی استیا
نغمۂ انسانیت کامل نہیں یہ اتر فضاں

دیدہ بنیا میں داغِ غم چراغِ سیمین ہے
روح کو سامانِ بنیت آہ کا آئینہ ہے

عاداتِ غم سے ہے انسان کی فطرتِ کمال
غازی ہے آئینہ دل کے لیے لڑ و ملا

غمِ جوانی کو جگاہیت ہے لطفِ خواب سے
سازِ یہ بیدار ہوتا ہے اسی خراب سے

طاہرِ دل کے لیے غمِ شہرِ پرواز ہے
راز ہے انسان کا دل غمِ آشوبِ راز ہے

غم نہیں غم، روح کا ال نغمۂ خاموش ہے

جو سُر و بریلِ ہستی سے ہم غمِ خوش ہے

شام جس کی آشنائے نالہ یارب نہیں
 جلوه پیراجس کی شب میں اشکے گولب نہیں
 جس کا جام دل شکستیم سے ہے آشنا
 جودامست شاربش عشق شربت ہی ہا
 ہاتھ جس پس کا ہے محفوظ نول خار سے
 عشق جس کا ہے خبر ہے کسے آزار سے
 کھفتیم اگرچہ اس کو ریشہ سے دوسرے
 زندگی کا راز اس کی آنکھ سے سوسرے

اے کہ نظیم ہر کا اور اسے حاصل تجھے

کیونچہ آسان جو غم اندوہ کی منزل تجھے

ہے ابد کے نسخہ ویرینہ کی تہیہ عشق
 عقل انسانی ہے فانی زندہ حب و عیش عشق
 عشق کے خورشید شام اجل شربت ہے
 عشق سو ز زندگی ہے تباہ دیا تہ ہے
 رخصت مسبب کا مقصد ہوتا اگر
 جوش اُفت بھی لعل عشق سے کر جاتا سفر
 عشق کو چسبہ بکے نے کر جاتا نہیں
 روح میں غم بن کے ہوتا ہے مگر جاتا نہیں

ہے بقاء عشق سے پیدا بقا محبوب کی

زندگانی ہے ہم آشنایا محبوب کی

آتی تہیہ حبیب کو فے گاتی ہوئی
 آسمان کے طایروں کو فہرست سکھاتی ہوئی
 آتہ روشن اس کا صوت خسار جو
 لکے راوی کی چٹائی پر چوہا جاتا ہے چو

نہر جو تھی اس کے گہر پیسے پہن گئے
یعنی اس افتاد سے پانی کے تارے بن گئے
جسے سیلاب ان بھٹ کر پریشان ہو گئی
مضطرب بوندوں کی اک دنیا نمایاں ہو گئی
ہجران قطروں کو لیکن وصل کی تعلیم ہے
قدیم پھر پھر ہی جو مثل تارے ہیں
ایک صہیت میں ہے سہرا و زندگی
کر کے رقص سے ہجوم نوح انساں بن گئی

پستی عالم میں منے کو جدا ہوتے ہیں ہم
عارضی فرقت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں
عقل جس دم دہر کی آفات میں محصور ہو
یا جوانی کی اندھیری ات میں ستور ہو
دہن دل بن گیا ہو رزم کا خیمہ شر
راہ کی خطہ سے ہو شکل سو ہنس نزل سفر
خضر ہمت ہو گیا ہو ارنو سے لوشکیر
فکر عجب جگر ہو اور خاموش اور ضمیر
واوہی ہستی میں کی ہم تنہا بھی ہو
جاوہ کھلانے کو جلتا کاشد رہا بھی ہو

مرنے والوں کی جبین روشن ہے اس ظلمات میں
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری ات میں



پُھول کا تحفہ عطا ہونے پر

وہ ست ناز گلشن میں جا سکتی ہے کلی کلی کی زبان سے دعا نکلتی ہے

”الہی! پُھولوں میں وہ انتخاب مجھ کو کرے

کلی سے رشکِ گل آفتاب مجھ کو کرے“

تجھے وہ شاخ سے توڑیں از یہ نصیب ہے ترپتے رہ گئے طُغزار میں رقیب ہے

اُمٹا کے صدرِ رُفتہ رُصال تک پہنچا تری حیات کا جو ہر کال تک پہنچا

مرا کنول کہ قصہ قدق ہیں حیرتِ اہل نظر مے شہاب کے گلشن کو ناز ہے جس پر

کبھی یہ پُھول ہم آغوشِ عشق نہ ہوا کسی کے دہنِ گنجیں سے آشنائے ہوا

شگفتہ لڑنے سے کی کبھی ہمدرد ہے

فسرہ دکھتے گلچیں کا منتظر ہے



ترانہ ملی

چین عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
توحید کی انستینوں میں ہے ہمارے
دنیا کے نبی لڑن میں پہلا وہ کھرخدا کا
تینوں کھلے میں ہم مل کر جواں ہوتے ہیں
مغرب کی ادویوں میں گونجی اذان ہماری
باطل سے بننے والے اے آسمان نہیں ہم
اے گلستانِ اندلس! وہ دن میں تجھ کو
اے موجِ جبلہ! تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
اے ارضِ پاک! تیری حرمت پہ کھٹکے ہم
سالارِ کارواں ہے میرے حجاز اپنا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہان ہمارا
آسمان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا
خنجرِ ملال کا ہے قومی نشان ہمارا
تمنا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا
سوارِ کرچکا ہے ٹو اٹھاں ہمارا
تھا تیری ایونج جب اشیاں ہمارا
اب تک ہے تیرا دیریا افسانہ خواں ہمارا
ہے فخرِ قومی گلوں میں اب تک واں ہمارا
اس نام سے ہے باقی آراجم باں ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا

چوتھے جہاد پر پیمائشِ کارواں ہمارا

وطنیت

(یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصوُّکے)

اس دین کے اور بچے عام اور بچے جسم اور
مسلم نے بھی تمسیر کیا اپنا جسم اور
ساقی نے پناہی روشِ لطف و ستم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے جسم اور

ان بازو ہندوؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو پیر میں اس کا بچہ ہندو ہندو کا کفن ہے

یہ بت کہ ترشید تہذیب فی ہے غارت گر کاشا نہ دین نبوی ہے
بازو ترا تو حید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا ویسے تو مصطفوی ہے

نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھائے

اصطفیٰ غالی خال میں اس بت کو ملا دے

ہو قیدِ ممتامی تو نتیجہ ہے تپاہی
ہے ترکِ وطن سنتِ محبوبِ الہی
رہ جسم میں آزاد و وطن ضرورتِ الہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت ہے پوواء

گنہگار سیاست میں وطن اور پی کھچے

ارشاد نبوت میں وطن اور پی کھچے

اقوام جہاں میں ہے قابت تو اسی سے تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے

خالی ہے صداقت کے سیاست تو اسی سے کمزور کا لہر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوق خدا بنتی ہے اس سے

قوتِ اسلام کی جڑ لگتی ہے اس سے

ایک صاحبِ مدینے کے راستے میں

قافلہ لوٹا لیا صحرا میں اور منزل ہے دور اس بیابان یعنی بھر خشک کا ساحل ہے دور

ہم سفر میرے شکارِ دشمنہ رہزن ہوتے بچ گئے جو ہو گئے بڑے سُوتے بیت اللہ پھر کے

انسِ بخاری جو اس نے کس غشی سے جان دی موت کے نہر اب میں پاتی ہے اس نے زندگی

خنجر رہزن اُسے گویا ہلالِ عید تھا نہاتے شربِ دل میں لب پر نعرۂ توحید تھا

خوف کہتا ہے کہ شرب کی طرف تنہا نہ چل شوق کہتا ہے کہ تو مسلم ہے بے باک نہ چل

بے یارت سُوتے بیت اللہ پھر جاؤں گا لیا عاشقوں کو روزِ محشر منہ نہ دکھلاؤں گا لیا

خوفِ جان کھتا نہیں کچھ دشتِ سیاهِ حجاز
 ہجرتِ مدفونِ شرب میں یہی مخفی ہے از
 گوسداستِ محفلِ شامی کی سہراپی میں ہے
 عشق کی لذتِ مگر خطروں کی جان کا ہی میں ہے
 اے عفتِ زبیاں اندیش کیا چالا ہے
 اور تاثر آدمی کا کس قدر بے باک ہے

قطعہ

کل ایک شوریدہ خواب گاہِ نبی پر رو رو کے لہر رہا تھا
 کہ مصر و ہندوستان کے مسلم بنائے تہمتِ بشار ہے ہیں
 یہ زائرانِ حرمِ مغرب ہزار ہر بے بنیں ہمارے
 ہمیں بھلا ان سے اسطے کیا جو تجھ سے نسا اٹھا ہے ہیں
 غضب ہیں یہ مُرشدانِ خود ہیں خدا تری قوم کو بچائے
 بگاڑ کر تیرے مسدوں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں
 نئے کا قبال کون ان کو یہ نجس بن ہی بدل گئی ہے
 نئے زمانے میں آپ ہم کو پرانی باتیں سن رہے ہیں

شکوہ

کیوں یاں کر بنوں سود فراموش رہوں فکر نہ کرے کہوں مجھ غم و خوش رہوں
نارِ بھل کے سنوں اور پتہ تن گوش رہوں ہم نوائیں بھی گئی گل ہوں خاموش رہوں

جرأتِ آمو زمری تاپ سخن ہے مجھ کو

شکوہ اللہ سے خالم بدہن ہے مجھ کو

ہے سبب شیوہ تسلیم میں مشہور ہیں ہم قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

سازِ خاموش ہیں فریاد سے سہر ہیں ہم نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا بشکوہ اربابِ وفا بھی سن لے

خوارِ حق سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تھی اسے قدیم پھول تھا زینتِ سپر نہ پریشان تھی شمیم

شرطِ انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عظیم بوئے گل بھیتی کس طرح جو ہوتی نہ شمیم

140
ہاگ سے رہا
142

ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ امت تیرے محبت کی دیوانی تھی؟

ہم سے پہلے تھا عجیب تر جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے چہرے کہیں مسبود شجر
خوار پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر
مانت سمجھ کوئی اُن دیکھے حند اللو لوند

تجہ کو سہم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا
قوتِ بازوئے سلم نے کیا کام ترا

بس ہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی
اہلِ چہرِ چین میں ایران میں ساسانی بھی
اسی سوئے میں آباد تھے یونانی بھی
اسی بنیاد میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اٹھاتی کس نے
بات جو بڑی ہوئی تھی وہ بناتی کس نے

تھے پہیں ایکے سے کراؤں میں
خشکیوں میں کہیں لڑتے کہیں دریائوں میں
دیں اذانیں کہیں یورپ کے کلیساؤں میں
کہیں افریقہ کے پتے جتے صحراؤں میں

شانِ انکسوں میں نہ جیتی تھی جہاں اڑوں کی
کلہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے
اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے
سرخ پھرتے تھے کیا دہریوں کی لت کے لیے؟

قوم اپنی جو زر و مال جہاں پر مرتی
بُت فروشی کے عوض بُت شکنی کیوں کرتی

مُل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اٹھ جاتے تھے
تجھ سے کس شے کوئی تو بڑھ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے ہم تو پسے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے

زیرِ خیمہ بھی یہ پیام سنایا ہم نے

توہی کہے کہ اٹھاڑا دیر خیر کس نے
شہرِ قصیر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے
توٹے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے
کاٹ کر رکھ دیے نقار کے لشکر کس نے

کس نے ٹھنڈا کیا آتشِ کدہ ایران کو؟

کس نے پھر زندہ کیا تذکرہ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی
اور تیرے لیے زحمت کشں بیکار ہوئی
کس کی شمشیر جہاں لیر جہاں دار ہوئی
کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی

کس کی سیت صنم سے ہوئے ریتے تھے
منہ کے بل لڑکے ہوا اللہ احد، کہتے تھے

آگیا عین لڑائی میں الرقتِ نسا ز قبلہ تو ہوئے زمیں بوس تھی قوم حجاز
ایک ہی صف میں لکڑے ہوئے محمود ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب محتاج و غنی ایک ہوتے

تیری سکر میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے
مفضل کو ن مکان میں ستر شام بچے مے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے
کوہ میں دشت میں لے کر ترا پیغام بچے اور سلو ہے تجھ کو، کبھی ناکام پھرے
دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوٹے ہم نے
بحرِ طلمات میں ڈرائیے لھوٹے ہم نے

صفحہ دہر سے ہاسل کو بنایا ہم نے نوح انسانِ غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ طہ ہے کہ وفادار نہیں
ہم فادار نہیں تو بھی تو ولدِ ار نہیں!

امتیں اور بھی ہیں ان میں کس کس بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں مست مے پندار بھی ہیں
ان میں کمال بھی ہیں غافل بھی ہیں شیار بھی ہیں
سیکڑوں ہیں کہ تے نام سے سزا بھی ہیں

رحمتیں ہیں ہی غیار کے کاشانوں پر

برق لرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بیت صہنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان لے
ہے خوشی ان کو کہ سب کے گمبان لے
منزل پر سے اونٹوں کے حدی خوان لے
اپنی بعلوں میں دبا تے سوت آگ لے

خند زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں

اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

یہ شکایت نہیں ہیں ان کے خزانے مہمور
نہیں منسل میں جنسیات بھی کرنے کا شو
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ہمیں جو قصور
اور بیچارے مسلمان کو فقط وعدہ حور

اب ہا الطاف نہیں ہم پر عنایات نہیں

بات یہ کی ہے کہ پہلی سحر ارات نہیں

کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیا نایاب
تیری قدرت تو ہے جس کی نہ ہے نہ حساب
تو جو چاہے تو اٹھے سینہ صحر سے حباب
دہر و دشت ہو سیلی وہ موج سرباب

۱۹۲

باقی ہے در

۱۴۸

طعنِ انغیار ہے رسوائی ہے ناوار می ہے

کیا ترے نام پر مرنے کا عوض خوار می ہے؟

بنی غیار کی اب چاہنے والی دنیا رہ لئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا
ہم تو رخصت ہوئے آؤں نے سمجھالی دنیا پھر نہ کہنا ہوئی تو حیرتِ حسانی دنیا

ہم تو جیتے ہیں کہ زیبائیں اناام ہے

کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ ہے جام ہے!

تیری محفل بھی لہتی چاہنے والے بھی لگتے شب لی ہیں بھی تین صبح کے نالے بھی لگتے
دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلا بھی لگتے اکے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی لگتے

اے عشاق گئے وعدہ مندر لے کر

اب انھیں ٹھونڈ چراغِ رخِ زیبائے کر

درِ سیلی بھی وہی قیس کا پہلو بھی وہی نجد کے دشت و جبل میں ہم آہو بھی وہی
عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی اُنتِ احمد مرسل بھی وہی تو بھی وہی

پھر یہ آرزوئی غریب کیا معنی

اپنے شیداؤں پر یہ چشمِ غضب کیا معنی

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟ بُت لکری پیشہ لیا، بُت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو، عشق کی آشتی سے سری چھوڑا؟ رسمِ سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا؟

اُٹل تجسیر کی سینوں میں بیٹھتے ہیں
زندگی مثلِ بلال حبشی کرتے ہیں

عشق کی خیر و ہوسلی سی او ابھی نہ سی جادو پیسا کی تسلیم ضرب ابھی نہ سی
مضطربِ دل صفتِ قبضہ نہ ابھی نہ سی اور پابندِ آئینِ وفا ابھی نہ سی

کبھی ہم کئے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہر جاتی ہے

سرفراز یہ کیا دین کو کامل تو نے اک لٹکے میں خاروں کے لیے دل تو نے
آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے پھونک دی گرمیِ خسارِ محض تو نے

آج کیوں سینے پر شہِ آباد نہیں
ہم وہی سوختہ سماں ہیں تجھے یاد نہیں؟

واہیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا قیسِ دیوانہ نظارہِ محض نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا گھر یہ چھوڑا ہے کہ تُو رونقِ محض نہ رہا

اے خوش آن روزگاری بوسہ ناز آئی

بے جا باز نہوئے محفل بازار آئی

بادہ شش غیر پیش میں لبِ خُش بیٹھے سُنتے ہیں حجام بلف نغمہ کو کو بیٹھے

دوہرہ نگارہ گلزار سے یکسو بیٹھے تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ تھو بیٹھے

اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خود افروری دے

برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

قومِ آوارہ عنان تارے پھر سوتے حجاز لے اڑا بے سبیل بے پروا کو مذاقِ پرواز

مضطربِ باغ کے سرِ غنچے میں سے ٹوٹے نیا تو ذرا چھیر توڑے تیشہ مضرب سے ہر ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے

طوِ مضطرب ہے اسی آل میں جیلنے کے لیے

مشکدیں اُتستِ مرغِ خم کی آساں کرے مٹو بے پایہ کو ہمدوشِ سلیمان کرے

جنسِ نایابِ محبت کو پھر ازراں کرے ہند کے دیرِ شبنوں کو مسلمان کرے

جوتے خوں می چلے از حسرتِ دیرینہ ما

می تپد مالہ زبشتِ کدہ سینہ ما

نوتے گل لے گئی برون چمن از چمن
کیا قیامت کہ خود بھول ہیں غماز چمن!

عہد گل ختم ہوا ٹوٹ گیا ساز چمن
اڑ گئے ڈالیوں سے زمرہ پڑ از چمن

ایک سبیل ہے کہ ہے مجھ ترغم ایک

اس کے سینے میں ہے نغموں کا قلاطم ایک

قمریاں شاخ صنوبر سے گریزاں بھی نہیں
پتیاں ٹھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی نہیں

دو پرانی روشیں مانع کی ویراں بھی نہیں
ڈالیاں سپرین برگ کے غمیاں بھی نہیں

قید موسم سے طبیعت ہی آزاد اس کی

کاش گلشن میں سمجھت کوئی فرما د اس کی

نطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا بیٹھ میں
کچھ مزا ہے تو یہی خون جگر پیٹنے میں

کتنے بے تاب ہیں جو ہر مرے آئینے میں
کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں

داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لائے ہی نہیں

چاک اسن بیل تنہا کی نوا سے دل ہوں
جاگنے والے اسی بانگِ دُائے دل ہوں

یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں
پھر اسی باوۃِ دیرینہ کے پیسے دل ہوں

عجیبی ہے تو کیا ہے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا ہے تو حجازی ہے مری

چاند

اے چاند جس نے فطرت کی آبرو ہے
یہ داغ سا جو گیسے سینے میں ہے نمایاں
ملو فہم خالی تیرے قدم جو ہے
میں مضطرب نہ رہیں بے بیتاب تو فلک پہ
عاشق ہے تو کسی کا یہ داغ آرزو ہے؟
شجر کو بھی بستو ہے مجھ کو بھی بستو ہے

انساں ہے شمع جس کی گھنٹل ہی ہے تیری

جس طرف وہ انہیں منزل ہی ہے تیری

تو ڈھونڈتا ہے جس کو تاروں کی خاموشی میں
استادہ ہر قوم میں ہے سبزے میں سہا ہے
پوشیدہ ہے شاید غوغائے زندگی میں
آب میں تجھے دکھائوں رخسار روشن اس کا
بے عمل میں نغمہ زن ہے خاموش ہے کھلی میں
نہروں کے آئنے میں شبنم کی آری میں

محر اور دشت و زمین کہسار میں وہی ہے

انساں کے دل میں تیرے رخسار میں وہی ہے

رات اور شاعر

(۱)
رات

کیوں میری چاندنی میں بھرتا ہے تو پریشاں
خاموشی صورتِ گلِ نازِ نورِ پریشاں
تاروں کے موتیوں کا شایہ ہے جو میری تو
مچھلی ہے کوئی میرے ریتے نور کی تو
یا تو مری جس میں کا تارا لرا ہوا ہے
رفت کو چھوڑ کر جو پستی میں جا رہا ہے
خاموشی ہو گیا ہے تارِ رہا ہے پستی
ہے میرے آئنے میں تصویرِ خواہ پستی
دریا کی تہ میں چمک رہا ہے سب گلتی ہے
ساحل سے گاکے کے موج بیتاب گلتی ہے
بستی زمیں کی کیسی ہنگامہ فریں ہے
یوں گلتی ہے جیسے آبادی نہیں ہے

شعرا کا دل ہے لیکن نا آشنا سکون سے
ازاد رہ گیا تو کیونکر مے فسون سے؟

(۲)

شاعر

میں ترے چاند کی لہتی میں نہیں بڑتا ہوں
چھپ کے انسانوں کے مانند سوتا ہوں

۲۰۰
بانٹا ہے رات
۱۸۲

دن کی شورش میں نکلتے ہوئے گھبراتے ہیں
 مجھ میں فریاد جو نہاں ہے سناؤں کس کو
 برق امین کے سینے پہ پڑی روتی ہے
 صفتِ شمع لحدِ مُردہ ہے محفلِ میری
 عزتِ شب میں مے اشدِ ٹپک جاتے ہیں
 تپشِ شوق کا نظارہ دکھائوں کس کو
 دیکھنے والی ہے جو آنکھ لکھنا سوتی ہے
 آہائے ات بڑی فوہ ہے نزلِ میری
 عہدِ حاضر کی ہوا اس نہیں ہے اس کو
 اپنے نقصان کا احساس نہیں ہے اس کو

ضبطِ پیغامِ محبت کے لکھ براتا ہوں
 تیرے بندہ ستاروں کو سنا جاتا ہوں

نغمہ

سُوج نے جاتے جاتے شامِ سیدِ قبا کو
 پہنادیا شفق نے سونے کا سارا زیور
 طشتِ اُفت کے لے کر لائے کے پھول مارے
 قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اتارے
 محلِ حیاتِ مٹی کے لیلے ظلمتِ آتی
 چمکے عروں شب کے موتی وہ پیارے پیارے
 وہ دُور رہنے والے ہنگامہ جہاں سے
 کہتا ہے جن کو نساں اپنی زباں میں تارے

مخوفانہ موزی تھی اس بن ملک کی
عرش میں سے آئی اوزال ملک کی

اے شب کے پاس تو اے آسمان کے تارو! تائبہ قوم ساری لڑوں شیں تمھاری
چھیڑو سو دایا خیال انھیں سونے والے رہبر تھے فلوں کی تانبیں تمھاری
ایسے قسموں کے تم کو چہانتے ہیں شاید سنیں صدائیں اہل زمین تمھاری

رخصت ہوئی خموشی تاروں بھری فضا سے
وسعت تھی آسمان کی سمور اس نواسے

حسن ازل ہے پیدا تاروں کی دلبری میں جس طرح عکس گل ہو شبنم کی آرسی میں
اتین نو سے ڈرنا طس سز کھن پہ اڑنا منزل یہی کھن ہے قوموں کی زندگی میں
یہ کاروان ہستی ہے تیرنگام ایسا قومیں نکل لیتی ہیں بس کی واوری میں
انکھوں سے ہیں جاری غائب ہزاروں خیم داخل ہیں وہ بھی سیکن اپنی بروری میں
اے سمرین نہ سمجھے اس کو زمین والے جو بات پالتے ہم تھوڑی سی زندگی میں

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نطفِ ام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

سیرِ فلک

تھا نخیل جو ہم سہ میرا اسماں پر چو گزر میرا
اڑتا جاتا تھا اور نہ تھا کوئی جاننے والا چرخ پر میرا
تارے حیرت دیتے تھے مجھے رازِ سرِ بستہ تھا سفر میرا

حلقہٴ صبح و شام سے نکلا

اس پرانے نظام سے نکلا

کیا سناؤں تمہیں ارم کیا ہے خاتمِ آرزو تے دیدہ و گوش
شاخِ طوبیٰ نے پسند ریز طیو بے حجب بانہٴ خور جلوہ فروش
ساقیانِ بیل جامِ بدست پیئے والوں میں شورِ نوشا نوش
دو چہرے کے آنکھ نے بھیج ایک تار یک خانہ ہر دو حسروش
طالعِ قیس کیسے لیلیٰ اُس کی تارِ حویں سے دہشِ بدوش
خُٹک ایسا کہ جس کے شکر کردہ زمزم سے پور و پوش
میں نے پوچھی جو کیفیت اُس کی حیرت انگیز تھا جوابِ سرروش

یہ تمام خاکستری ہے مارے نور سے تھی آغوش
شعلے جوتے ہیں ستار اس کے جن سے لڑاں ہیں مری عبرت کوش

اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں

اپنے انگار ساتھ لائے ہیں

نصیحت

میں نے اقبال سے ازراہ نصیحت یہاں
تو بھی ہے شیوہ اربابِ بیا میں کامل
جھوٹ بھی مصلحت ایسے نر ترا ہو تا
ختم تیر تری مدح سے کار یہ ہے
درجہ کام بھی ہے تجھ کو معتمد محمود
اور لوگوں کی طرح تو بھی چھپا سکتا ہے
نظر آجاتا ہے مسجد میں بھی عید کے دن
دست پر درتے ملک کے اخبار بھی ہیں
حامل روزہ ہے تو اور نہ پاسد زنا
دل میں بندن کی ہوئے لب پہ ترے کرجا
تیرا انداز تسلیت بھی سراپا اعبا
فکر روشن ہے ترا موجبِ آئینِ نیا
پالسی بھی تری چپیدہ از زلفِ ایا
پر وہ خدمتِ دین میں ہو جس کا کار
اثر و عطر سے جوتی ہے طبیعت بھی ا
چھٹیر نافرض ہے جن پر تری تشہیر کا سا

اس پر طر ہے کہ ٹو شمر بھی کہہ سکتا ہے
تیری مینے سخن میں ہے شراب شیر
جتنے اوصاف ہیں لٹکے وہ ہیں تجھ میں بھی
تجھ کو لازم ہے کہ ہو اٹھ کے شریک تہ
غم سہیا نہیں اور پر بال بھی ہیں
پھر سب کیا ہے نہیں تجھ کو دماغ پر

”حاقبت نمنزل ما وادی خاموشان است
حالی غمت در گنبد انکال اندا“

رام

لبریز ہے شراب حقیقت کے جام ہند
سب دینی ہو خطہ مغرب کے ایم ہند
یہ ہند یوں کے فکر فلک رس کا ہے اثر
رفت میں آسمان سے بھی اونچا ہے جام ہند
اس دس میں ہوتے ہیں ناراں ملک شرت
مشور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
ہے ام کے جو یہ ہند وستان کو ناز
ایل نطنہ سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
اعجاز انس چراغ ہدایت کا ہے یہی
روشن تر از سحر ہے زمانے میں شام ہند

تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرو تھا
پالیزی میں جو شش محبت میں فرو تھا

موٹر

کیسی پتے کی بات جھلنے نے کل کی
 موٹر ہے فوالقار علی خاں کا کیا خموش
 ہنگامہ آفس میں نہیں اس کا خرام نا
 مانند برق تیز ہشال ہوا خموش
 میں نے کہا نہیں ہے یہ موٹر یہ منحصر
 ہے جادۂ حیات میں ہر تیز یا خموش
 ہے پاشک تیشو فراد سے جس
 نکست کا کارواں ہے مثال صبا خموش
 مینا دام شور شعلہ شل سے پائیل
 لیکن مزاج جام حرام آشنا خموش
 شاعر کے فکر کو پر پروازت مشی
 سطر یہ وار لڑی آواز حاشی

انسان

منظر چمنستان کے زیبا ہوں کہ مازیا
 محروم عمل نرس مجبور تماث ہے
 رفتار کی لذت کا احساس نہیں اس کو
 فطرت ہی سنوبر کی محروم تماث ہے
 تسلیم کی خاک ہے جو چیز ہے دنیا میں
 انسان کی ہر قوت سرگرم تماث ہے
 اس فتنے کو رہتی ہے سعت کی ہونٹیم
 یہ ذرہ نہیں شاید سٹا ہو احسا

چاہے تو بدل ڈالے سعت چمنستان کی

یہ ہستی وانا ہے پسنا ہے تو انا ہے

خطاب بہ جوانان اسلام

کبھی اے جوانِ مسلم! تدبیر بھی کیا تو نے
 تجھے اس قوم نے پالا ہے اغوشِ محبت میں
 تمدنِ انسانی حلقہٴ ترقی میں جا رہی
 سماں شرفِ فخری کا رہا شانِ باری میں
 کدانی میں بھی اللہ والے تھے غمور اتنے
 غرض میں کیا کہوں تجھے کہ جو خورشیدِ کاشف
 اگرچہ ہوں تو نقشہٴ سینچ کر الفاظ میں لکھ دوں
 تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
 گنوا دہی سے جو اسلام کی سرِ پائی تھی
 حکومت کا تو کیا زمانہ الٰہی عارضی ہے تھی
 مگر وہ علم کے موتی کستِ بے باکی
 ”غنی نو زیادہ کنعیاں ہاں ہاں
 وہ لیا کروں تھا تو جس کا ہے الٰہ ٹوٹا ہوا تارا
 کچل ڈالا تھا جس کا پوں میں تاجِ سربارا
 وہ صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کا گھوڑا
 ”بات نہتِ خالِ خطِ حاجت نے زیارا“
 کہ ستم کو لدا کے ڈنکے شش کا نہ تھا یارا
 جہاں جہاں جہاں جہاں جہاں جہاں آرا
 مگر تیرے خستیل فتنوں سے وہ نظارا
 کہ تو کلفتِ روہ کو از ٹوٹا بہت وہ سیارا
 تریسے میں بچ آسمان نے ہم کو دے مارا
 نہیں دنیا کے آئینِ ستم کے کوئی چارا
 جو یس میں ان یوں ہیں تو دل سوتا ہے سیارا
 کہ نورِ یدِ اہلِ روشن کند چشمِ زلیخارا“

غزوة شوال

یا

ہلالِ عید

غزوة شوال! اے نورنگاہِ روزہ دار
 تیری پیشانی پہ تحریرِ پیامِ عید ہے
 اس کے تھے تیرے لیے مسلم سراپا انتظار
 شام تیری کیا ہے صبحِ عیش کی تہیہ ہے
 اے مہ نو باہم کو تجھ سے اُلفتِ یرینہ ہے
 سرگزشتِ ملتِ بیضا کا تو آئینہ ہے
 دشمنوں کے خون سے تجھیں قیامت تھے ہم
 جس علم کے سائے میں تیغ آزماتے تھے ہم
 حسنِ روزافروں سے تیرے آبر و ملت کی ہے
 تیری قسمت میں ہم غوشی اُسی ایت کی ہے
 ہے محبتِ خیز یہ پیرِ بہنِ سیمیں ترا
 آشنا پر ہے قومِ اپنی وفا آئیں ترا

اوجِ لڑوؤں سے فرادنیاء کی بستی دیکھ لے
 اپنی رفعت سے ہمارے لھر کی پستی دیکھ لے

۲۰۸

بانگِ درا

۱۹۲

قافلے دیکھ اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھ
 دیکھ لڑتے ہو افق پریم لٹاتے تھے لہر
 فرقہ آرائی کی زنجیریں میں ہیں مسلم اسیر
 دیکھ مسجد میں شکست رشید تیسری شیخ
 کافروں کی مسلم آئینہ کا بھی لٹا رکھ
 بارش گند اوش کا تاشانی بھی ہو
 ہاں تعلق پیشی دیکھ ابرو والوں کی تو
 جس کو ہم نے آشنا لطف تکم سیر کیا
 ساڑھ عشرت کی صدمہ مغرب کے یوانوں میں
 چاک لڑی شکر باداں نے خلافت کی قبا

رہبرِ دروازہ کی منزل سے سیزاری بھی دیکھ
 اے تھی ساغر ہزاری آج ناداری بھی دیکھ
 اپنی ازادی بھی دیکھ ان کی رفتاری بھی دیکھ
 بست کلمے میں رہن کی پختہ نزاری بھی دیکھ
 اور اپنے مسلمانوں کی مسلم ازاری بھی دیکھ
 امت مسلمہ کی آئینہ زیاری بھی دیکھ
 اور جو بے اثر تھے ان کی خوداری بھی دیکھ
 اُس حریف بے باں کی گرم رفتاری بھی دیکھ
 اور ایران میں ماتم کی تیاری بھی دیکھ
 سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

صوتِ آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ

شورشِ امروز میں مجھ سُرود و دوش رہ



شمع اور شاعر

(فروری ۱۹۱۲ء)

شاعر

دوشس می نفتم بہ شمع منزل ویران خویش
کیسے تو از پر پروانہ دارو شانہ اے
وہ جاں مثل چراغ لالہ صحرایم
نے نصیب محسن نے قسمت کاشانہ اے
تہ تے مانند تو من ہم نفس می حسرت
در طواف شعلہ ام بالے نہ زو پروانہ اے
می تپد صد جلوہ در جان اہل شہ و من
بر نمی خیزد ازین محسن دل دیوانہ اے

۲۱۰

بانگِ وصال

۱۹۲

از کجبا این آتش عالم سوزاند و حتی
کرکاب بے مایه را سوزد کلیم اوستی

شمع

مجھ کو جو موجِ نفَس دیتی ہے پیغامِ اجل
لبِ اسی موجِ نفَس سے ہے نوا پیرا ترا
میں تو جلتی ہوں کہ ہے مضمحل مری فطرت میں سوز
تو سوزاں ہے کہ پروانوں کو چوسد و اترا
گر یہ ساماں میں کہیسے دل میں ہے طوفانِ اشک
شبِ نیمِ افشاں تو کہ بزمِ گل میں ہو چہ چا ترا
گل بہ دامن ہے مری شب کے لہو سے میری صبح
ہے تہے امروز سے نا آشنا و اترا
یوں تو روشن ہے مگر سوزِ دروں کھلتا نہیں
شعلہ ہے پشیل چراغِ لالہ صحرا ترا

سوچ تو دل میں، لعقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟
 انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ بے صہب اترا!
 اور ہے تیرا شمار آئینِ قلت اور ہے
 زشتِ رُوقی سے تری اتنی زندہ ہے رسوا ترا
 کعبہ پہلو میں ہے اور سودا کی بُت خانہ ہے
 کس قدر شوریدہ سر ہے شوق بے پروا ترا
 قیس پیدا ہوں تیری محفل میں! یہ ممکن نہیں
 تنگ ہے صحرا ترا، محل ہے بے لیدا ترا
 اے دریا بند! اے پروردہ آغوشِ موج!
 لذتِ طوفان سے ہے نا آشنا دریا ترا
 اب نوا پیرا ہے کیا، گلشنِ ہوا برہم ترا
 بے محفل تیرا ترنم، نغمہ بے موسم ترا
 تھا جنھیں ذوقِ تماشا، وہ تو رخصت ہو گئے
 لے کے اب تُو وعدہ دیدارِ عم آیا تو کیا

۲۱۲

باقی ہے در

۱۹۶

انجمن سے وہ پُرانے شعلہ آسمان اٹھ گئے
 ساقیاء محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا
 آہ جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چلی
 پھول کو بادِ ساری کا پیام آیا تو کیا
 آخر شب دید کے قابل تھی سہل کی تڑپ
 صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا
 ٹیجہ کیب وہ شعلہ جو مقصود پر پرواز تھا
 اب کوئی سودا آئی سوزِ تسم آیا تو کیا
 پھول بے پروا ہیں، تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
 کارواں بے جس ہے آوارہ دریا ہو یا نہ ہو
 شمع محفل ہو کے توجب سوز سے خالی رہا
 تیرے پروانے بھی اس لذت سے سگانے رہے
 رشتہ الفت میں جب ان کو پرست تھا تو
 پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے

شوق بے پروا کی، فکرِ فلکِ پیما کی
 تیری محفل میں نہ دیوانے نہ سزا نے ہے
 وہ جگر سوزی نہیں، وہ شعلہ شامی نہیں
 فائدہ پھر کیا جو گردشِ پرانی ہے
 خیرِ ثوابِ ساقی سیلِ پلائے کا کسے
 اب نہ دے کس سے باقی نہ مینا نے ہے
 رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا سے
 کل تک گردش میں جس ساقی کے پیانے ہے
 آج ہیں خاموش دہشتِ جنوں پوچھیں
 رقص میں سیلی رہی، سیلی کے دیوانے ہے
 وائے ناکامی! مستراحِ کارواں جاتا رہا
 کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا
 جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے بھی
 شہرِ ان کے بٹ گئے آبادیاں بن چکیں

سطوتِ توحید قائم جن سازوں سے ہوئی
 وہ سازیں ہند میں نذر برہمن ہو گئیں
 دہر میں عیش و ام آئیں کی پابندی سے
 موج کو آزاویاں سامانِ شیون ہو گئیں
 خود تجبلی کہ تہنہا جن کے نظاروں کی تھی
 وہ نگاہیں نا اُمیدِ نورِ امین ہو گئیں
 اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں
 دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشین ہو گئیں
 وسعتِ لرزوں میں تھی ان کی تڑپِ نظاروں
 بجلیاں اسودہ دامنِ حنہ من ہو گئیں
 دیدہٴ خوبار ہو منت کش گلزار کیوں
 اشکِ پریم سے نگاہیں گل بہ دامن ہو گئیں
 شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
 ظلمتِ شب میں نظر آئی کرنِ اُمید کی

مژدہ لے پیانہ بردارِ خمستانِ حجاز
 بعدِ مدت کے ترے ندوں کو پھر آیا ہے ہوش
 نقدِ خود داری بہلے بادۂ غبار تھی
 پھر دکانِ تیسری ہے لبریز صدائے ناؤ نوش
 ٹوٹنے کو ہے طلسمِ ماہِ سیما یں پسند
 پھر سلیم کی نطفہ ریتی ہے پیغامِ خسروش
 پھر یہ غوغا ہے کہ لاساقی شرابِ خانہ ساز
 دل کے سنگام سے مغرب کے کر ڈالے خموش
 نفیرِ پیرا ہو کہ یہ سنگامِ خاموشی نہیں
 ہے بحر کا آسمانِ خورشید سے مینا بدوش
 درِ عنیم و لیرِ بوزہ و لیراں راہِ رسمِ بوز
 گنفت روشن حدیثے کرتوانی وارِ گوش
 کہہ گئے ہیں شاعریِ خبز و سیت از پیغمبری
 ہاں سنا دے محفلِ ملت کو پینامِ سروش

آنکھ کو بیدار کرو دے وعدہ دیدار سے
زندہ کرو دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

رہزنِ ہمت ہوا ذوقِ تن آسانی ترا

بحرِ مہمت صحرا میں تو، گلشن میں شل جو ہوا

اپنی صہبت پہ تائم تھا تو جمعیت بھی تھی

چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بو ہوا

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات

یہ کبھی گوہرِ کبھی شبنم، کبھی آنسو ہوا

پھر کہیں سے اس کو پیدا کر، بڑی دولت ہے یہ

زندگی کیسی جو دل بے گمانہ پہلو ہوا

آبرو باقی ترمی ملت کی جمعیت سے تھی

جب یہ جمعیت گئی، دنیا میں رسوا تو ہوا

فردِ تائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور سیرِ دریا کچھ نہیں

پروہ دل میں محبت کو ابھی ستور رکھ
 یعنی اپنی مے کو رسوا صورتِ مینا نہ کر
 خمیہ زن ہو وادیِ سینا میں مانسہ کلیم
 شعلہ تھتیق کو غارت گر کا شانہ کر
 شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم
 صرف تعمیرِ حیرتِ خاکستر پروانہ کر
 تو اگر خود دار ہے منت کش ساقی نہ ہو
 عین دریا میں حبابِ آسانگوں پہیانہ کر
 کیفیتِ باقی پُرانے کوہ و صحرا میں نہیں
 ہے جنوں تیرا نیا پیدا نیا ویرانہ کر
 خال میں تجھ کو مُعتد کرنے ملا یا ہے اگر
 تو عصا افتاد سے پیدا مثالِ اندر
 ہاں، اسی شہنشاہِ کُن پر پھر بنائے اشیاء
 اہلِ مہشن کو شہیدِ نعمتِ ستانہ کر

اس چمن میں سپر و بھیل ہو یا تمسکِ نخل
 یا سراپا نالہ بن جا یا نوا سپدانہ کر
 کیوں چمن میں بے صدا مثلِ ریمِ شبنم ہے تُو
 لب کشا ہو جا، سرودِ بریطِ عالم ہے تُو
 آشنا اپنی حقیقت سے ہو لے دھتار ذرا
 وانہ تو بھیتی بھی تو، باران بھی تو، حاصل بھی تُو
 اہ، کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
 راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تُو
 کانپتا ہے دل ترا اندیشہ طوفان سے کیا
 ناختہ اتو، بحر تو، بشتی بھی تو، ساحل بھی تُو
 دیکھ اگر کوچہ چالب گریباں میں کبھی
 قیس تو، لیلیٰ بھی تو، صحراب بھی تو، محفل بھی تُو
 واتے نادانی کہ تُو محتاجِ ساقی ہو گیا
 مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تُو

شعلہ بن کر ٹھونکنے کا شاک غیر اللہ کو
 خوفِ باطل کیا کہ ہے عادتِ کرباں بھی تو
 بے خبر! تو جو ہر آئینہ ایام سے
 تو زلزلے میں خدا کا آخری پیغام ہے
 اپنی اصلیت سے ہوا گاہ اے غافل کہ تو
 قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
 کیوں گرفتِ طلسمِ ہیچ مت داری ہے تو
 دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے
 سینہ ہے تیرا میں اس کے پیامِ ناز کا
 جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے نہاں بھی ہے
 ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفتک
 تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے
 اب ملکِ شاہد ہے جس پر کوہِ فاراں کا سکونت
 اے تعافلِ پیشہ! تجھ کو یاد وہ پہیاں بھی ہیں؟

تُو سی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر لیا
 ورنہ کاشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے
 دل کی کیفیت ہے پیدا پر وہ تفتیر میں
 رکوت بینا میں سے مستور بھی، غریاں بھی ہے
 پھونک ڈالا ہے مری آتش نوا آتی نے مجھے
 اور میری زندگی کافی کا یہی سماں بھی ہے
 راز اس آتش نوا آتی کا مرے سینے میں دیکھ
 جلوہ تفتیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ
 آسماں ہو گا سخی کے نور سے آئینہ پوش
 اور ظلمت رات کی سیماں پا ہو جائے گی
 اس قدر ہو گی ترنم آئیں باد بہار
 نکمت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
 آملیں گے سینہ چاکاں چین سے سینہ چاک
 بزم گل کی نفیس باد صبا ہو جائے گی

شبِ بنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و سنا
 اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی
 دیکھ لو گے سطوتِ رفتارِ دریا کا مال
 موجِ مضطرب ہی اسے زنجیرِ پیر ہو جائے گی
 پھر دلوں کو یاد آجائے گا سینا م سجود
 پھر بےیں خالِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
 نالہ صیاد سے ہوں گے نوا سا مالِ سیور
 خونِ گلچیں سے کلی زلفیں قبا ہو جائے گی
 آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ اسکتا نہیں
 محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
 شبِ کریمیاں ہولی آخر جلوۂ خورشید سے
 یہ چمن معسور ہو گا نغمہ تو حید سے



۲۲۲

بانگِ درا

۲۰۶

مسلم

(جون ۱۹۱۲ء)

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں ستو ہے
سینہ سوزاں ترا منیرا دے ستو ہے
نغمہ تہیہ تیری بربطِ دل میں نہیں
ہم سمجھتے ہیں یہ لیلیٰ تیری محل میں نہیں
کوشش آوازِ سر و فرست کا جو یا ترا
اور دل پسند گانہ خانے بے پروا ترا
قصہ گل ہم نہ ایانِ چمن سنستے نہیں
اہل محفل تیرا سینہ ہم کہن سنستے نہیں
اے وراثے کا ورنِ خفتہ پا با خاموش رہ
ہے بہت یاسِ کفر تیری صدا خاموش رہ

زندہ پھر محفلِ برینہ ہو سکتی نہیں
شمعِ روشن شبنمِ شبنم ہو سکتی نہیں

ہم نشینِ مسلم میں توحید کا حال ہوں میں
اس وقت پازل شے پر عادل ہوں میں
نبضِ حیات میں پیدا حرات اس کے ہے
اور سلم کے تختِ یل میں حیات اس کے ہے
حق نے عالم اس وقت کے لیے پیدا کیا
اور مجھے بس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا
دہرِ مرغارت کربلِ پست میں ہوا
حق تو یہ ہے حافظِ ناموسِ ہستی میں ہوا

میری ہستی پیر غنچ یارنی عالم کی ہے
 قسمت عالم کا سلم کو لب تابندہ ہے
 اشکارا ہیں میری آنکھوں پر اسرار حیات
 کتب اسکتا ہے نسیم کا عارضی منظر مجھے
 یاس کے غنصر سے ہے آزاد و سیر افروزگار
 ہاں یہ سچ ہے چشم بر عہد کائنات ہستیاہوں میں
 یا و عہد فرست میری خال کو اسیر ہے
 میرے ہر جانے سے سوانی بنی آدم کی ہے
 جس کی تابانی سے افسون بھر شر مند ہے
 کہ نہ نہیں کہتے مجھے نومید پرکار حیات
 ہے بھر سا اپنی قلت کے مقدر پر مجھے
 فتح کامل کی خبر دیتا ہے جوش کارزار
 اہل محفل سے پرائی ہستیاں کہتا ہوں میں
 میرا ماضی میرے استقبال کی نفسیر ہے

سامنے کھتا ہوں میں منشاظ افزا کو میں
 دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

حضورِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں

گراں جو مجھ پر ہر سنگا مٹا نہ ہوا
 قیودِ شام و بھر میں بسر تو کی لکین
 جہاں سے باندھ کے رخت بفر واز نہ ہوا
 لطفِ کم کہتے عالم سے آشنا نہ ہوا

۲۲۲

بانگِ سحر

۲۰۸

فرشتے برقم رسالت میں لے گئے مجھ کو

حضور آیہ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضور نے اے علیؑ بیابانِ حجاز! کلی کلی ہے تری کرمی نوا سے گداز

ہمیشہ سرخوش عالمِ ولایت میں فدا دلی ہے تیری غمیتِ سحرِ بھونپنا

اڑا جو پستیِ دنیا سے تُو سونے لڑوں سکھائی تجھ کو ملائکہ نے رعبِ پڑا

نکل کے بیابانِ حجاز سے گنبدِ نو آیا

ہمارے اسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا؟

”حضور! اوپر میں آسودگی نہیں ملتی تلاش جس کی ہے زندگی نہیں ملتی

ہزاروں لالہ گل ہیں یا خضر ہستی میں وفا کی بس میں جو ہو وہ کلی نہیں ملتی

گھر میں نذر کو الٰہی گیس نہ لایا ہوں جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے ہی امت کی آبرو اس میں

طرا بس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں“



شفا خانہ حجاز

اک میواتے قوم نے قہس بال کھا کھلنے کو جدہ میں ہے شفا خانہ حجاز
ہوتا ہے ہری خاک کا پڑوے قہسرا شفا ہے تو کسی سے جو فسانہ حجاز
دست جنوں کو اپنے بڑھا جب کی طرف شہر توجہ اس میں ہے یوانہ حجاز

دار الشفا والی طب میں چلیے

نبضِ مرضِ خبیہ عیسیٰ میں چلیے

میں نے کہا کہ موت کے پورے ہیں حیات پوشیدہ جس طرح ہے حقیقت مجاز میں
تلخا بہ اسل میں جو عاشق کو مل گیا پایا نہ خضر نے کمرے عسکر راز میں
اوروں کو دیں حضور زبیر پیغامِ زندگی میں موت ٹھونڈتا ہوں میں حجاز میں

آئے ہیں آپ کے شفا کا پیام کیا
رکھتے ہیں اہلِ مریض سے کام کیا



۲۲۶

بانگِ بے را

۲۱۰

جواب شکوہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں طاقت پرواز رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے رفعت پر نظر رکھتی ہے خال سے اٹھتی ہے لڑو چکر رکھتی ہے
عشق تھا فتنہ کہ بوسہ شرم چالاک مرا

آسمان چیر کر مارا بے بال مرا

پیر لڑوؤں نے کہا سُن کے کہیں ہے کوئی بے سیکے سرِ عرش میں ہے کوئی
چاند کستا تھا نہیں اہل زمیں ہے کوئی لکشاں کہتی تھی پوشیدہ ہیں ہے کوئی
کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا

مجھے جنت سے نکالا ہوا اس سمجھا

تھی شہزادوں کو جیت کر کیا وار ہے کیا عشرِ والوں پر بھی کھتا نہیں یہ وار ہے کیا
تسہ عشر بھی اس کی تہ تازہ ہے کیا آگئی خال کی خُشکلی کو بھی پرواز ہے کیا

غافل آداب کے تگن نہیں کیسے ہیں
شوخ و ستاخ یہ پستی کدیں کیسے ہیں

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برسے
عالمِ نفیس کے دانت سے منہ کھلے

تھا جو سجود ملا تاکہ یہ وہی آدم ہے
ہاں مگر عجیب کئے اسرار سے نامحسوس ہے

نہ ہے طقتِ نفستار اپنی فوں کو
بائے کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

اچھی آواز عن انجم ہے زافسانہ ترا
اسماں کی پھر نغمہ فرستانہ ترا

اشکاتے تاب سے لب بکریز پیمانہ ترا
کف سے شوخ زباں ہے دل دیوانہ ترا

شکر شکر گویند حسنِ اداسے تو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خاک سے تو نے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے جو ہر سائل ہی نہیں

راہ و کھدائیں کئے رہ منزل ہی نہیں
جس سے تعمیرِ سوا آدم کی یہ نگاہ ہی نہیں

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
دھوٹے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

ہاتھ بے زور ہیں لکھ لکھ کر ہیں انتہی باعث رسوائی پیسہ ہیں
بُت شکن اٹھ گئے باقی جو ہے بُت گر ہیں تمہا برائے سیم پورا اور پورا آزر ہیں

باوہ اشکام تھے باوہ نیلہ چشم بھی تھے

حرمِ کعبہ نیابت بھی تھے تم بھی تھے

وہ بھی دُن تھے کہ یہی مایہ عمر سالی تھا نازشیں سیم مل لالہ صحرائی تھا
جو سلمان تھا اللہ کا سوائی تھا کبھی محبوب تمہارا یہی حجابائی تھا

کسی تحبائی سے اب عہدِ غلامی کر لو

فلت احمد برسل کوست امی کر لو

کس تہ تم یہ گراں سج کی بیداری ہے ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں ساری ہے
طبع آزاد و قیدِ مضامین باری ہے تمہی کہہ دے یہی آئینِ وفا واری ہے

قوم مذہب کے تھے مذہب نہیں تم بھی نہیں

جذبِ باہم نہیں محفلِ باہم بھی نہیں

جن کو اتنا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو نہیں قوم کو پروا ہے شین تم ہو
بجلیاں بس میں چوں آئو وہ خرم تم ہو بیچ لھاتے ہیں اسلاف کے دفن تم ہو

ہونکو نام خوب تر کی تجارت کے
 کیا نہ سوچے جو مل جائیں صہم شہ کے
 صفحہ ہر طرہ سے بٹایا کس نے؟
 نوع انسان کو عن لای چھڑایا کس نے؟
 میرے بے چینوں بٹایا کس نے؟
 میرے شہر کو بے چینوں بٹایا کس نے؟
 تھے تو ابا وہ تھکے ہی ملزم لیا

ہاتھ پر ہاتھ دھرتے منتظر فرما ہوا
 کیا کہا بہر حال ہے فقط وعدہ
 شکوے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شہ
 عدل ہے غلطی کسری کا ازل سے دستہ
 مسلم آئین جو اکاف تھے حور و قصور
 تم میں عروں کا کوئی چنے والا نہیں
 جلوہ طور تو موجود ہے موسیٰ بنی نہیں

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
 ایک ہی سبب سے دین بھی ایمان بھی ایک
 حرم مال بھی اللہ بھی شہر بھی ایک
 کچھ بڑی بات تھی ہے جو مسلمان بھی ایک
 فرقہ بندی ہے کہیں اور کسین فائیں ہیں
 کیا زمانے میں پھیننے کی یہی باتیں ہیں

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟ مصلحتِ وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سما یہ شمعِ اراغیا؟ ہولتی بس کی زدِ نرسلف سے بیزار؟

قلب میں نہ نہیں رُوح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیامِ محمدؐ کا تمہیں مانس نہیں

جائے جوتے ہیں مساجد میں صفائے تو غریب زحمتِ وزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نامِ بیت ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب پردہ بکھلتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب

اُمراۃِ دولت میں ہیں غافل ہم سے

زندہ ہے بلبِ بیضیا غریبا کے دم سے

واحد قوم کی وہ بختِ خیالی نہ رہی برقِ طبعی نہ رہی شعلہِ مستالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذانِ رُوحِ بلامالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا، تلخستینِ غزالی نہ رہی

مسجدیں شریفِ خاں ہیں کئی نمازی نہ ہے

یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ ہے

شوہرے ہو گئے دنیا سے سلمانِ نابود ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کسی سلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہ مسلمان ہیں اجنبی دیکھ کے شرماؤں میں ہنود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

دعوتِ سیرت بھی سلم کی صداقت ہے بال
عدل اس کا تھا قومی لوٹ مراعات کے پاک

شجرِ فطرتِ سلم تھا جس سے نمل
تھا شجاعت میں وہ الہی فوجِ اللہ راک

خود لہ از می نیم نفیتِ صہبائش ہو

خالی از خویش شن صوتِ مینائش ہو

ہر مسلمان گلِ طہل کے لیے نشتر تھا
اس کے آئینہ سستی میں عملِ جہر تھا

جب رستا تھا سے قوتِ بازو پر تھا
تپے ہمیں موت کا ڈر اس کو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو الہ از بر ہو

پھر پر قابلِ میراث پدر کیونکر ہو!

ہر کوئی مستیِ ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے!

حیدر علی ہے پر نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف کے کیا نسبتِ حافی ہے؟

وہ زمانے میں ستر تھے مسلمان ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ شراب ہو کر

۲۳۲
باقی ہے در
۲۱۶

تم ہو آپس میں غصہ بنا کر وہ آپس میں کریم
چلتے سب ہیں کہ ہوں اور شریا پیہر مستم
تم خطا کار و خطا ہیں وہ خطا پوش و کریم
پہلے دیکھ لو تو یہ کیا کرتے قلم و قلم

تختِ فقور بھی ان کا تھا سر پر کبھی

یونہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حقیقت بھی

خود کشی شیعہ تمہارا، وہ سیو و خود ا
تم اخوت کے گریزان وہ اخوت پہ نثار
تم پوختہ سراپا، وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو مٹی کو، وہ ہستان بہ لٹا

اب تک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی

نقش ہے صفحہ ہستی صیدِ اُقت ان کی

مثلِ نخبِ اُفق قوم پہ روشن بھی ہوئے
شوقِ پرواز میں مہجورِ شمسین بھی ہوئے
بیتِ ہندی کی محبت میں بڑھن بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی ان دین کے بطن بھی ہوئے

ان کو ہند نے پرستے آزاد کیا

لا کے کعبے صفحہ خانے میں آباد کیا

قینِ رحمت کش تنہا کی صحرا نہ رہا
شہر کی لکھ کے ہوا باد یہ پیکار نہ

وہ تو دیوانہ ہے بستی میں ہے دیانہ رہا
یہ ضروری ہے حجابِ بُرخ لیلانہ رہا

گلہ جو نہ ہو، شکوہ بیدار نہ ہو

عشق آزاد ہے کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو

عہدِ نورق ہے آتشِ زینِ پرخور ہے
ہین اس کوئی صحرانہ کوئی کاشن ہے

اس نئی آگ کا تو ایم نہیں لینا
تجربہ سب سے بدیہہ ہے

آج بھی ہر جو براہِ شیم کا ایمان پیدا

آگ لے سکتی ہے اندازِ گستاں پیدا

دیکھ کر ناچنے پر نہ پریشان مالی
کوئی شبِ بے شے شاخیں میں پکنے والی

خوشنما کے ہوتا ہے گستاں خالی
گل برانداز ہے خوشنما کی لالی

رنگِ گدڑوں کا ذرا دیکھ تو غمت جاتی ہے

نیسکتے ہوتے سوج کی اشتیاق جاتی ہے

اتنی گلشنِ بہتی میں ٹہر چید بھی ہیں
اور سہم ٹہر بھی ہیں خزانِ بید بھی ہیں

سیکڑوں نخل ہیں ہرید بھی بالید بھی ہیں
سیکڑوں لہجہ چین میں ابھی پوشید بھی ہیں

نخلِ اسلام نوٹ ہے بروہندی کا

پھل ہے سیکڑوں صدیوں کی چینندی کا

پاک کے لرو وطن سے سزا ماں تیرا تو وہ بوسے کے کہ ہر مصر ہے کنگاں تیرا
 قافلہ ہونے کے گا کبھی ویراں تیرا غیر یک بانہ ورا لچھ نہیں سا ماں تیرا
 نخل شمع استی و شعلہ و دوریشہ تو

عاقبت سوز و سیاہ اندیشہ تو

تو نہ بیٹ جانے کا ایران کے بیٹ جانے سے نشتر کے کو تعلق نہیں پانے سے
 ہے عیاں پوشش تار کے افلاں سے پاسباں تل گئے کعبے کو صنم خانے سے
 کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے

عصرِ نورات ہے دھندلا سا ستار تو ہے

ہے جو سنگام بہ پاپوشن بلغاری کا خافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
 تو سمجھتا ہے یہ سا ماں ہے دل آزاری کا امتحاں ہے ترے ایشاکا، خود داری کا
 کیوں ہر اسماں ہے چھیل فریں اعدا سے

نور حق بچھنے کے کا نفس اعدا سے

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری ہے ابھی نسل سستی کو ضرورت تیری
 زندہ رہتی ہے زمانے کو حرارت تیری گو کہ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری

وقتِ فرصت ہے کہاں کام بھی باقی ہے
نورِ حیدر کا اسم بھی باقی ہے

شلِ زوے کے غنچے میں پریشان ہو جا
رختِ بردوشن چائے چمنستان ہو جا

ہے تنک مایہ تو دے سے بیابان ہو جا
نغمہ موج سے ہنسنا ترطوفان ہو جا

وقتِ عشق سے ہر سہل کو بالا کروے

دہر میں اسمِ مستند سے اُجالا کروے

ہو نہ یہ پھول تو بے بل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھرے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خمیہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

نبضِ ہستی میں آئدہ اسی نام سے ہے

دشت میں امن کُسا رہیں میدان میں ہے
بکھر میں موج کی آنکوش میں طوفان میں ہے

چمن کے شہزادے کی بیابان میں ہے
اور پوشیدہ سلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوامِ نبطِ ارہ ابد تک دیکھے

رفعتِ شانِ رفعتِ کاکِ فخرِ کاکِ دیکھے

مردم چشم زمیں یعنی وہ کالی دنیا وہ تھکے شہسپا اپنے والی دنیا
گرمی مہر کی پروردہ ہلالی دنیا عشق والے جسے کہتے ہیں ہلالی دنیا

تیش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تلے کی طرح

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری مے درویش خفا ہے جہانگیر تری
ماریوی اللہ کے لیے آگ ہے کجیر تری تو مسلمان ہو توقت یہ ہے تدبیر تری

کی محمد سے فناؤ نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ساقی

نشہ پلا کے لڑانا تو سب کو آتا ہے مزا تو جب ہے کہ لڑتوں کو تھام لے ساقی
جوابہ کش تھے پرائے وہ اٹھتے جاتے ہیں کہیں سے اک بیعتے دوام لے ساقی!

کشی ہے ات تو ہنگامہ ستری میں تری
سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی!

تعلیم اور اس کے نتائج

(تضمین بر شعرتا عشرتی)

خوش تو ہیں ہم بھی انوں کی ترقی سے مگر لبِ خداں سے کل جاتی ہے فراد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الکا و بھی ساتھ
لکھریں رو پڑیے شیریں تو ہوئی جلد و نما لے کے آتی ہے مگر تیشہ فراد بھی ساتھ

”تختم دیکر بلف آریم و بکاریم ز نو
کا نیک شہ تہیم ز خجالت نتوان فرود“

قرب سلطان

تمیزِ حاکم و حکوم ہٹ نہیں سکتی مجال کیا کہ لگا کر ہوش کا ہندوش
جہاں میں خواجہ پرستی ہے بندگی کا لال رضائے خواجہ طلب کن قبائے رنگیں پوش
مگر غرض جو حصولِ رضا ہے حاکم ہو خطاب ملتا ہے منصبِ پست و قوم فروش
پڑائے طرزِ عمل میں ہزار شکل ہے نئے اصول سے خالی ہے فکر کی آغوش

مزا تو یہ ہے کہ یوں زیرِ آسماں کیجے
 یہی اصول ہے سرمایہ سلوین حیات
 گھر خوش پائل ہے تو تو بسم اللہ
 شراب بزمِ اسیر وزیرِ سلطان ہو
 پیامِ مرشدِ شیراز بھی مگر سن لے
 کہ ہے یہ ستر نہاں خانہ ضمیرِ سرور
 "محلِ نور تجلی ستارے انور شاہ
 چو بے اطلالی صوفیے نیتِ کوش"

شاعر

جوئے سرورِ آفریں آتی ہے کوہِ سائے
 پی کے شرابِ لالہ لوں کے کدہ بہارے
 مستیِ مہرامِ کاسِ توں درِ اسپاں تو
 زندہ وہی ہے کامِ کچھ جس کو نہیں قرارے
 پھرتی ہے ادویوں میں کیا دخترِ خوش خرام
 کرتی ہے عشقِ بازیاں سبزہ مرغزارے
 جامِ شرابِ فہم کے خم سے اڑاتی ہے
 پست بلند لر کے طے لھیتوں جو جا پلاتی ہے

شاعرِ دل نواز بھی بات اگر کہے گھری
ہوتی ہے اُس کے فیض سے نزعِ ندکی ہری
شانِ خلیل ہوتی ہے اُس کے کلام سے عیا
کرتی ہے اُس کی قوم جب اپنا شعار اُڑی
اہلِ زمیں کو نعتِ زندگی دوام ہے
خونِ جلوت سے بیتِ پاتی ہے جو سخنوری

گلشنِ دہر میں اگر جوئے سے سخن نہ ہو
پھول نہ ہو مٹی نہ ہو سبز نہ ہو چمن نہ ہو

نویسہ

۱۹۱۲ء

آتی ہے مشرق سے جہنگِ در و دہن سحر
منزلِ مستی سے کرجاتی ہے خاموشی سحر
مغفلِ قدرت کا آخر ٹوٹ جاتا ہے سکوت
دیتی ہے ہر چیز اپنی زندگانی کا ثبوت
چھپاتے ہیں پرے پاکے پیغامِ حیات
باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرامِ حیات

مسلم خوابیدہ اٹھ رہا نہ آتا بھی ہو

دو چمک اُٹھا آفتاب، کریم تعاضا تو بھی ہو

وسعتِ عالم میں یہ پیماؤں کی آفتاب
دامنِ لڑکوں کا پیدا ہوں یہ اُغ سحاب

۲۲۰

بانگِ درا

۲۲۲

کھینچ کر خنجر کون کا پھر سو سر گرم ستیز
پھر کھاتا ریلی باطل کو اداس گمیز

تو سراپا نو ہے خوشتر ہے عریانی تجھے
اور غریاں ہو کے لازم ہے خود افشانی تجھے

ہاں نمایاں ہو کے برق دیدہ خفاش ہے

لے لے کون کون مکاں کے راز مضمر خفاش ہے

دعا

یارب اول سلم کو وہ زندہ تہمت دے
پھر ادوی فاراں کے ہر فتے کو چمک دے

محروم تماشا کو پھر دیدہ پسینا دے
بھٹکتے ہوئے انہو کو پھر سوتے حرم لے چل دے

پیدا دل بیاں میں پھر شورشیں محشر کر دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو

رفت میں مقاصد کو ہمہ دوشیں تریا کر دے
بے لوث محبت ہو بے باک صداقت ہو

جو قلب کو لڑائی جو روح کو تڑپا دے
پھر شوق تماشا کے پھر فوق تقاضا دے

دیھلتے جو کچھ میں اوروں کو بھی لھلا دے
اس شہر کے خوار کو پھر وسعت صحرا دے

اس محسوس خالی کو پھر شہا پہ لیل دے
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے

خود داری حاصل دے آزاد دے دریا دے
سینوں میں اجالہ دل صورت مینا دے

احساس غنایت کرا تا ہمارِ مصیبت کا
امروز کی سورش میں اندیشہ فردا کے

میں بیل نالاج میں ایک اضرے تختوں کا

تائیر کا سائل ہوں محتاج کٹو امانے!

عید پر شعر لکھنے کی فرمائش جس جواب میں

یہ شالامار میں اک برک زرو کستا تھا
نہ پاسبان کریں مجھ کو زائر ابنِ چین
ذرا سے پتے نے بیتاب کر دیا دل کو
خزاں میں مجھ کو نہ لاتی ہے فیصلہ نہا
اجاز ہو گئے عہدِ کُنن کے میخانے
کیا وہ موسیٰ کل جس کا راز دار ہوں میں
انہی کی شلخِ نشمین کی یادگار ہوں میں
چمن میں آگے سرِ باغِ نسیم بہار ہوں میں
خوشی ہو عید کی لہو لہر لہو لہو لہو لہو میں
گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

پیامِ شرمسرت ہیں سناتے

پہلا عید ہماری سنسی اڑاتا ہے



فاطمہ بنت عبد اللہ

عرب لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کی پانی پلائی ہوئی شہید ہوئی

۱۹۱۲ء

فاطمہ! تو آج روتے آنتے مر رہی ہے
یہ سعادت جو صحرائی تری قسمت میں تھی
وژہ ذرہ تیری مشتِ خال کا معصوم ہے
غازیانِ دیں کی سحالی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپہر
چہ جہارتِ آفریں شوقِ شہادت کس قدر
یہ جلی بھی اس گھمسانِ خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی ماریب اپنی خالستر میں تھی!

اپنے صحرا میں بہت اٹھو ابھی پوشیدہ ہیں

بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی ابیدہ ہیں!

فاطمہ! کوششِ افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے
قص تیری خال کا کتنا شاد انگیز ہے
نغمہ عشرت بھی اپنے مالہ ماتم میں ہے
وژہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
پل پر ہے ایک قوم تازہ اس انجوش میں
آفرینش دکھتا ہوں ان کی اس مرقعے میں
بے خبر ہوں چپان کی سبب مقصد کے میں
ہے کوئی سنگ تیری بہت خاموش میں

تازہ بخم فضا اسماں میں جلو
دید انسان کے محکم کجی کی موج نور

جو ابھی ابھی سے ظلمت خانہ آیام سے
جن کی غمناک شنا ہے قید صبح و شام سے

جن کی تابانی میں انداز نہیں بھی تو بھی ہے

اور یہ کہ کتبت سیر کا پرتو بھی ہے

شبنم اور ستارے

اک ات یہ کہنے لگے شبنم سے ستارے
ہر صبح نئے تہجد کو میسر ہیں نظارے

کیا جانے تو کتنے جہاں دیکھ چکی ہے
جو بن کے مٹے اُن کے نشان دیکھ چکی ہے

زہر نے سُنی ہے یہ خبر ایک ملک سے
انسانوں کی بستی ہے بہت دور فلک سے

کہ ہم سے بھی اُس کشور پوش کا فناء

گاتا ہے سحر جس کی محبت کا ترانہ

اے تار و نہ چھو چھوستان جہاں کی
گلشن نہیں اک بستی ہے وہ آہ و فغاں کی

اتنی چھبواں سچکٹ جانے کی خاطر
بے چاری کھلی کھلتی ہے مڑھانے کی خاطر

کیا تم سے کہوں کیا چین غم سوز گلی ہے
تھکا سا کوئی شعلہ بے سوز گلی ہے

گل نالہ بیل کی صدا سن نہیں سکتا
 ہیں مرغ نواز ریز گرفت از غضب ہے
 رہتی ہے سدا نرگس بیار کی تر آئینہ
 دل سوختہ گرمی سرایت ہے ششاد
 تارے شر آہ ہیں اس کی زبان میں
 نادانی ہے یہ لہر و زمین طوف قمر کا
 وہن سے مے موتیوں کو چن نہیں سکتا
 اکتے ہیں تیرے سایہ گل خار غضب ہے
 دل طالب نیت روئے محروم نظر آئینہ
 زندانی ہے اور نام کو آزاد ہے ششاد
 میں لڑتے لڑو جوں گلستاں کی زبان میں
 سمجھا ہے کہ دریاں ہے وہاں داغ جلر کا

بنیاد ہے کاشانہ عالم کی ہوا پر
 فرماؤ کی تصویر ہے قرطاس فضا پر

محاصرہ اور نہ

یورپ میں جس لٹری حق و باطل کی چھڑکتی
 کرو صلیب لڑو تیر حلقہ زن ہوتی
 مسلم سپاہیوں کے ذخیرے ہوتے تمام
 آخر مہر عسکر ترکی کے حکم سے
 حق خنجر آزمائی پہ مجبور ہو گیا
 شکری حصہ دار ورنہ میں محصور ہو گیا
 زونے امید آئینہ سے ستور ہو گیا
 آئین جنگ شہر کا دستور ہو گیا

ہر شے ہوتی خوشیہ لکھ میں منتقل
 لیکن فقیر شہر نے جس دم سنی یہ بات
 شاہیں گدا سے دانہ غصہ شور ہو گیا
 کر ماکے مثل صاعقتہ طور ہو گیا
 فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا
 چھوٹی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج
 سلم خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا

غلام قادر رحمہ اللہ

نہ یہ کہ قدر نام جناح، کینہ پرورتھا
 دیا اہل حرم کو قص کا فرماں ستم کرنے
 نکالیں شاہ تیموری کی آنکھیں نول خجے
 یہ انداز ستم کچھ کم نہ تھا آتما محشر سے
 شہنشاہی حرم کی نازنیاں سمن سے
 نہاں تھا حسن جن کا چشم مہر ماہ اختر سے
 رواں دریائے خون شہزادیوں کے دھڑکتے
 کیا کھبر کے پھر آواز سر کو بارہنہ شہر سے
 سبق آموز تابانی ہوں انجم جس کے جہر سے
 نہ یہ کہ قدر نام جناح، کینہ پرورتھا
 دیا اہل حرم کو قص کا فرماں ستم کرنے
 بھلا سیل اس فرمان غیرت کش کی ممکن تھی
 بنایا آہ بسا مان طرب بیدار نے ان کو
 رزتے تھے دل نازک قدم مجبور خنیش تھے
 یونہی کچھ دیر تک جو نظر آنکھیں ہیں اس کی
 کمرے اٹھ کے تیج جاں آستان آتش فشاں لھولی

۲۳۶
 مانگ سے در
 ۲۳۰

رکھا خنجر کو آگے اور پسہ کچھ سوچ کر لیٹا
 بجائے خواب کے پانی نے اگلے اس کی آنکھوں کے
 پھر اٹھا اور تیموری حرم سے یوں لگا کہنے
 مرا منہ پر سو جانا بناوٹ تھی، تکلف تھا
 یہ مقصد تھا مرا اس سے کوئی تیمورانی بیٹی
 مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے میرے خنجر سے

بکریہ از آخر کھل کیا سارے زمانے پر
 حیت نام ہے جس کا گنتی تیمور کے گھر سے

ایک مکالمہ

اک مرغ سرانے یہ کہا مرغ ہوا سے
 گو تو ہے ہوا کیسے تو رہوں میں بھی ہوا کی
 پرواز خصوصیت ہر صاحب پر ہے
 مجروح حقیقت ہے ہوتی مرغ ہوا کی
 کچھ شک نہیں پرواز میں آزاد ہے تو بھی
 پرواز اگر تو ہے تو کیا میں نہیں پرواز
 ازاد اگر تو ہے نہیں میں بھی گرفتار
 کیوں رہتے ہیں مرغستان ہوا مائل بندار؟
 یوں کہنے لگا سن کے یہ لغتار دل آزاد
 حد ہے تری پرواز کی لیکن سر پرواز

واقف نہیں تو بہت مرغبان ہوا سے تو خال شہین انھیں فُوس سے سڑکار

تو مرغ سرائی خوش از خال بکھڑائی

ماور صمد و دانہ بہ نجم سودہ منتار

میں اور تو

مذاق وید سے نا آشنا نظر ہے مری تری نگاہ ہے فطرت کی راز و ان پھر کیا

رہین شکوہ آیام ہے زبان مری تری مراد پہ ہے دور آسمان پھر کیا

رکھا مجھے مہین آوارہ مثل موج نسیم عطا فلک نے کیا تجھ کو آسماں پھر کیا

فزون ہے سود سے سرمایہ حیات ترا مرے نصیب میں ہے کاوش زبان پھر کیا

ہوا میں تیرے پھرتے ہیں تیرے طیار مرا جہان ہے محرم بادبان پھر کیا

قوی شدیم چشما تو ان شدیم چہ

چنین شدیم چشما چنان شدیم چہ

بہیج کو نہ دریں ہستیاں قرار ست

تو لہر بہار شدی ماغزاں شدیم چہ

۲۲۸
ماگ سے در
۲۳۲

تضمین بر شعر ابو طالب کلیم

خوب ہے تجھ کو شعار صاحب شربت کا پس
کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں
جس سے تیرے حلقہ غلام میں گم ہوں تھا اسیر
اے سلیمان! تیری غفلت نے لٹوایا وہ نکمیں
وہ نشانِ سجدہ جو روشن تھا کولب کی طرح
ہو گئی ہے اُس سے اب آتشِ تیر جہیں
دیکھ تو اپنا عمل، تجھ کو نظر آتی ہے کیا
وہ صداقت جس کی بے باکی تھی حیرت آفریں
تیرے آبا کی نگاہیں تھی جس کے واسطے
خافل اپنے اشیاء کے پھر آباد کر
ہے وہی بطل تھے کاشانہ دل میں مکھیں
نغمہ زن ہے مگر حسنی پر کلیم نکلتے ہیں

”سرکشی باہر کہ کردی ام او بایہ شدن
شعلہ ساں از ہر کجا برخاستی آئینہ شین“



شبلی حلی

مسلم سے ایک روز یہ قہال نے کہا
 تیرے سر و فرستہ کے نفع سے علوم نو
 پتھر ہے اس کے واسطے سونج نسیم بھی
 مردان کا روضہ خوند کے اسباب عادت
 پوچھ ان سے جو چین کے ہیں دیرینہ ازوا
 مسلم کے کلام سے بے تاب ہو گیا
 کہنے لگا کہ دیکھ تو کیفیت خستہ
 خاموش ہو گئے چمنستان کے ازوا
 شبلی کو روئے ہے تھے ابھی اہل کلبستان
 دیوان جزو کل میں تھے سیرا وجود فرد
 تہذیب تیرے وقت افلاک نے گھن کی گرد
 نازل بہت ہے آئندہ ازوتے مرد
 کرتے ہیں چارہ شتم چرخ لا جورد
 کیونکر ہوئی خزاں تیرے گلشن کے ہم نبرد
 غماز ہو گئی عنہم پنہاں کی اوہ سرد
 اوراق ہو گئے شجرہ زندگی کے زرد
 سڑا یہ لہ از تھی جن کی نوائے درد
 حالی بھی ہو گیا سوتے فردوس نور

”الکون کراد ملغ کہ پیرد ز باغباں
 بیل چغت وکل چشنید و صبا چ کرد“

۲۵۰

باقی ہے

۲۳۲

ارتقا

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
 حیات شعلہ مزاج و غیور و شور و خمیز
 سکوتِ شام سے تا غم سے سحر کا ہی
 کشاکشِ نرم و گرم، تپ و ترش و خروش
 مقامِ بہت و بہت و فشار و سوز و کشید
 اسی کشاکشِ رحیم سے زندہ ہیں اقوام
 چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی
 سرشتِ اس کی ہے شکل کشی، جفا طلبی
 ہزارِ حرد ہائے فغانِ نیم شبی
 زخاںِ تریہ و زوڑوں تا بہ شیشہِ حلبی
 میانِ قلعہ و قنیان و آتشِ عنبری
 یہی ہے از تب و تابِ ملتِ عربی

”معاں کہ دانہ انجور آب می سازند

ستارہ می شکفتند آفتاب می سازند“



صدیق

اک دن رسول پاکؐ نے اصحاب کے کہا
 ارشاد من کے فرط طرب سے عمر اٹھے
 دل میں کہہ رہے تھے کہ صدیقؑ غصے فر
 لاتے غرضکہ مال رسول امین کے پاس
 پوچھا حضورؐ فر عالم نے اے عمر!
 زکما ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
 دس مال راہ حق میں جہوں تم میں مال دار
 اُس روز ان کے پاس تھے درہم کتنی ہزار
 بٹھ کر کھائے آج وقت دم میرا راہوار
 ایشار کی ہے دست نگر ابتدا سے کار
 اے وہ کہ جوش حق سے تڑپے دل کو ہے قرار
 مسلم ہے اپنے خویش اقارب کا حق لڑا

کی عرض نصف مال ہے فرزند زن کا حق

باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار

اتنے میں وہ رسیق نبوت بھی آگیا
 لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد و فاسرشت
 ملک مبین درہم و دینار و خست و جنس
 بولے حضورؐ چاہیے منکر عیال بھی
 جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوا
 ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
 اس پر قسم و شت و تروت طر و حمار
 کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار

۲۵۲

باقی ہے

۲۳۶

اے تجھ سے دیدہ مرہ و انجم فروغ گیر! اے تیری فاست باعث تکوین و زکا!

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

تہذیب حاضر

تضمین برشم فاضلی

حرارت ہے ہلاکی باوہ تہذیب حاضر میں
کیا کرتے کو جھنڈے کے تاب ستار اس نے
نئے انداز پاتے نوجوانوں کی طبیعت نے
تغیر آگیا ایسا تہذیب میں تختہ میں
کیا کم تازہ پروازوں نے اپنا آشیانہ لکھیں
حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
فروغ شمع نو سے بزمِ مسلم جگمگا اٹھی
”تو اے پروانہ! اس خمی شمع محفلے اری“

بھڑک اٹھا بھوکا بن کے مسلم کا ترخانا
کوئی دیکھے تو شوخی آفتاب جلوہ فرما کی
یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی
ہنس سی سمجھی لٹی فٹن میں غنچوں کی جگر چالی
مناظرہ لکٹا لکٹا اٹھلا گئی ساحر کی چالاکی
رقابت، خود فراموشی، ناشکیبائی، ہونکا
گرگہراتی ہے پروانوں سے میری کہنہ اور کی
چومیں آتش خود سو اگر سوئے داری“

والد مرحومہ کی یاد میں

ڈرہ ڈرہ دھڑکا کا زندانی تقدیر ہے
پردہ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجبور ہے، شمس و ستارے مجبور ہیں
انجم سیلابِ پادشاہ پر مجبور ہیں
جس شکتِ انجامِ غنچے کا سب گھزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نہ گھزار میں
نفسِ بھلیل ہو یا آوازِ خاموشیِ ضمیر
ہے اسی زنجیرِ عالم گیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سترِ مجبوری عیاں
خشب ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیلِ رواں

۲۵۲
باقی ہے
۲۳۸

قلبِ انسانی میں رقصِ عیش و غم رہتا نہیں
 نغمہ رہ جاتا ہے، لطفِ زیر و بم رہتا نہیں
 علم و حکمت رہنِ سامانِ اشک و آہ ہے
 یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
 گرچہ میرے باغ میں شبِ نیم کی شادابی نہیں
 آنکھ میری مایہ دارِ اشکِ عجبابی نہیں
 جانستاپوں آہ، میں آلامِ انسانی کا راز
 ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
 میرے لب پر قصہٴ نسیمِ زلی و دراں نہیں
 دلِ مرا حیراں نہیں، خداں نہیں، گریاں نہیں
 پر تری تصویرِ قاصدِ گریہٴ پیہم کی ہے
 آہ! یہ تردیدِ میری حکمتِ محکم کی ہے
 گریہٴ سرشار سے بنیادِ جاں پائندہ ہے
 درد کے عرفاں سے عقلِ سنگدلِ شرمندہ ہے

موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
 گنج آب اور دے سے سور ہے دامن مرا
 حیرتی چوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
 رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
 رفتہ و حاضر کو گویا پاپا اس نے کیا
 عہد طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
 جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتواں
 بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں
 اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
 بے بہا موتی ہیں جس کی چشم کو ہر بار کے
 علم کی سنجیدہ گفتاری، بڑھاپے کا شعور
 دنیوی اعزاز کی شوکت، جوانی کا غرور
 زندگی کی آوج کاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
 صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم

بے تکلف خندہ زن ہیں، فکر سے آزاد ہیں
 پھر اُسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
 کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار
 کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
 خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ مندر یاد آؤں گا
 اب دُعا تے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
 تربیت سے تیری میں انجسم کا ہم قسمت ہوا
 گھر برے اجساد کا سرمایہ عزت ہوا
 دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
 تھی سدا پاؤں و دنیا کا سبق تیری حیات
 عمر بھر تیری محبت میری خدمت کر رہی
 میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
 وہ جواں، قامت میں ہے جو صورتِ سرو بلند
 تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہر مند

کار و بارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
 وہ محبت میں تری تصویر، وہ بازو مرا
 تجھ کو مثلِ طفلِ بے دست و پا روتا ہے وہ
 صبر سے نا آتشِ ناصبح و ساروتا ہے وہ
 شختم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بولتی
 شرکتِ غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی

آہ! یہ دنیا، یہ ماتمِ حنائیہ برنا و پیر
 آدمی ہے کس طلسمِ دوشِ فردا میں اسیر
 کتنی مشکلِ زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت
 گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیمِ ارزاں ہے موت
 زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، الام ہیں
 کیسی کیسی دُخستِ رانِ مادرِ ایام ہیں!
 کلبۂ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت
 دشت و درمیں، شہر میں، گلشن میں ویرانے میں موت

موت ہے منگامہ آراشِ لڑم خاموش میں

ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی اغوش میں

نئے مجالِ شکوہ ہے، نئے طاقتِ نفست ہے

زندگانی کیا ہے، الٹ طوقِ طوافِ سار ہے

قفلے میں غیرِ نیر و درِ اکچھ بھی نہیں

اک مستراحِ دیدہ ترکے سوا کچھ بھی نہیں

ختم ہو جاتے گا لیکن استحاں کا دور بھی

ہیں پس نہ پردہ کر دوں ابھی دور اور بھی

سینہ چاک اس گستاں میں لالہ و گل ہیں تو کیا

نالہ و سنہریاد پر مجبورِ بے بس ہیں تو کیا

جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزاں

سبز کر دے گی انھیں باورِ بہارِ جاو واپ

خفتہ خالِ پے پیر میں ہے شرارِ اپنا تو کیا

عارضی محفل ہے یہ مُشتِ غبارِ اپنا تو کیا

زندگی کی آگ کا انجم خام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مست تدر ہو یہ وہ کوہر نہیں

زندگی محبوب ایسی دیدہ شدت میں ہے
ذوقِ حقیقہ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات
عام یوں اس کو نہ کر دیتا لطفِ ام کا ثبات
ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہِ خافلِ موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائنداری سے عیاں کچھ اور ہے
جستِ نظارہ ہے نقشِ ہوا بالائے آب
سوجِ مضطر توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بیدروی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ

۲۶۰

بانگِ درا

۲۶۴

پھر نہ کر سکتی حباب اپنا ار پیدا ہوا
 توڑنے میں اُس کے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا
 اس روش کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
 یہ تو محبت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
 فطرت مستی شہیدِ آرزو رہتی نہ ہو
 خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
 آہ سیاب پریشاں، انجسمِ لڑووں فروز
 شوخ یہ چنکاریاں، ممنونِ شب ہے جن کا سوز
 عقل جس سر پر زانو ہے وہ دستِ ان کی ہے
 سرگزشتِ نوعِ انساں ایک ساعتِ ان کی ہے
 پھر یہ انساں اُس سوتے افلاک ہے جس کی نظر
 قدسیوں سے بھی ستارہ میں ہے جو پاکیزہ تر
 جو مثالِ شمع روشن محسنِ قدرت میں ہے
 اسماں ال نقطہ جس کی وسعتِ فطرت میں ہے

جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتا ہے
 جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مہضاب ہے
 شعلہ یہ کمر سے لڑوؤں کے شراروں سے بھی کیا
 کم مہا سے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
 انجمِ گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواہ ہے
 کس قدر نشوونما کے واسطے بے تاب ہے
 زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو ستور ہے
 خود سائی، خود نوائی کے لیے مجبور ہے
 سردیِ موت سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
 خال میں دب کر بھی اپنا سوز کھوسکتا نہیں
 پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
 موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
 ہے لمحہ اس قوتِ اشفتہ کی شیرازہ بند
 ڈالتی ہے لہر و لہر میں جو اپنی کسند

۲۶۲
 باقی ہے
 ۲۶۲

موت، تجسید مذاق زندگی کا نام ہے
 خواب کے پردے میں بیداری کا ال پیغام ہے
 خاکِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
 موت اس گلشن میں جزِ سنجیدہ پر کچھ نہیں
 کہتے ہیں اہل جہاں دروِ اجل ہے لا دوا
 زخمِ فرقت وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
 دل سحر، غم مرنے والوں کا جہاں آبا ہے
 حلقہٴ پنجبیر صبح و شام سے آزاد ہے
 وقت کے افسوں سے تھمتا مالہ ماتم نہیں
 وقت زحیم تیغِ فرقت کا کوئی مرہم نہیں
 سر پہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناہماں
 اشکِ پیہم دیدۂ انساں سے ہوتے ہیں رواں
 ربط ہو جاتا ہے دل کو مالہ و سنراو سے
 خونِ دل بہتا ہے آنکھوں کی سرشتِ آباد سے

آدمی تابِ شکیبائی سے کو محسوس ہے
 اس کی فطرت میں یہ آلِ احساسِ نامعلوم ہے
 جو ہر انسانِ عدم سے آشنا ہوتا نہیں
 آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
 رختِ ہستی خالِ عین کی شعلہ افشانی سے ہے
 سرورِ یہ آلِ اس لطیف احساس کے پانی کے ہے
 آہ، یہ ضبطِ فغاں غفلت کی حشا موشی نہیں
 آگہی ہے یہ دلِ آسانی، فنا موشی نہیں
 پردہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
 داغِ شب کا دامنِ آفاق سے دھوتی ہے صبح
 لالہ افسردہ کو آتشِ قب کا کرتی ہے یہ
 بے زباں طائر کو سرمستِ نوا کرتی ہے یہ
 سینہ بھیل کے زنداں سے سرودِ آواز ہے
 سیکڑوں نعشوں سے باوجود ہم آباد ہے

خُفتِ تَکَن لالہ زار و کوہسار و زوہار
 ہوتے ہیں آخر عروسِ زندگی سے ہمنار
 یہ اگر آئینِ بستی ہے کہ جو ہر شام صبح
 مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجِ صبح
 و امِ سیمینِ تخیل ہے مرا آفتابِ لیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درو آتشِ مہمور ہے
 جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا مہمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ کا ہیں اُس کی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات
 مختلف منہرِ نزلِ بستی کی رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلِ رشتِ اجل کے واسطے
 ساڈکارِ آب و ہوا تحنیمِ عمل کے واسطے

نورِ فطرتِ ظلمتِ پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلفتِ افکارِ انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
 مثلِ ایوانِ سحر مرقدِ شروازاں ہو ترا
 نور سے مسوریہ خالی شبستاں ہو ترا
 آسماں تیری لحد پر شبِ بنم افشانی کرے
 بسزۂ نور ستہ اس گھر کی نہیبانی کرے

شعاعِ افتاب

صبح جب میری نلکہ سودائی نظر آتی تھی
 آسماں پر اک شعاعِ آفتاب آوارہ تھی
 میں نے پوچھا اس کے آگے سرِ اُٹھاتا
 تیری جانِ ناشکیبا میں کے کیسا اضطراب
 تو کوئی چھوٹی سی جہلی کہ جس سے آسماں
 کر رہا ہے خرمِ اقوام کی خاطر جواں

یہ تڑپے یا ازل سے تیری خوشی کیا ہے یہ
رقص ہے آوارگی ہے جستجو ہے کیا ہے یہ

”خفتہ ہنگامے ہیں میری سستی خاموش ہیں
پروش پاتی ہے میں نے صبح کی آغوش میں
مضطرب پروم مری تقدیر لکھتی ہے مجھے
جستجو میں لذتِ تنویر لکھتی ہے مجھے
برقِ آتشِ خونہیں فطرت میں جاری ہوتی ہیں
مہرِ عالم تاب کا پیغام بیداری ہوتی ہیں
سُرمہ بن کر چشمِ انساں میں سماؤں کی یہ
راستی کے جو کچھ چھپا رکھا تھا دلِ خدا کی یہ

تیرے مستوں میں کوئی حیاتِ بشاری بھی ہے
سوئے الوں میں کسی کو ذوقِ بیداری بھی ہے

غرفی

محلِ ایسا کیا تعمیرِ سرفی کے تختِ نل نے
تصدق جس چہرے خائے سینا و فارابی
فضائے عشق پر تھر کی اُس نے نوا ایسی
میر جس کے ہر آنکھوں کو اب تک اشکِ غلابی
مرے دل کے اَل دُن اُس کی تڑپ کے شکایتی
نہیں ہنگامہ عالم میں اب سامانِ بیستانی
مزاجِ اہلِ عالم میں تنہی سے کیا ایسا
کہ رخصت ہو گئی دنیا کے کیفیت و سیابی

فغانِ نیم شب شاعر کی بارگوشِ جوتی ہے نہ ہوجبتِ چشمِ محفلِ آشنائے لطفِ بے خوابی
 کسی کا شعلہ فریادِ غمِ ظلمتِ بالینو کو کراں ہے شبِ ستونِ سجّہ کی آسمانِ تابی
 صد اُترتے آتی "شکوۃ اہل جہاں" کم کو نوارِ تلخِ ترمی زُن چو فوقِ غمِ کم یابی
 حُدیٰ آنیزِ ترمی خاں چو محلِ الراں مینی

ایک خط کے جواب میں

جونس بھی ہو تو نہیں مجھ میں بہت تکِ تا حصولِ جا ہے بستہ مذاقِ تلاش
 ہزار شکوہِ طبیعت ہے ریزہ کارِ مری ہزار شکوہ نہیں ہے دماغِ فتنہ تراش
 مے سخن سے لوں کی ہر لہریاں سرسبز جہاں میں ہوں میں مثالِ سحابِ یاباش
 پُغمد ہائے سیاست تجھے مبارک ہو کہ فیضِ عشق سے ناخن مرا ہے سینہ خراش
 ہوائے بزمِ سلاسیں دلیلِ مُردہ ولی کیا ہے حافظِ زنجیں نوائے رازی فاش

مگر تھو است کہ باخضرِ نیم نشین باشی
 نہاںِ چشمِ کھنڈرِ چو آبِ حیاں باشی



نانا

قوم نے سپیناں کو تم کی ذرا پڑاندگی
 آہ اب قسمت ہے آواز حق سے خبر
 اشکار اس نے لیا جو زندگی کا راز تھا
 شمع حق ہے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 آہ اشودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 برہمن سرشک ہے اب تک مہرے پندار میں
 بت لہو پھر بعد بت کے مگر روشن ہوا
 قدر پہچانی نہ اپنے کو ہر ایک اندگی
 غافل اپنے محل کی شیرینی سے ہوتا ہے شہر
 ہند کو لیکن خیالی فلسفے پر ناز تھا
 بارش حیرت جوتی لیکن زمین قابل نہ تھی
 درد انسانیت سے اس بستی کا دل بگناہ ہے
 شمع کو تم جل رہی ہے محفل غبار میں
 نور ابراہیم سے اندک کھر روشن ہوا

پھر اٹھی آخر صد اوحید کی پنجاب سے
 ہند کو ال مرد کامل نے جکایا خواب سے



کفر و اسلام

تضمین بر شعر سیرت رضی دانش

ایک دن اقبال نے پوچھا کلیم طوے
 آتش فرو ہے اب تک جہاں میں شعلہ یز
 تھا جواب صاحب مینا کہ سلم ہے اگر
 ذوق ملک ہے تو پھر لازم ہے ایسا بن سیر
 ہے اگر دیوانہ غائب تو کچھ پڑا نہ کر
 عارضی ہے شان حاضر بطوت غائب مدام
 شعلہ فرو ہے روشن زمانے میں تو کب
 نور ماچوں آتش سنگ از نظر نہیاں جوشست

اے کہ تیرے نقش پا سے اومی سینا چمن
 ہو گیا آنکھوں کے پنہاں کیوں تر اسوہ کلمن
 چھو کر غائب کو تو حاضر کا شیدائی نہ بن
 ورنہ خاستر ہے تیری ندی کا پیہ بن
 منظرہ اومی فن سراں میں ہو کر خیمہ زن
 اس وقت کو محبت سے ہے بھڑ جان و تن
 ”شمع خود رami کہ از دہر بیخ بن
 نور ماچوں آتش سنگ از نظر نہیاں جوشست“



۲۴۰
 بانگ درا
 ۲۵۲

بدل

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے
 اہل قلم میں جس کا بہت احترام تھا
 جولاں کہ کسند رومی تھا ایشیا
 لڑوں سے بھی طبعاً اس کا مقام تھا
 تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے
 دعویٰ کیا جو پس وارانے جنت تھا
 دنیا کے اس شہنشاہ انجم سپاہ کو
 حیرت کے دیکھنا غلابِ سیل فام تھا
 آج ایشیا میں کس کوئی جانتا نہیں

تاریخ دان بھی اسے پہچانتا نہیں

لیکن بدل، وہ حبشی زوہ چستیر
 فطرت تھی جس کی نوز بہت سے مستنیر
 جس کا امین ازل سے ہوا سینہ بدل
 محکوم اس صدا کے ہر شاہنشاہ فقیر
 ہوتا ہے جس کے اسودہ جسم میں اختلاط
 کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوتے ہیر
 ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر لدا
 صدیوں سے سن رہے ہیں جسے خوش چرخ ہیر

اقبال اس کے عشق کا فیض عام ہے

زومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

مسلمان اور تسلیم چڈ

تضمین بر شاعر ملک قمری

مرشد کی یہ تسلیم تھی اے تسلیم شوریہ
بدلی زلمے کی ہوا، ایسا نیست کر گیا
وہ شعلہ روشن تر غلٹ کر ریزاں جس سے تھی
شیدائی غائب نہ رہا، دیوانہ ہو جو
ممکن نہیں اس مانع میں کوشش ہو بار آور تری
اس دور میں تسلیم ہے امراض ملت کی وا
رہبر کے ایسا سے ہوا تعلیم کا سو واجب
یکین جا بگست رہیں دیکھے زبون بختی مری
لازم ہے ہر کس کے لیے دنیا میں سامان سفر
تھے جو دران قیمت کبھی اب میں ستار کس مخز
گھٹ کر ہوا مثل شہر تاسے سے بھی کم نور تر
غالب ہے اب اقوام پر موجود حاضر کا اثر
فرسودہ ہے پھندا ترا، زیرک ہے مرغ تیز چڑ
ہے خونِ فاس کے لیے تعلیم شش مشیر
واجب ہے صحیح اگر رو پر تعمیل فرمانِ خضر
”رفتم کہ خار از پاشتم، محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل شتم و صد سالہ اسلم و رشد“



۲۷۲

بانگ درا

۲۵۶

پھولوں کی شہزادی

کھلی سے لہہ سی تھی ایک دشنم فستان میں
رہی میں ایک مدت غنچے پائے باغِ حنوان میں
تھکے فستان کیفیت سرشار ہے ایسی
نکدہ فرو بس اسمن ہے میری چشم حیران میں
سند ہے کوئی شہزادی ہے حاکم اس فستان کی
کہ جس کے نقش پایے پھول جون بیدار ہیں
کبھی ساتھ اپنے اس کے اتان تک مجھ کو لے چل
چھپا کر اپنے دہن میں رنگِ موجِ نو لے چل

کھلی بولی سر آریا ہماری ہے وہ شہزادی
دخشاں جس کی ٹھوکر سے چرخِ شمع بھی گھس جی
مگر فطرت ترمی اُفتندہ اور سیم کی شانِ اونچی
نہیں ممکن کہ تو پہنچے ہماری ہم شیشیں جی
پہنچ سکتی ہے تو لیکن ہماری شہزادی تک
کسی کو درو کے کئے کا اشکِ شیشیں جی
نظر اس کی پیامِ عید ہے اہلِ محترم کو
بنادیتی ہے کو ہر غمِ نوں کے اشکِ سیم کو

تضمین بر شعر صائب

کہاں اقبال تونے بنایا اشیاں اپنا
نوا اس باغ میں بسل کو ہے سامانِ سوائی

شرانے ادبی امین کے توبہ توبہ ہے لیکن
 کل زور نفس سے بھی ہاں مل سونہیں سکتی
 قیامت ہے کہ فطرت سولتی اہل فطرت کی
 دل کاہ جب ابید ہو جاتے ہیں سینوں میں
 نہیں ضبط نہ ممکن تو اڑ جا اس فطرت سے
 کہ اس محفل سے خوشتر ہے کسی صحرائی تنہائی
 نہ ہے بیدار دل پیری نہ ہمت خواہ برنائی
 نوالہ کے لیے زہر اب ہوتی ہے شکر خانی
 کہ اس محفل سے خوشتر ہے کسی صحرائی تنہائی

”ہماں بہتر کیسی دریا بیاں جلوہ گر باشد

نذر ونگناے شہر تاب حسن صحرائی“

فردوس میں ایک مکالمہ

ہاتھ لے لہا مجھ سے کہ فردوس میں الٰہ وز
 اے آنکہ زور نہر نہر نہر فطرت تاب
 کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر
 مذہب کی حرارت بھی ہے لچھے اس کی لوت میں
 باتوں سے ہوا شیخ کی حالی ست اثر
 حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز
 دامن بہ چراغ مہر خستہ زوہ امی باز
 واماندہ منزل ہے کہ صرف تک و تاز
 تمہی جس کی فلک سے زل بھی لرمی آواز
 رو رو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز

۲۷۴

باقی ہے در

۲۵۸

جب پیر فلک نے ورق ایام کا اسٹ
 آیا ہے مگر اس کے عقیدوں میں تزلزل
 ہیں جو تو معتصد میں بھی پیدا ہو چکی
 مذہب کے کیم سنگی اسرا ہے باقی
 بنیاد لرز جاتے جو دیوار چسپ من کی
 پانی نہ ملازم زم زم تلے جو اس کو
 یہ ذکر حضور پر شربت میں نہ کرنا
 اتنی یہ صہدا پاؤں کے تعلیم سے اسرار
 دنیا تو ملی ہٹا کر دین لکھیا پر از
 فطرت ہے جانوں کی زمین کس نے زمین تاز
 دین خمس ہے جمعیت تلے ہے الرسا
 ظاہر ہے کہ انجاء مہم طساں کا ہے آغاز
 پیدا ہیں نئی نوو میں الحاد کے انداز
 سمجھیں نہ کہیں منہ کے سلم مجھے نماز

خرماتواں یافت ازاں خار کہ شتیم
 دیبا متواں یافت ازاں چشم کہ شتیم
 (سعدی)

مذہب

تضمین بر شعریز ابیدل

تعلیم پیر فلسفہ مغربی ہے یہ
 پیدا نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا
 ناداں ہیں جن کو ہستی غائب کی ہے تلاش
 ہے شیخ بھی مثال برہمن صنم تراش

محوس پر پناہ عسوم جد کی
 اس فور میں ہے شیشہ عتاد کا پاش پاش
 مذہب سے جس کا نام وہ ہے ال جنون خام
 جسے جس آدمی کے تختہ سیل کو انتقام
 کہتا ملک ہے فلسفہ زندگی لچھ اور
 مجھ پر کیا یہ مرشد کامل نے راز فاش

”باہر کمال اند کے اشفتگی خوش است
 ہر چہ عقل کل شدہ امی بے جنوں مہاش“

جناب یرمول کا ایک واقعہ

صفت تھی عرب کے جوان تنغ بند
 تھی منتظ جن کی عروس بن زمین شام
 اک نوجوان صورت سیاب مضطرب
 اگر ہوا ایسا عساکر سے ہم کلام
 اے بوجہ یہ رخصت پیکار سے مجھے
 لبریز ہو گیا مرے صبر و سکون کا جام
 بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول میں
 اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
 جاتا ہوں میں حضور رسالت پناہ میں
 لے جاؤں گا خوشی سے الر سو کوئی پیام
 یہ ذوق و شوق دیکھ لے پر غم ہوئی وہ آنکھ
 جس کی نگاہ تھی صفت تیغ بے نیام
 بولا ایسا رنج کہ ”وہ نوجوان ہے تو
 پیروں یہ تیرے عشق کا واجب ہے احرام

۲۶۶
 بانگ درا
 ۲۶۰

پوری کرے خدائے مستد تری مراد کتابت تیری محبت کا ہے مقام
پہنچے جو بارگاہ رسول امیں میں تو کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام

ہم پر کرم الیک خدائے غیور نے
پوئے پوئے جو وعدے کیے تھے حضور نے

مذہب

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب کے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
اُن کی جمیعت کا ہے ملک و نسب پر انحصار قوتِ مذہب سے حکم ہے جمیعت تری
واسن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمیعت کہاں
اور جمیعت ہوئی رخصت تو ملت بھی لئی

پیوستہ شخص سے ایمید بہار رکھ

ڈالی کئی جو فصل خزاں میں شجر سے ٹوٹ ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے
ہے لازوال عمدہ خزاں انس کے واسطے کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برل با سے

ہے تیرے گھٹاں میں بھی فصل خزاں کا دور
 خالی ہے جیب گُل زر کا مل عیب سے
 جو نعمت زن تھے خلوتِ اوراق میں طیور
 رخصت ہوئے تھے شجر سایہ دار سے
 شلخِ بربیدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو
 نا آشنا ہے فتاعدہ روزگار سے
 رقت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
 پیوستہ رہ شجر سے امید بہار کا

شب معراج

اخترِ شام کی آتی ہے فلک سے آواز
 سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
 رویکِ گام ہے بہتے گئے لیے عرشِ بریا
 کہہ رہی ہے یہ سلسلہ ان سے معراج کی رات

پھول

تجھے کیوں فکر ہے اگلے گلِ دلِ صفا کی
 تو اپنے پیرِ سن کے چاک تو پسے ہو کرے
 تنہا ابروی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
 تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کرے
 صنوبرِ باغ میں آزاد بھی ہے پایہ گل بھی ہے
 انھی پابندیوں میں حاصلِ آزادی کو تو کرے

تنگ بخشی کو ہتھکڑی سے پیغامِ حیات دے
نہیں یہ شانِ خود ارئی چمن سے توڑ کر تجھ کو
نہ رہت گشتِ شبنمِ بکلوں عام و سب کو لرے
کوئی ستار میں لکھے کوئی زیبِ گل کو لرے
چمنِ غنچہ پہل سے یہ کہہ کر لڑائی شبنم
مذاقِ جوڑھ چین ہو تو سپیدارنگ کو لرے
اگر منظور ہو تجھ کو خسراںِ ایشنا رہنا
جہانِ رنگ بوئے پہلے قطعِ آرزو کو لرے

اسی میں دیکھ بھڑکے جمالِ زمینی تیرا
جو تجھ کو زینتِ اسن کوئی آئینہ نہ کو لرے

شکایتیں

شفیق صبح کو دریا کا خرام آئینہ
برلِ گل آئینہ عارضِ زیبے بہا
نغمہ شام کو خاموشی شام آئینہ
شاہدے کے لیے جملہ جام آئینہ
حسن آئینہ حق اور دل آئینہ حُسن
دلِ انساں کو ترا حُسنِ کلام آئینہ

ہے تیرے فکرِ فلک سے کہاں ہستی
کیا تیری فطرتِ روشن تھی کہاں ہستی

تجھ کو جب یہ دیدار طلب نے ڈھونڈا
تاخِ رشید میں رشید کو پہنا دیکھا

چشمِ عالم سے تو ہستی رہی ستوری
اور عالم کو تری آنکھ نے غریاں دیکھا

خطِ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا

رازِ واں بھرنے لڑکے کی کوئی پیدا ایسا

میں اور تو

یہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا

میں نوائے سوختہ درختوں تو پریدہ رنگ رسیدوں

مرا عیشِ غم مرا شہدِ غم مری بودیم نفسِ عدم

وہم زندگی ہم زندگی جسمِ نہ کی جسمِ زندگی

ترنہِ خال میں ہے اگر شر تو خیال فقر و غنا نہ کر

کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے اپنے حرمِ بہتا

گلد جھانے و فانا کہ حرم کو اہل حرم سے ہے

یہ تیزہ کا وہاں تہی نہ حرفِ پیچیدگی نئے

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ لکھتے ہیں منتظرِ کرم

میں ملکِ جاوے سامری تو قتلِ شوقِ ازری

میں حکایتِ جسمِ آرزو تو حدیثِ قائمِ لہری

ترا دل حرمِ لرزِ جسمِ ترا دینِ سیرۃِ کافی

غمِ غم نہ کہ جسمِ غم نہ لکھا یہی ہے شانِ قلندری

کہ جہاں میں ناں شعیر ہے ارقوتِ حمیدی

کہ تیرے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی شربتِ سمندی

کسی بیکے میں کیا کروں تو کہ جسمِ بھی نہیں

وہی فطرتِ اسدِ القہر وہی مری وہی عہدِ مری

وہ لکھتے تو نے عطا کیا ہے جنہیں مانعِ کندی

اسیری

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بند
قطرہ نیساں ہے ندان صدف کے ارجمند
نیشک اؤ فر چیز کیا ہے اک لہو کی بوند ہے
نیشک بن جاتی ہے ہو کر نافہ آنہو میں بند
ہر سی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس کے بہر مند

”شہرِ زراغ و زغن بند قید و صید نیست
اس سعادت قسمت شہباز و شاہیں کو داند“

درِ نوزہ خلافت

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جاتے
تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے الٹی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو کدائی
خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے
مسلمان کو ہے نیشک وہ پاوشائی

”مرا از شکستن چنان عار ناید
کہ از دلیراں خواستن مومیائی“

ہمایوں (مشر بس شاہ دین مرحوم)

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی تیری چنگاری چہ درخ انجمن افروز تھی
 کرچہ تھا تیرا ترن جنت کی نزار و درہند تھی ستارے کی طرح روشن تھی طبع بلند
 کس قدر بے بال دل اس ناتواں پیکر میں تھا شعلہ کز دہن نور واکِ نشتِ خاستہ میں تھا
 موت کی لکین دل و انا کو کچھ پروا نہیں شب کی خاموشی میں مجز منکارتہ فروا نہیں

موت کو سمجھے ہیں غافل خستہ نامِ زندگی
 ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی



خنجرِ راہ

شاعر

ساحلِ دریا پہ میں اک راست تھا منظر
کوشہٴ دل میں چھپاتے اک جہانِ مضطرب
شبِ سکوتِ سنرا، ہوا آلودہ، دریا نرم شیر
تھی نظیر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویرِ آب
جیسے لہوارے میں سو جاتا ہے طفلِ شیر خوار
سوج مضطرب تھی کہیں لہراتیوں میں مستِ خواب

رات کے افقوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
 انجم کلم ضو گرفتار طلسم ہا ہتاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیاب جہاں سبیا خضر
 جس کی پیری میں ہے مانسہ سحر زنگ شباب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاے اسرار ازل
 چشم دل واپو تو ہے تحت دیر عالم بے حجاب
 دل میں یہ سن کر بپا ہوا سنگا مہ محشر ہوا
 میں شہید جستجو تھا، یوں سخن ستر ہوا
 اے تری چشم جہاں ہیں پر وہ طوفان آشکار
 جن کے ہنکامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
 کشتی مسکین، و جان پال، و دیوارِ ستیم
 علم موسیقی بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش
 چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحرا نور
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش

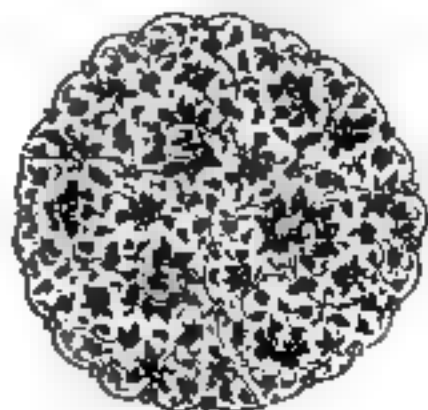
۲۸۴

ہفت روزہ

۲۶۸

زندگی کا راز کیا ہے، سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خر و ش
 ہو رہا ہے ایشیا کا حشر قہر ویرانہ چاک
 نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیرایہ پوش
 گرچہ اسقدر رہا محروم آپ زندگی
 فطرت اسقدر ہی اب تک ہے گرم ناؤ نوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
 خال و خوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

اگل ہے، اولاد ابراہیم ہے نرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے!



جوابِ خضر

صحرا نوردی

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے
یہ تگاپوتے و مادوم زندگی کی ہے دلیل
اے رہینِ حسانہ تُو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گو نہ جنتی ہے جب فضلتِ دشت میں بانگِ حیل
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا حنہ رام
وہ حشرِ بے برل و سماں وہ سفرِ بے سنگ و میل
وہ نمودِ اختِ سیلابِ پائے سنگِ گامِ صبح
یاں سیاں باہم کردوں سے جسے حسینِ حیرت
وہ سکوتِ شامِ حشرِ امیں غروبِ آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ ندیل

۲۸۶

بانگِ درا

۲۶۰

اور وہ پانی کے چشمے پر مستام کارواں
 اہل ایساں جس طرح جنت میں لکڑیوں کی
 تازہ ویرانے کی سوداے محبت کو تلاش
 اور آبادی میں ٹوڑ بھری کشت و خیل
 پختہ تر ہے گردش پیہم سے جاہم زندگی
 ہے یہی اسے بے خبر راز و وارم زندگی

زندگی

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
 ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
 تو اسے پیمانہ امروز و سنہ اسے نہ ناپ
 جاوہاں پیہم دواں ہر دم جاں ہے زندگی
 اپنی دنیا آپ پیدا کر الرزندوں میں ہے
 ستر آدم ہے، خمیر کن فکاں ہے زندگی

زندگانی کی حقیقت کو پہن کے دل سے پوچھ
 جوئے شیر تویشہ و سنبھڑاں ہے زندگی
 بندگی میں لکھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم اب
 اور آزادی میں بحسب بے کراں ہے زندگی
 آشکارا ہے یہ اپنی خوش تفسیر سے
 کرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
 قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حجاب
 اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
 پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زہار تو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکر خالی میں جاں پیدا کرے
 ٹھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
 اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

زندگی کی فُتبت پنہاں کو کروے آشکار
 تا یہ چٹکاری فُسرُغ جاوواں پیدا کرے
 خاکِ مشرق پر چمک جاتے مثالِ آفتاب
 تا بدخشاں پھر وہی عسلِ گراں پیدا کرے
 سوتے کروڑوں نالہ شبِ کبیر کا بھیجے سفیر
 رات کے تاروں میں اپنے رازواں پیدا کرے
 یہ کھڑی محشر کی ہے، تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر عتافل، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

ابستاؤں تجھ کو رمزِ آیتِ اِنِّ التَّائُونَ
 سلطنتِ اقوامِ غالب کی ہے ال جاوولری
 خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محسوسم الر
 پھر سلا دیتی ہے اُس کو حکمراں کی ساحری

جاوے محسوس کی تاثیر ہے چشم ایاں
 دیکھتی ہے علت کرون میں ساز دلبری
 خون اسہ ایل آجاتا ہے آئینہ جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی ٹوٹا ہوا طلسم سامری
 سرور ی زیبا فقط اس فضا میں ہے ہوتا ہے
 حکمراں ہے ال وہی باقی بہت ان ازری
 از عن لامی فطرت آزاد را رسوا کن
 تا تراشی خواجہ الے از برہمن کافر تری
 ہے وہی ساز کنن مغرب کا جمہوری نظام
 جس کے پردوں میں نہیں غیب سے نوائے قیصری
 دیو استبداد جمہوری قبای میں پائے کوب
 ٹوٹ جھٹکتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلیم پری
 مجلس امن و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

گرمی کُفتارِ اعضائے مجالسِ الاماں!
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنبِ زرِ گرمی
 اس سرمایہ دارِ نیک و نیکو کا رستیاں سمجھا ہے تُو
 اہلے نادان! قفسِ کو اشیاں سمجھا ہے تُو

سرمایہ و محنت

بندۂ مزدور کو جب کارِ مراپہ نام دے
 بنظرِ کارپین کیا ہے یہ پیامِ کائنات
 اے کہ تجھ کو کھا لیا سرمایہ دارِ حیدر
 شاخِ آہو پر رہی صدیوں ملکِ تیری برات
 دستِ دولتِ آفسریں کو مزدوریوں ملتی رہی
 اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
 ساحرِ الوط نے تجھ کو دیا برلِ شیش
 اور تُو اے بے خبر سمجھا اسے شاخِ نبات

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، زندگی
 خواجہ اہلی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
 لٹ مرائے اداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
 شکر کی لذت میں تو لٹوا لیا نعتِ حیات
 مگر کی چپالوں سے بازی لے لیا سرمایہ دار
 انتہائے سادگی سے لٹا لیا مزدور مات
 اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمتِ عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ سراں غافل تھے دامن میں شبنم کب تک
 نعمتِ بیداری جمہور ہے سامانِ عیش
 قصہ خواب اور اسکندر و جم کب تک
 افتابِ تازہ پیدا بطنِ لیتی سے ہوا
 آسماں! ڈوبے ہوتے تاروں کا نام کب تک

توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام
 دُورِ ہی جنت سے روتی چشمِ اوم کب تک
 باغبانِ چارہ منہ سے یہ کہتی ہے بہا
 و حنیم گل کے واسطے تدبیرِ مریم کب تک
 کر کمالِ نواں اطلوافِ شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تحتلی زار میں آباد ہو

دُنیا سے اسلام

کیا سناتا ہے مجھے شرک و رب کی استاں
 مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و سناں
 لئے تیشِ کُفر کے فرزند میراثِ خلیل
 خشتِ بنیادِ کلیسا بن لیتی خالِ حجاز
 ہو گئی رُسوا زمانے میں کلاہِ لالہ زناں
 جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبورِ نیاز

لے رہا ہے مے فروشانِ فرنگستان سے پارس
 وہ مے کشِ حرارت جس کی ہے مینِ الدن
 حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوتی
 ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے کان
 چوکیا مانسہ آبِ ازناں سماں کا لہو
 مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانتے رن
 گفتِ رومیؒ پر بندے لہنہ کا باداں کسند
 می ندانیؒ "اَوَّلُ اَنْ بَنِيَا دُرَا وِیْرَا اَنْ کَسَنَد"
 "ملک ہاتھوں کی ملت کی آنکھیں کھل گئیں"
 حق ترا چشمِ عطا کر دستِ غافل درنگ
 موسیٰؑ کی لہائی سے تو بہتر ہے شکست
 نورِ بے پر! حاجتِ پیشِ سلیمان نے مہر
 ربط و ضبطِ ملتِ بیضی ہے مشرق کی نجات
 ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک خبر

پھر سیاست چھوڑ کر داخل صبا دیں میں
 ننگ دولت سے فقط حفظِ حرم کا الٹ
 ایک ہوں سلم حرم کی پاسبانی کے لیے
 نیل کے ساحل سے لے کر تاجِ خال کا شجر
 جو کرے کا امتیاز رنگِ خونِ مٹ جانے کا
 شرکِ حشر کا ہی ہو یا اسرارِ بی والا لہر
 نسلِ اسلم کی مذہب پر مقدم ہو لیتی
 اڑکیا دنیا سے تو مانسہ خال رہ کر
 تاحِ خلافت کی پنا دنیا میں ہو پھر استوار
 لاکھوں سے ٹھونڈ کر اسلاف کا قلبِ جگر
 اے کہ شناسی خفی را از جلی شیار باش
 اے گرفتار ابو بکرؓ و علیؓ شیار باش
 عشق کہ سرِ یاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
 اب ذرا دل تھام کر سرِ یاد کی تاثیر دیکھ

تُو نے دیکھا سٹو سٹ رفتار دریا کا عروج
 موج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب نہجیر دیکھ
 عام حضرت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
 اے سماں آج تُو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی حنا کتر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مے اتنی تہ لفتار میں
 آنے والے دور کی دھندلی سی ال تصویر دیکھ
 از مودہ مستند ہے ال اور بھی لرزوں کے پاس
 سامنے تفتدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ
 سلم استی سینہ را از آرزو آباد وار
 ہر زمان پیش نظر لای خلف المیعاد وار



طلوع اسلام

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا، کیا دور گراں خوابی
عسروںِ مرقہ مشرق میں خونِ زندگی دڑا
سمجھ سکتے نہیں اس از کو سینا و سارابی
سماں کو سماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہاتے دریا ہی سے ہے کوہِ سیرابی
عطا مومن کو پھر در کا حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترک سانی، دہنِ ہندی، نطقِ عربی
اثرِ کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے طہیل!
”نوارِ تلخ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ لم یابی“
تربِ صحنِ چمن میں اشیاں میں شاخساروں میں
جدا پائے سے ہو سکتی نہیں تعدیرِ سیما بی

وہ چشم پاک ہیں کیوں زینت برستواں دیکھے
 نظر آتی ہے جس کو مروغہ نازی لی جسد بانی
 خمیر لالہ میں روشن چراغِ ارزو کرے
 چمن کے دڑے دڑے کو شہیدِ جستجو کرے
 سر شامِ چشمِ سلم میں ہے نیاں کا اثر پیدا
 خلیل اللہ کے دریا میں یوں کے پھر لہر پیدا
 کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
 یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر ریل و بر پیدا
 ربوہ اس ترکِ شیرازی دلِ تبریز و کابل را
 صبا لرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم نوا پیدا
 اگر عثمانیوں پر لوہِ عنم ٹوٹا تو کیا عنم ہے
 کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
 جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
 جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

۲۹۸

باقی ہے در

۲۸۲

ہزاروں سال زرخس اپنی بے نورمی پڑتی ہے
 بڑی شکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و پر پیدا
 نوا پیرا ہوا اے بے بس کہ ہوتا ہے ترنم سے
 کہو ترکے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
 ترے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی لہے
 مسلمان سے حدیث سوز و ساز زندگی لہے
 خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زبان تو ہے
 یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب کماں تو ہے
 پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی
 ستارے جس کی گرد راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے
 مکان و فانی، مہکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
 خدا کا احسن پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے
 حنا بند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا
 ترمی نسبت براہیسی ہے معیار جہاں تو ہے

تری فطرت میں ہے ممکناتِ زندگانی کی
 جہاں کے جوہرِ منہر کا لویا امتحاں تو ہے
 جہاں اب کل سے عالمِ جاوید کی خاطر
 نبوتِ ساتھ جس کو لے لیتی وہ ارجاں تو ہے
 نیکی سے سرگزشتِ ملتِ بیضا سے پیدا
 کہ اقوامِ زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے
 سبقِ پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
 لیا جاتے گا تجھ سے کامِ دنیا کی امامت کا
 یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
 انھوت کی جہاں لیری، محبت کی فراوانی
 بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں کلم ہو جا
 نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی
 میانِ شاخسارِاں صحبتِ مرغِ چمنِ لبِ تابا
 ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی

گمانِ آباد ہستی میں میتیں مردِ سدا کا
 بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ بہانی
 مٹایا قصہ سر و کسری کے استبداد کو جس نے
 وہ لیا تھا، زورِ حیدر، فقرِ نو نور، صدقِ سلمان
 ہوئے اصرارِ ملتِ جاوہِ پیاسِ تھمتل سے
 تماشا کی شکافِ در سے ہیں صدیوں کے زندانی
 ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دنیا میں
 کہ انسان سے بھی پائندہ تر نکلا ہے ثورانی
 جب اس انکارِ خالی میں ہوتا ہے یقین پیدا
 تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روحِ الایم پیدا
 غلامی میں نہ کام آتی ہیں ششیریں نہ تدبیریں
 جو ہو ذوقِ معیتیں پیدا تو لٹ جاتی ہیں زنجیریں
 کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
 نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ولایت، پادشاہی، علم، شیا کی جہاں لیری
 یہ سب کیا ہیں، فقط ال تحت ایمان کی تفسیریں
 براہی میں نظر سپید اکر شکل سے ہوتی ہے
 ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں
 تیز بندہ وقت فساد آدمیت ہے
 حذر لے چیرہستان سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
 حقیقت ایسے میرے کی حاکم کی ہول نور میں
 لہو غور شید کا شپ کے ارفقے کا دل چسپیں
 یقین کلم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
 جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
 چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
 دل کرے، نگاہ پاک پینے، جان بیتابے
 عقابی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے
 ستارے شام کے خون شفق میں ڈوب کر نکلے

ہوتے مدفون دریا زیر دریا تیسرے والے
 طمانچے موج کے لکھاتے تھے جو بن لکھ نکلے
 غبارِ روہ لزر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جن کو
 جہینہ خال پر رکھتے تھے جو اسیر نکلے
 ہمارا نرم روفت اصد پیامِ زندگی لایا
 خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں و دے بے خبر نکلے
 حرمِ رسوا ہوا پیرِ حرم کی لم نکا ہی سے
 جو انانیت ساری کسوت در صاحبِ نظر نکلے
 زمیں سے نوریانِ آسمان پرواز کرتے تھے
 یہ خالی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلے
 جہاں میں اہل ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں
 ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

یقین اسرار کا سیرِ تعمیرِ ملت ہے
 یہی قوت ہے جو صورتِ لہرِ قدرت ہے

تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
 خودی کا راز واں ہو جا، حسد کا ترجمان ہو جا
 ہوس نے کرویا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انسان کو
 اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا
 یہ ہندی وہ شہر اسانی، یہ افغانانی وہ تورانی
 تو اے شہر مندرہ ساحل! اچھل کر بے لراں ہو جا
 غبارِ الوہ رنگِ نسب میں بال و تریسے
 تھامے مرغِ حرم! اڑنے سے پہلے پریشان ہو جا
 خودی میں ڈوب جا غافل! یہ سترِ زندگانی ہے
 نکل کر صفتِ شام و سحر سے جاوداں ہو جا
 مصافِ زندگی میں سیرتِ نولاؤ پسند کر
 شبستانِ محبت میں حیر پر نیاں ہو جا
 گزر جا بن کے کیل شند کو کوہِ بیاں کے
 گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی

ابھی تک آدمی سید زبون شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکار ہی ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ ستاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر غرور مند ان مغرب کو
پوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کار زاری ہے
تدبر کی فنون کاری سے محکم نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سٹریڈا رہی ہے
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خالی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ تاری ہے
خروش اس سوزِ بے بس ہو، بکرہ غنچے کی والہ رو ہے
کہ تو اس ملکِ ستاں کے واسطے بادِ بہاری ہے

پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنگاری محبت کی
 زمیں جولاں لہر اسلس قبایق تار ہی ہے
 بیا پیدا حسرتِ درست جان ناتوانے را
 ”پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را“
 بیا ساقی نوالے مرغزار از شاخسار آمد
 بہار آمد نگار آمد، نگار آمد و تر آمد
 کشید ابر بہار نمی خیمہ اندر وادی صحرا
 صدائے آبشاراں از منہ از کوہ ہزار آمد
 سرست کردم تو ہم قانون پیش ساز وہ ساقی
 کہ خیل نعلین پر و ازاں قطار اند قطار آمد
 کنار از زاہدان بر کبیرے پاکانہ ساغر شر
 پس از مدت ازین شاخ لہن باناب بہار آمد
 بہشتا قاف حدیثِ خجستہ بدروہ بنین اور
 تصرف ہایہ پنہانش بحشمت شکار آمد

وگر شاخِ خلسِ دل از خونِ مانم ناک می گردد
 بس از ار محبتِ نعتِ ماکمل عیار آمد
 سرِ خالِ شیبِ دے بر لبِ لاله می پاشم
 که ز خوشِ بانسِ الِ ملتِ ماس از دانه
 ”بیاتِ تاملِ بنفشه نسیم و درِ ساغر اندازیم
 فلکِ استغفِ بشکاف نسیم و طرحِ دلیر اندازیم“



[illegible]

۳۰۸
بانگس و
۲۹۲

غزلیات



اے بادِ صبا! کہلی وائے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے اُمتِ بیچارہ کے دیں بھی کیا، دنیا بھی لٹی
یہ موج پریشاں خاطر کو پیغام لبِ ساحل نے دیا
ہے دُور وصالِ بحرِ ابھی، تو دریا میں کھسبرا بھی لٹی
عزت ہے محبت کی فتائم اے قیس! حجابِ محل سے
محل جو کیا عزت بھی گئی، غیرت بھی لٹی، لیا بھی لٹی
کی ترکِ تائب و دو قطرے نے تو آبروئے کوہِ بھی ملی
اوار کی فطرت بھی لٹی اور شکستِ دریا بھی لٹی

نکلی تو لب اقبال سے ہے کیا جانے کس کی ہے یہ صدا
پیغام سکوں پہنچا بھی لیتی، دل محض کا ترپا بھی گئی



یہ سر و قمری بوسل فریب خوش ہے
تیرے پیماؤں کا ہے یہ اے مغرب اثر
باطن ہنگامہ آباد چین خاموش ہے
خند زن ساقی ہے ساری انجمن کے خوش ہے
جرم تھا کیا آفرینش بھی کہ تو روپوش ہے
چہلوئے انساں میں ال ہنگامہ خاموش ہے
یہ سمجھ لے کوئی مینا خانہ بار و خوش ہے
زندگی کی رہ میں حل لکین فریج بچ کے حل

جس کے دم سے دلی لاہور ہم پہلو ہوتے
اگلے اقبال! وہ بوسل بھی خاموش ہے



نالہ ہے بوسل شوریدہ ترا خام بھی
پختہ ہوتی ہے المصلحت اندیش عقل
اپنے سینے میں اسے اور راتھام بھی
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام بھی
عقل ہے محو تماشا تے لب بام بھی
بے خطر کو دپڑا آتش نمرود میں عشق

عشق فرمودہ قاصد سے سبک کا عمل
 شیوہ عشق ہے آزاد می و دہر آشوبی
 عذر پرہیز کیست ہے جزا کر ساقی
 سعی سہم ہے تراژوئے کم و کیف حیات
 ابرغیاں یہ تینک بخش شبنم کب تک
 باوہ لردان مجسم و عربی میری شراب
 عقل سمجھی ہی نہیں منی پیغام بھی
 تو ہے تار می بست خانہ ایام بھی
 ہے ترے دل میں ہی کاوشیں انجام بھی
 تیری میزبان ہے شمارِ شام بھی
 مرے نسا کے لالے ہیں تہی جام بھی
 مرے ساغر سے جھکتے ہیں مے اشام بھی

خبر اقبال کی لاتی ہے گلستانِ نسیم
 نو گرفتارِ پیرِ کست ہے تیر دامِ ابھی



پر وہ چہرے سے اٹھا، انجمنِ آرائی کر
 توجو بجلی ہے تو یہ چشمِ پنہاں کتب
 نفسِ فرم کی تاثیر ہے عجب از حیات
 کب تک طور پہ درِ یوزہ لری مثلِ طیم
 ہو تری خال کے ہر ترے سے تعمیرِ حرم
 چشمِ مہر و مہ و انجم کو تماشائی کر
 بے حجابانہ مرے دل سے شناسائی کر
 تیرے سینے میں لکھ رہے تو سیاحتی کر
 اپنی ہستی سے حیاں شعلہ سینائی کر
 دل کو بیگکانہ اندازِ کلیسائی کر

اس گلستاں میں نہیں حد سے گزرتا چھا
ناز بھی کر تو بہ اندازہ رعنائی کر

پہلے خود دار تو مانند سگند ہو لے
پھر جہاں میں ہو س شکست دارائی کر

دل ہی جائے لی بھی منزل سیلی اقبال
کوئی دن اور ابھی باد یہ سپائی کر



پھر باد بہار آئی اقبال غزل خواں ہو
غنیہ ہے اگر گل ہو گل ہے تو گلستاں ہو

تو خاک کی سُٹھی ہے اجڑا کی حرارت سے
برہم ہو پریشان ہو، وسعت میں بے باں ہو

تو جنس محبت ہے قیمت ہے لڑائی تیری
کم مایہ ہیں سوا کڑاٹس میں اڑاں ہو

کیوں سانکے پردے میں مستور ہو لے تیری
تو نغمہ رنگین ہے ہر گوش غیب میں ہو

اے ہر وقت نراندہ رستے میں اگر تیرے
گلشن ہے تو شب بنم ہو صحرا ہے تو طوفان ہو

ساماں کی محبت میں غم ہے تن آسانی

مقصود ہے اگر منزل غارت کو ساماں ہو



کبھی اے حقیقت غنظر نظر آلباس محاذ میں
کہ ہزاروں سجدے ٹپ رہے ہیں جبین نیا میں

طرب آشنائے غروبش ہو تو نوا ہے محرم خوش
 تو بچا بچکے نہ رکھ اسے ترا آئندہ ہے وہ آئندہ
 وہ طوف کماشمع نے یہ کہا کہ وہ اثر کمن
 نہ کہیں جہاں میں ملے جو ماں ملی تو کہاں ملی
 نہ وہ عشق میں ہیں گم میاں نہ وہ حسن میں ہیں شویا
 جو میں سر سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
 ترا دل تو ہے صہم آشنائے تجھے کیا ملے کا نماز میں

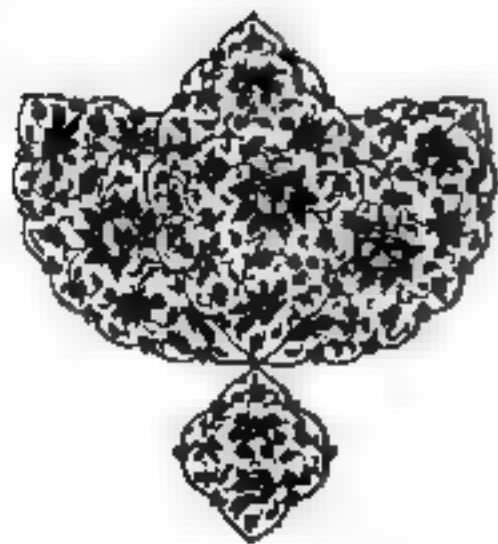


تہ دام بھی غزل آشنائے طراں چن تو کیا
 ترا جلوہ کچھ بھی سبلی دل نا صبور نہ کور کا
 نہ خدار ہا نہ صہم ہے نہ قریب میر و حرم رہے
 جو فغان لوں میں ٹپ ہے تھی نوائے زیر لبی ہی
 وہی گریہ سحری ما وہی آنیم شبی ہی
 نہ رہی کہیں اس سدا لہی نہ کہیں ابولہبی ہی
 مرا ساز اگرچہ ستم رسید زخمہ ہا مجھ بسم
 وہ شہید فوق و فاعوں میں نوا مرئی بی ہی



گرچہ تو زندانی اسباب ہے قلب کو بس کن ذرا آزاد رکھ
 عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر اہمال کی بنیاد رکھ
 اے سداں! ہر لہری پیش نظر آیہ "لَا يُخْلِفُ الْمِيعَاتُ" رکھ

یہ لسانِ مصطفیٰ ہے
 "إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ" یاد رکھ



۳۱۴
 یاد رکھ
 ۲۹۸

ظلمت

مشرق میں اصول دین بن جلتے ہیں مغرب میں مکرشیں بن جاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پتے واں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں



لڑکیاں پھر رہی ہیں انگریزی ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشیں مغربی ہے مدِ نطنہ وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھاتے گا کیا سین پر وہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ



شیخ صاحب بھی تو پردے کو آتی تھیں مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدلن ہو گئے
عظیم سنہ ٹو یا کل آپ نے یہ صاف صاف ”پردہ آخر کس سے ہو جب مردہ ہی زن ہو گئے“

یہ کوئی دن کی بات ہے مرد ہوش مند! غیرت نہ تجھ میں ہوگی نہ نیاوٹ چاہے کی
 آگ ہے اب ہر دور کہ اولاد کے عوض کونسل کی ممبری کے لیے نوٹ چاہے کی

تعلیم مغربی ہے بہت خجرات آتیں پہلا سبق ہے پیٹھ کے کالج میں مار ڈینک
 بستے ہیں ہند میں جو خیر پڑا رہی فقط آغا بھی کے آتے ہیں اپنے وطن پرچم بند
 میرا یہ حال نوٹ کی ٹوچاٹا ہوں میں اُن کا یہ حکم دیکھ! مرے فرش پر نہ رہیں
 کہنے لگے کہ اونٹ ہے مجھ سا جانور اچھی ہے کھائے رکھتی ہے کیا نول واریہ

کچھ غم نہیں جو حضرت اعظم ہیں تنگ دست تہذیب نو کے سامنے سر پناہ کس میں
 روجہ ساد میں تو بہت کچھ لکھا لیا ترویج حج میں کوئی رسالہ قلم لیں

تہذیب کے مرض کو لولی سے فائدہ! دفع مرض کے واسطے پل پیش کیجیے

۳۱۶
 ہمارے دل
 ۳۰۰

تھے وہ بھی نہ کہ خدمتِ استاد کے عوض دل چاہتا تھا وہ یہ دل پیش کیجے

بدلانہ زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کشتہ ہوا شر سے کہ دل پیش کیجے



انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تک
اپنی غفلت کی یہی حالت ازلت ہم ہی
چھتریاں، زوال، مغر، پیرہن جاپان سے
اس کے غفلت کا بل سے لغن جاپان سے



ہم مشرق کے سکینوں کا دل مغرب میں جا چکا ہے
اس فور میں سب سے جانتے ہاں باقی وہ جا چکا ہے
وان لٹریٹ بھری ہاں ایک پرانا منکھ ہے
جو قائم اپنی راہ ہے اور پکا اپنی نیت کا ہے
اسیخ و برہمن سنتے ہو کیا اہل بصیرت کہتے ہیں
گروں کے کہنی بلندی ان قوموں کو دے چکا ہے

یا باہم پیار کے جلسے تھے دستورِ محبت قائم تھا

یا بحث میں اردو ہندی کے بیاقرانی یا شطرنج



”اصل شہود و شہادہ و شہود ایک ہے“ غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکرِ غیر کیا

کیوں اے جناب شیخ اپنا آپ بھئی کچھ
کہتے تھے لعینوں سے کل اہل دیر کیا
ہم پوچھتے ہیں مسلم عاشق مزاج سے
الفت بتوں سے ہے تو بزمین سے سیر کیا

ہاتھوں سے اپنے دہن دنیا نکل گیا
قانونِ وقت کے لیے لڑتے تھے شیخ جی
رخصت ہوا دلوں سے خیالِ معاد بھی
پوچھو تو وقت کے لیے ہے جاتا دھبی!

وہ سن بولی ارادہ خود کشی کا جب کیا میں نے
نہ جرات نہ خیر ہے تو قصہ خود کشی کیا
مہذبے تو اے عاشق اقدم باہر دھڑ سے
یہ مانا دروِ ناکامی کیا تیرا لڑھ سے
کہا میں نے کہ اے جانِ جہاں کچھ نقد و لواؤ
کراتے پر سنگالوں کا کوئی افغان سر سے

ناداں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر
مغرب میں ہے جہازِ بیاباں شتر کا نام
حاصل ہوا یہی 'نسپے مارپیٹ' سے
شکر کوں نے کام کچھ نہ لیا اس فلیٹ سے

ہندوستان میں خیر و حکومت ہیں کونسلیں
آغاز ہے بارے سیاسی سال کا

ہم تو فقیر تھے ہی ہمارا تو کام تھا
سیکھیں سلیقہ اس امر اچھی سوال کا



ممبری اسپیرٹل کنسل کی کچھ شکل نہیں
وٹ تو بن جائیں گے پیسے بھی لو آئیں گے کیا؟
میرا خائب خدا بخشے بجا فرمائے
ہم نے یہ مالہ ولی میں ہیں لھائیں گے کیا؟



دلیل مہر و فاسک بڑھ کے کیا ہوگی
نہ چھوڑے اُلفت تو یہ ستم نہ سہیں
نہ صرے حلقہ ہمیشی میں کچھ کہیں ہم بھی
مگر رضائے ظلم کو بجانب لیں تو کہیں
سند تو لیجئے لڑکوں کے کام آتے کی
وہ مہربان ہیں اب پھر ہیں ہون نہ رہیں
زمین پر تو نہیں ہندویوں کو جا ملتی
مگر جہاں میں ہیں خالی سندوں کی اتھیں

مشاکشتی بے حس طبع فرماں ہیں

کہو تو بستیہ سال ہیں کہو تو بہیں



فرما ہے تھے شیخ طریق عمل یہ وعظ
لغار ہند کے ہیں تجارت میں سخت کوشش
مشرک ہیں جو کہتے ہیں شرک سے لین دین
لیکن ہماری قوم ہے محروم تسل و ہوش

نایاب چیز ہوتی ہے کافر کے ہاتھ کی
 اک بارہ کش بھی غلطی محفل میں تھا شریک
 سن لے کر ہے گوشِ مسلمان کا حق نبوش
 جس کے لیے نصیحت اعطی تھی بارہ گوش
 کہنے لگا ستم ہے کہ ایسے قیود کی
 پابند ہو تجارتِ سامان خورد و نوش
 میں نے کہا کہ آپ کو مشکل نہیں کوئی
 ہندوستان میں ہیں طرہ لو بھی سے فروش

دیکھیے چلتی ہے شرق کی تجارت ایک
 شیشہ ہیں کے عوض جام و سبوتیتا ہے
 ہے مداوائے جنوں شہرِ تعلیم جدید
 میرا سرجنِ کلمت سے لہو لیتا ہے

گائے اک دوز ہوتی اونٹ سے یوں گرم سخن
 نہیں اک حال یہ دنیا میں کسی شے کو قرار
 میں تو بدنام ہوئی توڑ کے رسی اپنی
 سنتی ہوں اپنے بھی توڑ کے رکھ دی ہے جہاں
 گائے اک دوز ہوتی اونٹ سے یوں گرم سخن
 نہیں اک حال یہ دنیا میں کسی شے کو قرار
 میں تو بدنام ہوئی توڑ کے رسی اپنی
 سنتی ہوں اپنے بھی توڑ کے رکھ دی ہے جہاں
 ریل چلنے سے مکر و دشتِ عرب میں سیکا
 تھی لٹکتے ہوئے ہونٹوں پہ چھلاتے زہا
 آج یہ کیل ہے کہ ہم پر ہے عنایت اتنی
 نہ رہا آستِ دل میں وہ دیرینہ غبا

جب تیرے رُسنی اونٹ نے ہرما کے کہا
 رشک صد غمزدہ اشتر ہے تیری ایک کلیل
 ترے ہنگاموں کی تاثیر پھیلی بن میں
 ایک ہی بن میں ہے مدت سے سیر اپنا
 گوشت و شتر و کاو و پنک و خرنک
 باغبان ہو سبق آموز جو بلی کا
 دے ہی جام ہیں بھی مناسب یہی
 تو بھی شہر ہو تیرے رُفتا بھی شہر

”دلق حافظ بچہ ارزو بہ شیش رنگیں کن
 وانگشست و خراب از رہ بازار سیا“



رات پھرنے لہو یا مجھ سے
 مجھ کو دیتے ہیں ایک نونہ لہو
 جبر اپنی ناتسامی کا
 جلد شب بھر کی تشنہ کامی کا

اور یہ پسوہ دار نے رحمت

پی کیا سب لہو اسامی کا

یہ آئیہ نوجیل سے نازل ہوئی مجھ پر
 لیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں کیستا
 کیا خوب ہوئی اشتی شیخ و برہمن
 اس جنگ میں آخر نہ یہ ہار نہ چہیستا

مندر سے تو بیزار تھا پہلے ہی نے بدری
 مسجد نے نکلتا نہیں ضدی نے پیستا

جان جاتے ہاتھ سے جاتے زرت
 ہے یہی اک بات ہر مذہب کا ثبوت
 چھبے ایک ہی تھیل کے ہیں
 سانپو کا رمی بسوہ داری، سلطنت

محنت و سڑیہ دنیا میں صف آہ ہوئے
 دیکھے ہوئے کس کس کی تباہوں کا خون
 حکمت و تدبیر سے فیتہ آشوب خیز
 نل نہیں تھا تو کد کد شتم پہ شمع جوتن
 کھل لئے یا جوج اور با جوج کے کھل تمام
 چشم مسلم و عید کے تفسیر حرف فیسلون

شام کی سرحد رخصت ہو وہ زندلم نزل
 رکھ کے میخانے کے قاعدے بالائے قی

یہ اگر سچ ہے تو ہے کس وجہ جبریت کا مقام
 رنگ ال پل میں لجاتا ہے یہ نیلی رواق
 حضرت لڑن کو اب کمر عداوہ ہے ضرور
 حکم بڑا ہی کے معنے میں ہے بولا لایطاق
 وفد ہندستان سے کرتے ہیں سر اغا خان طلب
 کیا یہ چورن ہے پے ہضم فلسطین عراق؟



تکرات بھی مزاج و مالک میں ایک روز
 دونوں یہ کہہ رہے تھے مرا مال ہے نہیں
 کہتا تھا وہ کہے جو رعایت اسی کا گھیت
 کہتا تھا یہ کہ عقل ٹھکانے تری نہیں
 پوچھا زمیں سے میں نے کہ ہے کس کا مال تو
 بولی مجھے تو ہے فقط اس بات کا یقین
 مالک ہے یا مزاج شوریدہ حال ہے
 جو زیر آسماں ہے وہ دھرتی کا مال ہے



اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
 نئی تہذیب کے انٹے ہیں اسے
 اکشن مہم سہی، کنسل، صدارت
 بنائے خوب ازاد ہی نے پھینکے
 میان نجار بھی پیلے گئے ساتھ
 نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

کارخانے کا ہے مالک سرورِ مالک و مالک
عیش کا پتہ ہے محنت ہے اسے ساز کا
حکیم حق ہے نفسِ لہذا انسانِ الا ماسعی
کھلتے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سڑیہ

سنا ہے میں نے کل گفتگو تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دست کار کا
مگر کرنے کیا خوب نسل لان ہوایا
کوئی اس شہر میں کب نہ تھا سڑیہ اروں کا

مسجد بنادی شہر میں سماں کی حرارت اٹھانے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں مازی بن سکا
کیا خوب فیصل کو سنو سی نے پیغام دیا
تو نام اوس کا مجازی ہے پر دل کا مجازی بن سکا
ترا نکھیں جو جاتی ہیں کیا لذت اس نے
جب خج بن بکر کی امیرش سے شک پیازی بن سکا

اقبال بڑا پیش کش ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا عین مازی تو بنا کر وار کا عین مازی بن سکا

۳۲۲
ہفت روزہ
۳۰۸



بالِ جبریل

اقبال

۳۲۵
بالِ جبریل

بال جبریل
نفس منجیل

اُمّہ کہ خورشید لاس مان سفر تازہ کریں
نفس کو خستہ شام رکھر تازہ کریں

انجیل

۳۲۶
بال جبریل
۲

اُمّھ کہ خورشید کا سامانِ سخن تازہ کریں
نفسِ سوختہ شام و سخن تازہ کریں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱

مری زوئے شوق سے شورِ حرمِ ذات میں !
منفرد ہے الاماں بستگنہ مفات میں !
حورِ دوزخستہ میں اسیرِ سرِ تقدیر میں
مری نگاہ سے غفلِ تبری بقیات میں !
گرچہ چہ میری جستجو دیرِ حرم کی نقشبند
مری فغاں سے سنجیدہ کورسوں میں !
گماہ مری نگاہ تیز چیر گئی دلِ وجود
گماہ الجھکے راہ گئی سے تو بسات میں !
تو نہ یہ کیا غضب کیا ! محبِ بوجہی شکر کردیا
میں ہی تو ایک رازِ حاسیہ مانا میں !

۳۲۸

بالِ جبریل

۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

غزلیات (حصہ اول)

- | | | |
|--------|---|---|
| ۳۴۵/۲۱ | ۱ | میری نوائے شوق سے شور حریمِ دُست میں |
| ۳۴۶/۲۲ | ۲ | اگر کج رو ہیں انجس، آسماں تیرا ہے یا میرا؟ |
| ۳۴۷/۲۳ | ۳ | گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر |
| ۳۴۸/۲۴ | ۴ | اثر کرے نہ کرے، سن تو لے مری فریاد |
| ۳۴۹/۲۵ | ۵ | کیسا عشق ایک زندگی ستار کا |
| ۳۵۰/۲۶ | ۶ | پریشاں ہو کے میری خاکِ آخرِ دل نہ بن جائے |
| ۳۵۱/۲۷ | ۷ | دلِ گروں ہے جہاں تاروں کی کرکوش تیز ہے ساقی |
| ۳۵۲/۲۸ | ۸ | لا پھر اک بار وہی باوہ و جام لے ساقی! |

- ۹ مٹا دیا میرے ساتی نے عالم من و تو ۳۵۲/۲۸
- ۱۰ ستارے بے بسا ہے درد و سوزِ آرزو مندی ۳۵۲/۲۸
- ۱۱ تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ ۳۵۳/۲۹
- ۱۲ خمیہ بر لالہ سے محفل سے خواہ لب لب ۳۵۴/۳۰
- ۱۳ وہی میری کلم نصیبی، وہی تیری بے نیازی ۳۵۴/۳۰
- ۱۴ اپنی جولاں گاہ زیرِ آسمان سمجھا تھا میں ۳۵۵/۳۱
- ۱۵ اک دانش نورانی، اک دانش بزمانی ۳۵۶/۳۲
- ۱۶ یارب! یہ جہان کزراں خوب ہے لیکن ۳۵۶/۳۲
- غزلیات (حصہ دوم)

- ۱ سما سکتا نہیں پسائے فطرت میں مرا سودا ۳۵۹/۳۵
- ۲ یہ کون غزل خواں ہے پر سوز و نشاطِ انجیز ۳۶۳/۳۹
- ۳ وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھایا ہے جنوں ۳۶۴/۴۰
- ۴ عالمِ آب و خال و باد، بسترِ عیاں ہے تو کہ میں ۳۶۵/۴۱
- ۵ تو ابھی رہ لزر میں ہے، قیدِ مستام سے لزر ۳۶۵/۴۱

- ۶ امین راز ہے مردانِ حشر کی درویشی ۳۶۶/۴۲
- ۷ پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہِ دامن ۳۶۷/۴۳
- ۸ مسلمان کے لئے میں ہے سیدِ قہر و نوازی کا ۳۶۸/۴۴
- ۹ عشق سے پیدا ہوا ہے زندگی میں زیرِ دم ۳۶۸/۴۴
- ۱۰ دل سوز سے خالی ہے تیکہ پال نہیں ہے ۳۶۹/۴۵
- ۱۱ ہزار خوف ہو لیکن زباں جو دل کی رنیت ۳۶۹/۴۵
- ۱۲ پوچھ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی ۳۷۰/۴۶
- ۱۳ یہ حوریانِ مندرلی، دلِ نطنز کا حجاب ۳۷۱/۴۷
- ۱۴ دل بیدار و روقی، دل بیدار لڑائی ۳۷۱/۴۷
- ۱۵ خودی کی شوخی شہدِ دی میں لبِ ناز نہیں ۳۷۲/۴۸
- ۱۶ میرِ سپاہِ ناز، لشکریاں شکستہ تصف ۳۷۳/۴۹
- ۱۷ زیستانی ہوا میں لہر چہ تھی شیر کی تیزی ۳۷۳/۴۹
- ۱۸ یہ دیر کھن کیا ہے؟ انبارِ خس و خاشاک ۳۷۴/۵۰
- ۱۹ کمال ترک نہیں اسبِ گل سے مجھوری ۳۷۵/۵۱

۳۷۵/۵۱	۲۰	عمتل کو آستان سے دور نہیں
۳۷۶/۵۲	۲۱	خودی وہ کسر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
۳۷۷/۵۳	۲۲	یہ پیام دے لئی ہے مجھے باد صبح کا ہی
۳۷۷/۵۳	۲۳	ترقی نگاہ منہ رویہ، ہاتھ ہے کوتاہ
۳۷۸/۵۴	۲۴	خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
۳۷۹/۵۵	۲۵	نگاہِ فہم میں شانِ سکندر می کیا ہے
۳۷۹/۵۵	۲۶	نہ تو زمین کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے
۳۸۰/۵۶	۲۷	تو اسے اسیرِ مہمیں! لامکاں سے دور نہیں
۳۸۱/۵۷	۲۸	حسد نے مجھ کو عطا کی نظرِ حکیمانہ
۳۸۱/۵۷	۲۹	انلال سے آتا ہے نالوں کا جوابِ آخر
۳۸۲/۵۸	۳۰	ہر شے مسافر، ہر چیز راہی
۳۸۳/۵۹	۳۱	ہر چیز ہے مجھ خود نشانی
۳۸۳/۵۹	۳۲	عجاز ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ
۳۸۴/۶۰	۳۳	خرومندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے

۳۸۵/۴۱	۳۲	جب عشق بسکھاتا ہے آداب خود آکاہی
۳۸۶/۴۲	۳۵	مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا
۳۸۶/۴۲	۳۶	نہ جو طغیانِ شتاقی تو میں رہتا نہیں باقی
۳۸۷/۴۳	۳۷	فطرت کو حسد کے زور پر و کر
۳۸۸/۴۴	۳۸	یہ سپہ سالارِ کلیسا و حرم اے وائے مجبوری
۳۸۹/۴۵	۳۹	تازہ پھر وائش حاضر نے کیا سحرِ قدیم
۳۸۹/۴۵	۴۰	ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
۳۹۰/۴۶	۴۱	ڈھونڈ رہا ہے فرنگِ عیش جس جہاں کا دوام
۳۹۱/۴۷	۴۲	خودی جو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل
۳۹۲/۴۸	۴۳	مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟
۳۹۲/۴۸	۴۴	سادتہ وہ جو ابھی پردہ افلاک میں ہے
۳۹۳/۴۹	۴۵	رہا نہ حلفتِ صوفی میں سوزِ شتاقی
۳۹۳/۴۹	۴۶	نہو آنے زور سے اس کے کوئی کیریاں چاک
۳۹۴/۵۰	۴۷	یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کوہِ بریائے

- ۴۸ نہ تخت و تاج میں نے شکر و سپاہ میں ہے ۳۹۵/۷۱
- ۴۹ فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشہ چالال ۳۹۵/۷۱
- ۵۰ کریں گے اہل نطنز تازہ بستیاں آباد ۳۹۶/۷۲
- ۵۱ کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی ۳۹۶/۷۲
- ۵۲ نے فرسہ باقی، نے فرسہ بازی ۳۹۷/۷۳
- ۵۳ کرم نماں ہے جس، اٹھ کر کیا قافلہ ۳۹۷/۷۳
- ۵۴ ہری نواسے پوئے زندہ عارف و حامی ۳۹۸/۷۴
- ۵۵ ہر اک معتمد سے آگے گزریا سہ نو ۳۹۹/۷۵
- ۵۶ لکھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب پیش ۳۹۹/۷۵
- ۵۷ تھا جہاں مدرسہ شیریں شاہنشاہی ۴۰۰/۷۶
- ۵۸ ہے یاد مجھے نکتہ سلمان خوش آہنگ ۴۰۱/۷۷
- ۵۹ فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ ۴۰۱/۷۷
- ۶۰ کمال جوش جنوں میں رہا میں کرم طواف ۴۰۲/۷۸
- ۶۱ شعور و پوشش و خرد کا معاملہ ہے عجیب ۴۰۲/۷۸

قطعہ (اندازِ بیاں کرچہ بہت شوخ نہیں ہے) ۴۰۴/۷۹

زبا عیادت

- ۱ ترے شیشے میں غم باقی نہیں ہے ۴۰۶/۲۲
- ۲ دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر ۴۰۹/۲۵
- ۳ رو و رسمِ حرمِ نامحسوس مانہ ۴۰۵/۸۱
- ۴ ظلامِ بحر میں کھو کر کسبِ جلا جا ۴۰۵/۸۱
- ۵ مسکاتی ہوں کہ آزادِ مسکاں ہوں ۴۰۶/۸۲
- ۶ خودی کی حسدوتوں میں گم رہا میں ۴۰۶/۸۲
- ۷ پریشاں کار و بارِ آشنائی ۴۰۶/۸۲
- ۸ یقینِ مشعلِ خلیلِ آتشِ شینی ۴۰۶/۸۲
- ۹ عرب کے سوز میں سازِ جسم ہے ۴۰۷/۸۳
- ۱۰ کوئی دیکھے تو میری نئے نوازی ۴۰۷/۸۳
- ۱۱ ہر اک ذرے میں ہے شاید مکھیں دل ۴۰۷/۸۳

- ۱۲ ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے $\frac{۲۰۷}{۸۳}$
- ۱۳ نہ مومن ہے نہ مومن کی آسیری $\frac{۲۰۸}{۸۴}$
- ۱۴ خودی کی جستجو توں میں مصطفیٰ نائی $\frac{۲۰۸}{۸۴}$
- ۱۵ زندہ ابھی جوتی ہے رناس تو میں $\frac{۲۰۸}{۸۴}$
- ۱۶ جمالِ عشق دوستی نئے نوازی $\frac{۲۰۸}{۸۴}$
- ۱۷ وہی سرا رونقِ محسنِ گل کہاں ہے $\frac{۲۰۹}{۸۵}$
- ۱۸ سوارِ نامتہ و محسن نہیں میں $\frac{۲۰۹}{۸۵}$
- ۱۹ ترے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے $\frac{۲۰۹}{۸۵}$
- ۲۰ ترا جوہر ہے نورِ پاک ہے تو $\frac{۲۰۹}{۸۵}$
- ۲۱ محبت کا جسٹوں باقی نہیں ہے $\frac{۲۱۰}{۸۶}$
- ۲۲ خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا $\frac{۲۱۰}{۸۶}$
- ۲۳ چمن میں رختِ گلِ شبنم سے ہے $\frac{۲۱۰}{۸۶}$
- ۲۴ حسد سے راہِ روشن بھر ہے $\frac{۲۱۰}{۸۶}$
- ۲۵ جوانوں کو مری آہِ حسد سے $\frac{۲۱۱}{۸۷}$

۲۶	ترمی دُنیسا جہان مرغ و ماہی	۴۱۱/۸۷
۲۷	کرم سیرالہ بے جوہر سیں میں	۴۱۱/۸۷
۲۸	وہی اصل مسکن و لامسکان ہے	۴۱۱/۸۷
۲۹	کبھی آوارہ و سب بے خانماں عشق	۴۱۲/۸۸
۳۰	کبھی تنہا تکی کوہ و دہن عشق	۴۱۲/۸۸
۳۱	عطا اسلاف کا جذبہ دروں کر	۴۱۲/۸۸
۳۲	یہ نیکستہ میں نے سیکھا بوالحسن سے	۴۱۲/۸۸
۳۳	خرد واقف نہیں ہے نیک بد سے	۴۱۳/۸۹
۳۴	خدا تکی آہستہ نام خشک و تر ہے	۴۱۳/۸۹
۳۵	یہی آدم ہے سلطانِ بحر و بر کا	۴۱۳/۸۹
۳۶	وہم عارفِ نسیمِ صبحِ دم ہے	۴۱۳/۸۹
۳۷	رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے	۴۱۴/۹۰
۳۸	کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی	۴۱۴/۹۰
۳۹	زمانے کی یہ گردشِ جاودانہ	۴۱۴/۹۰

۴۱۴/۹۰	۴۰	حکیمی نامہ سلمانی خودی کی
۴۱۵/۹۱	۴۱	ترا تن روح سے نا آشنا ہے
۴۱۵/۹۱	قطعہ	اقبال نے کل اہل خیاباں کو سنایا

منظومات

۴۱۷/۹۳	۱	دعا
۴۱۹/۹۵	۲	مسجدِ شریطہ
۴۲۸/۱۰۳	۳	قید خانے میں معتد کی فریاد
۴۲۹/۱۰۵	۴	عبدالرحمن اول کا بویا ہوا کعبور کا پہلا درخت — سرزمین اندلس میں
۴۳۰/۱۰۶	۵	ہسپانیہ
۴۳۲/۱۰۸	۶	طارق کی دعا
۴۳۳/۱۰۹	۷	لینن (خدا کے حضور میں)
۴۳۶/۱۱۲	۸	فرشتوں کا لیت

۳۳۸

بالِ جبریل

۱۲

۲۲۸/۱۱۴

۲۲۲/۱۱۸

۲۲۳/۱۱۹

۲۲۲/۱۲۰

۲۲۵/۱۲۱

۲۲۵/۱۲۱

۲۲۶/۱۲۲

۲۲۶/۱۲۳

۲۲۸/۱۲۴

۲۲۸/۱۲۴

۲۵۰/۱۲۶

۲۵۸/۱۳۴

۲۶۰/۱۳۶

ذوق و شوق

پروانہ اور جنگنو

حساوید کے نام

گدائی

نقلا اور بہشت

دین و سیاست

الارض و اللہ

ایک نوجوان کے نام

نصیحت

لالہ صحرا

ساقی نامہ

زمانہ

فرشتے آدم کو جنت

سے رخصت کرتے ہیں

بال حبیب
۱۵

۲۲ رُوحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

۲۶۰/۱۳۶

۲۳ پیر و مرید

۲۶۲/۱۳۸

۲۴ جبریل و ابلیس

۲۶۳/۱۳۹

۲۵ اذان

۲۶۵/۱۵۱

۲۶ محبت

۲۶۶/۱۵۲

۲۷ ستارے کا پیغام

۲۶۷/۱۵۳

۲۸ جاوید کے نام

۲۶۷/۱۵۳

۲۹ فلسفہ و مذہب

۲۶۸/۱۵۴

۳۰ یورپ کے ایک خط

۲۶۹/۱۵۵

۳۱ نیپولین کے مزار پر

۲۶۹/۱۵۵

۳۲ مسولینی

۲۷۰/۱۵۶

۳۳ سوال

۲۷۲/۱۵۸

۳۴ پنجاب کے دہقان سے

۲۷۲/۱۵۸

۳۵ نادر شاہ افغان

۲۷۳/۱۵۹

۳۴۰
بالِ حبیب

۳۶ خوشحال خاں کی وصیت

۲۸۴/۱۴۰

۳۷ تاتاری کا خواب

۲۸۴/۱۴۰

۳۸ حال و معتم

۲۸۶/۱۴۲

۳۹ ابوالعلا معری

۲۸۶/۱۴۲

۴۰ سنہار

۲۸۸/۱۴۴

۴۱ پنجاب کے پیرزادوں سے

۲۸۸/۱۴۴

۴۲ سیاست

۲۸۹/۱۴۵

۴۳ فمتر

۲۹۰/۱۴۶

۴۴ خودی

۲۹۰/۱۴۶

۴۵ جندائی

۲۹۱/۱۴۷

۴۶ خانقاہ

۲۹۱/۱۴۷

۴۷ ابلیس کی عرضداشت

۲۹۲/۱۴۸

۴۸ لہو

۲۹۳/۱۴۹

۴۹ پرواز

۲۹۳/۱۴۹

۲۹۲/۱۴۰	۵۰	شیخ مکتب سے
۲۹۲/۱۴۰	۵۱	فلسفی
۲۹۵/۱۴۱	۵۲	شاہیں
۲۹۶/۱۴۲	۵۳	باغی مرید
۲۹۶/۱۴۲	۵۴	ہارون کی آخری نصیحت
۲۹۶/۱۴۳	۵۵	ماہر نفسیات سے
۲۹۶/۱۴۳	۵۶	یورپ
۲۹۸/۱۴۴	۵۷	ازادی افکار
۲۹۸/۱۴۴	۵۸	شیر اور چتر
۲۹۹/۱۴۵	۵۹	چیونٹی اور عتاب
۵۰۰/۱۴۶	قطعہ	(فطرت مری مانسہ نسیم سحری ہے)
۵۰۰/۱۴۶	قطعہ	(کل اپنے مریدوں سے کہا پیر مٹھاں نے)



عزلیات

۳۲۳۳
بالی جبریل
۱۹

مُحْمول کی پتی سے کٹ سکتا ہے پیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

(بھرتوی بھری)

۳۴۴
بالِ جبریل
۲۰

حصہ اول



میری نوائے شوق سے شوہرِ فیمات میں غلغلہ لائے الاماں بُت کدہ صفات میں
 خور و فرشتہ ہیں اسیرِ سریتِ غمخیزات میں میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں
 کرچے میری جستجوِ دیر و حرم کی نقش بند میری فغان سے رستخیزِ کعبہِ سنات میں
 گاہ مری نگاہِ یہ زچہ کنتی دل و جوہ گاہِ الجھکے رہ لئی میرے توہمات میں
 تو نے یہ کیا غضب لیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
 میں ہی تو ایک از تھا سینہ کائنات میں





اگر کج رو ہیں اسبم آسمان تیرا ہے یا میرا
 مجھے فکر جہان مچو، جہاں تیرا ہے یا میرا؟
 اگر ہنگامہ ہے شوق کے ہے لامکان خالی
 خطا کس کی ہے کیا بے لامکان تیرا ہے یا میرا؟
 اُسے صبح ازل انکار کی خیرات ہوئی کیونکر
 مجھے معلوم کیا وہ ازوان تیرا ہے یا میرا؟
 مستند بھی ترا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
 مگر یہ حرف شیریں جہاں تیرا ہے یا میرا؟

اسی کو لب کی تابانی ہے تیرا جہاں روشن
 زوالِ اہم حاکم کی زبان تیرا ہے یا میرا؟



ترے شیشے میں سے باقی نہیں ہے
 بتا، کیا تو مرا باقی نہیں ہے
 سمندر سے ملے پیاسے کو شبِ بنم
 بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے



۳۴۶
 بالِ جبریل
 ۲۲



کیسے تائب دار کو اور بھی تائب دار کر
ہوش و خروش کار کا قلب و نظر شکار کر
عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود اشکار ہو یا مجھے اشکار کر
تو ہے محیطِ بے لہر ان میں نہوں ذرا سی آنجو
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر
میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے لہری ابرو
میں ہوں خرف تو تو مجھے کو ہر شاہوار کر
نغمہ نو بہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو
اس دہم سیم سوز کو طائر لب بہار کر
باغ بہشت سے مجھے حکیم سفر و یا تھا کیوں
کا جہاں دراز ہے اب مرا منت دار کر

روزِ حساب جب مرا پیش ہو دستِ عمل
اپ بھی شرمسار ہو، مجھ کو بھی شرمسار کر



اثرِ کرے نہ کرے سن تو لے مری فریا
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندِ آزاد
نیشہ خال یہ صحرایہ وسعتِ افلاک
کرم ہے یا کہ ستم تیری لذتِ ایجا
ٹھہر سکا نہ ہوائے چمنِ خمیرِ گل
یہی ہے فصلِ بہارِ مری یہی ہے باہِ مراد
قصود از غریب الدیار ہوں کین
تراختہ از فرشتے نہ کر کے آبا
مری جفا طلسی کو دعائیں دیتا ہے
وہ دشتِ سادہ وہ تیرا جہانِ بے بنیا
خطرِ پندِ طبیعت کو سازگار نہیں
وہ گلستانِ جہاں لکھت میں چوسیا

مقامِ شوق تھے قدیم کے بس کا نہیں
انھی کا کام ہے یہ جن کے وصلے ہیں زیا



۳۴۸
بالِ جبریل
۲۴



کیا عشق ایک زندگی ستارہ
کیا عشق پتہ دار سے ناپا تدار
وہ عشق جس کی شمع بجھائے اجل کی چھوٹ
اُس میں مزا نہیں شوقِ منتظر کا
میری بساط کیلئے تبتاب یک نفس
شعلے سے بے محل ہے الجھنا شرار کا
کرہے مجھ کو زندگی بسا دو اعلیٰ
پھر ذوق و شوق دیکھ دل بے قرار کا

کاشا وہ دے کہ جس کی لٹک لٹکال ہو
یارب وہ درج جس کی لٹک لٹکال ہو



دلوں کو مرکزِ مسنونہ کر
حریمِ کبریا سے آشنا کر
جسے نامِ جوین بخشی ہے تُو نے
اُسے بانٹتے حشر بھی عطا کر



پریشان ہو کے میری خالِ اخروں نہ بن جائے
جو شکل اب ہے پارِ پھر ہی شکل نہ بن جائے
نہ لڑیں مجھ کو مجبور نہ افر و س میں خوں
مرسو زردوں پھر کر محسن نہ بن جائے
کبھی چھوٹی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے اسی
لٹکتی سی جو سینے میں غم منزل نہ بن جائے
بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو
یہ میری خود نگہداری مرا حسن نہ بن جائے
کہیں اس عالم بے رنگ و بو میں بھی طلب میری
وہی افسانہ دُنب اکبر حسن نہ بن جائے

عروجِ اوجِ خالی سے انجم سے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تار اسہِ کامل نہ بن جائے



دگرگوں سے جہاں تاروں کی لڑش تیز ہے ساقی
دلِ ہرورہ میں غوغا ہے رستا خیز ہے ساقی
مستاع دین و دانش لٹ لٹی اللہ والوں کی
یہ کس کا فراوانِ کاسرہ زخوں ریز ہے ساقی
وہی بریں سیاری وہی ناکسلی ل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاطِ اندیز ہے ساقی

۳۵۰
بالِ جبریل
۲۶

حرم کے دل میں سوز آرزو پیدا نہیں ہوتا
 نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجب کس لالہ اروس سے
 نہیں کیا امید قبل اپنی کشت ویران سے
 کہ پیدا کی تری ایتنا حجاب کبیر ہے ساقی
 وہی ایتنا بل ایران وہی کبیر ہے ساقی
 ذرا تم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی
 فقیر راہ کو بخشے اسرارِ سلطانی
 بہا سیری نوالی دولت کو نیز ہے ساقی



لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
 تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
 مری سینے غزل میں تھی فاسی باقی
 شہر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تھی
 عشق کی تیغ جلدوار اڑالی کس نے
 سینہ روشن ہو تو ہے زرخیز عین حیا
 تو مری ات کو ہمتا ہے محروم نہ رکھ
 ہاتھ آجاتے مجھے میرا مقام اے ساقی
 ایتنا ہے ترافض ہو جام اے ساقی
 شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی
 رہ لے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی
 علم کے ہاتھ میں خالی ہے پیام اے ساقی
 ہونہ روشن تو سخن مراد ام اے ساقی
 ترے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی



مٹا دیا مرے ساتی نے عالم من تو
 نہ مے نہ شعر نہ ساتی نہ شور چنگ و باب
 کہلاتے مے کہہ کی شان بے نیازی کچھ
 مرا سب جو غنیمت ہے اس زمانے میں
 میں تو نیاز ہوں مجھ سے حجاب ہی اولیٰ
 اگرچہ بھری موجوں میں ہے مقام اس کا
 جمیل تر ہیں گل و لالہ فیض سے اس کے
 پلا کے مجھ کو مے لالہ الہ الہ الہ
 سکوت کو وہ دلچسپے ولالہ خود روا
 پہنچ کے چشمہ حیاں یہ توڑتا ہے سبوا
 کہ خافتا ہوں خالی ہیں صوفیوں کے لہو
 کہ دل سے بٹھکے ہے میری نگاہ بے قابو
 صفائے پالی طہنت سے ہے نرس کا ضمور
 نگاہ شاعر نکس تو امیں ہے جادو



متاع بے بہا ہے درو سوز ارزو مندی
 ترے آرزو بندوں کی نہ دنیا نہ وہ دنیا
 حجاب کسیر ہے اوار کوئے محبت کو
 مقام بندگی کے نہ لوں شایخ و زیدی
 یہاں مرنے کی پابندی ہاں جہنم کی پابندی
 بری آتش کو بھڑکاتی ہے تیرنی یہ پیوندی

گزراوقات کرلیا ہے کیوہ بیاہاں میں
 فیضیاں نظر تھا یا لبت کی خست تھی
 کہ شاہیں کے لیے وقت ہے کاراشیاں بند
 رکھتے کس نے ستمیل کو ادب فرزندی
 زیارت کاہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری
 کہ خاک راہ کو میں نے بست یا راز الوہی
 بری شاطلی کی لیا ضرورت حسین سنی
 کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی جنابندی



تجھے یاد کیا نہیں ہے مے دل کا وہ زمانہ
 یہ بیان عصر حاضر کہ بنے ہیں نئے میں
 وہ ادب کہ محبت وہ نیکہ کا تازیانہ
 نہ اداسے کا فرمانہ نہ تر اشیر آزارانہ
 یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ نقص نہ اشیانہ
 کہ عجم کے مے لہو میں رہی ہے مے مغنا
 انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ
 جملہ شہید کیا ہے تب تاب جاودانہ
 نہ جگہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ
 تھے یا د کیا نہیں ہے مے دل کا وہ زمانہ
 یہ بیان عصر حاضر کہ بنے ہیں نئے میں
 نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشہ فرات
 رگ تال منتظر ہے تری بارش کہ م کی
 مے ہم مغیرا ہے بھی اثر بہار سمجھے
 مے خال و خوں کے ٹونے یہ جہاں کھایا پیدا
 تری بند پڑی مے دن گزرا ہے ہیں





ضمیرِ لالہ سے لعل سے ہو البسیر
 بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بسا لاپنی
 پرانے ہیں یہ ستارے فلک بھی فرسودہ
 کسے خبر ہے کہ ہنکارِ نشو و نما کیا
 نہ چھین لذتِ اسحق کہی مجھے
 دل غمیں کے موافق نہیں ہے موسمِ گل
 حدیثِ بے خبراں ہے تو بازمانہ بسا
 اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز
 کیا ہے اس نے فقیروں کو وارثِ پرویز
 جہاں وہ چاہے مجھ کو لہو ابھی نوخیز
 تری نگاہ کی لڑشس ہے میری شہز
 نہ لڑگو سے تغافل کو التفاتِ امیر
 صدائے مرغِ چین ہے بہت نشاطِ گھمیز
 زمانہ باتوں باز تو بازمانہ ستیز



وہی میری کم نصیبی وہی میری بے نیازی
 میں کہاں ہوں تو کہاں ہے یہ کہاں کا مکان
 اسی شمش میں لڑیں مری زندگی کی آہیں
 مے کا کچھ نہ آیا کیا کمال نے نوازی
 یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری شہساز
 کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب بازی

وہ فریب و شاہیں کہ پلاسو لکڑوں میں
 نہ زبان کوئی غزل کی نہ زبان کے باخیر میں
 نہ فیض سرسلطنت میں کوئی امتیاز آیا
 یہ سپہ کی تیغ بازی وہ نگہ کی تیغ بازی
 کوئی کاہ اس کے ٹوٹا کوئی بدکاس سرم
 کہ اس کے رواں میں نہیں ٹوٹے دل نوازی



اپنی جولاں کاہ زیر آسمان سمجھا تھا میں
 بے حجابی سے تیری ٹوٹا نکا ہوں کا طلسم
 کارواں تھک کر فضا کے پیچ و نسیم میں لیا
 عشق کی اک جست کے طے کر دیا قصہ تمام
 کہ کہیں از محبت پڑہ دار پہلے شوق
 اس کے گل کے گھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں
 اک رواں نیلوں کو آسمان سمجھا تھا میں
 مہر ماہ و شتری کو ہم عنان سمجھا تھا میں
 اس زمین آسمان کے بے لراں سمجھا تھا میں
 تھی فغان وہ بھی جسے ضبط فغان سمجھا تھا میں

تھی کسی در ماندہ ہر کی صدائے در و مال
 جس کو آواز حسیل کارواں سمجھا تھا میں

۳۵۵
 بال جبریل
 ۳۱

اک زہش نورانی اک زہش برہانی
 اس کی خالی میں اک شے ہے سو وہی
 اب کیا جو فغان میری پہنچی ہے ستاروں
 نقش اگر باطل تکرار سے کیا حاصل
 مجھ کو تو سکھا دی ہے افروز نے زندگی
 تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
 تیرے بھی صنم خانے میرے بھی صنم خانے
 دو دنوں کے صنم خالی دونوں کے صنم فانی

یارب ایہ جہان گزراں خوب ہے لیکن
 گو اس کی خدائی میں مہاجر کا بھی ہے ہاتھ
 تو برب کیا ہے نہ ہی اہل حسد را
 کیوں غم اریں مزارِ صفائش و نہر مند
 دنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو حسد اند
 او کشت گل و لاله بخشد بہ خرے چند

حاضر ہیں کلیسا میں کتاب کے گلوں
 احکام کے حق میں مگر اپنے منہ سے
 فروہس جو تیر لے کسی نے نہیں دیکھا
 مدت سے ہے آوارہ اسدال مراد
 فطرت نے مجھے بختے ہیں جو ہر ملکوتی
 درویش خدا مست نہ شرقی ہے غربی
 کہتا ہوں ہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
 اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں سگانے بھی ناخوش
 مشکل ہے کہ ال بندہ حق ہیں حق آندیش
 ہوں آتش نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش
 پرسوز و نطن رباز و نکو بین و لم ازار
 ہر حال میں سیر دل بے قید ہے حرم

مسجد میں فخر الیاس ہے بجز موعظہ و پند
 تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پائند
 افرنک کا ہر قریہ ہے فروہس کی ناند
 کرے اسے اب چاند کی غاروں میں نظر بند
 خالی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند
 لکھ میرا نہ ولی نہ صفایاں نہ سمرقند
 نے ابلہ سب بھوس نہ تہذیب کا فرزند
 میں نہ ہر ملاعل کو کبھی کہہ نہ سکا قند
 خاشاک کے ٹوٹے کو کئے کوہ و ماوند
 میں بندہ مومن ہوں نہیں انہ اسپند
 آزاد و گرفتار تو ہی کیسہ خورسند
 کیا چھینے کا غنچے سے کوئی ذوق شکر خند

چپ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال
 کرتا کوئی اس بند قتلخ کا منہ بند

طعنت پسیدہ بر لکھنؤ نذر شاہ خاندی رقمہ بد عہد کے لعنت و کلام سے زبردستی زور و زور
 کے اور جتنوں کی نذر تہ تیغ ہوئی۔ یہ وہ بظاہر برٹش راج کا جھوٹا علم ہے جس کا مقصد ہے کہ ہندوؤں کو
 ہر روز سید کی باتیں پر دھم کے تحت - "ماہر پائنتا کا دھماکا دینا"

۱. ساسکتا ہر پشائے فطرت میں رز کوڑا
 غلط تھا ہے جنوں کا یہ تیرا اندازہ مورا!
 ۲. خودی سے ہر غلبہ زنگ دلو کو توڑ دینگے ہیں
 یہی ترقید تھی بلکہ ترسجھا نہ رہے سجھا!
 ۳. تلمہ ہندو را غافل تھی عین فطرت ہے
 کہ اپنی صوبہ سے بگڑا رہ سکتا ہر دریا
 ۴. رقابت علم و عرفان میں: غلط بینی ہے ہر ک
 کو وہ صلاح کی کوئی کوس ہے رتبہ اپنا!
 ۵. ہر رز و ریشی کہ موزا کر نہیں دے

۳۵۸
 بال جبریل
 ۳۴

۶. نہ کوئی بڑا غصہ رکھتی ہے ترستنا
 تن آسان پریشوں کو ڈر دینے والی ہے
 ۷. ہمارا اترا پڑ پیسہ وہاں بے ذوق ہے جھپٹا!
 نظر آن نہ لکھ لوئی پشائے فطرت
 ۸. ہر گز نہ کرے ہر سہیل
 ۹. ہر گز نہ کرے ہر سہیل
 ۱۰. ہر گز نہ کرے ہر سہیل
 ۱۱. ہر گز نہ کرے ہر سہیل
 ۱۲. ہر گز نہ کرے ہر سہیل
 ۱۳. ہر گز نہ کرے ہر سہیل
 ۱۴. ہر گز نہ کرے ہر سہیل
 ۱۵. ہر گز نہ کرے ہر سہیل
 ۱۶. ہر گز نہ کرے ہر سہیل
 ۱۷. ہر گز نہ کرے ہر سہیل
 ۱۸. ہر گز نہ کرے ہر سہیل
 ۱۹. ہر گز نہ کرے ہر سہیل
 ۲۰. ہر گز نہ کرے ہر سہیل

حصہ دوم



اعلیٰ حضرت شہید امیر المومنین نادر شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف کرم سے نومبر ۱۹۳۳ء
میں مصنف کو حکیم سنائی غزنوی کے مزارِ رحمت میں کی زیارت نصیب ہوئی یہ چند افکار پریشا
جن میں حکیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی گئی ہے، اس دوسرے قصید کی یادگار میں
پیرِ ملت کیے گئے:

ما از پے سنائی و عطار ایم

سما سکتا نہیں پہناتے فطرت میں مراسوا
فلط بھتا لے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا
خودی سے اس طلسمِ رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھانہ میں سمجھا
نیک پیداکر لے غافل تجلی عینِ فطرت سے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

رقابت علم و فنس میں غلط بینی ہے جس کی
 کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے قیاساً
 خدا کے پال بندوں کو حکومت میں غلامی میں
 زبرہ کوئی الرحمن فوط رکھتی ہے تو استغنا
 نہ کرتا تھیں اسے جبریل میرے جذبِ مستی کی
 تن اس اس عرشوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ



بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
 یہاں ساتی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا
 نہ ایراں میں ہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی
 وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصر کسری
 یہی شیخ حرم ہے جو چہرہ الریج لکھاتا ہے
 گلیم بوڑو و ذوق اویسش چادر زہرا
 حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
 یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ رہے پڑا

نذا اتی کہ اشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
 گرفتہ چنیاں احرام و مٹی خفتہ درخت !
 لب لب شیشہ تہذیب حاضر ہے مئے لائے
 گمر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں سپانہ اُلا
 و بار کھتا ہے اس کو زخمہ ور کی تیز دوستی نے
 بہت نیچے سُروں میں ہے ابھی یورپ کا واولا
 اسی دریا سے اُٹھتی ہے وہ موجِ سند جولاں بھی
 ٹہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا



غلامی کیا ہے ذوقِ حسنِ زیبائی سے محرومی
 جسے زیب اکھیں آزاد بندے سے وہی زیبا
 بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
 کہ دنیا میں فقط مروانِ خسرو کی آنکھ ہے بینا

* یہ مصرع حکیم سنائی کا ہے

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
 زمین کے سمندر سے نکالا لوہرِ سرور
 فرنگی شیشہ لڑکے فن سے پتھر ہو گئے پانی
 مری اسیر نے شیشے کو بخشی سختی حصار
 رہے ہیں اور ہیں عین میری لحات میں اب تک
 مگر کیا نسیم لہ میری استیں میں ہے یہ بیضا
 وہ چنکار خی س و خاشاک سے کس طرح دے جاتے
 جسے حق نے کیا ہونمستاں کے واسطے پیدا
 محبتِ خویش تن مہنی، محبتِ خویش تن داری
 محبتِ استانِ قصیدہ کسری سے بے پروا
 عجب کیا لڑمہ و پرویں کے پنجہ ہو جاتیں
 کہ فرستہ ال صاحب دولتے بستم سر خود را

۳۶۲
بالِ جبریل

۳۸

• یہ مصرع مرزا صاحب کا ہے جس میں صرف ایک لفظ تغیر کیا گیا

وہ دانستے سبیل ختم الرسل، مولائے کل جس نے
 غبارِ راہ کو بخشایا و غروبِ وادیِ سین
 نگاہِ عشقِ دوستی میں وہی اول وہی آخر
 وہی شکر وہی شرفان وہی سین وہی طہ
 سنانی کے ادب سے میں نے غواصی کی ورنہ
 ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولتے لالا



یہ کون غزل خواں ہے پر سوز و نشاطِ گھمیز
 گرفتار بھی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ
 اب حجبِ قہقہوں میں وہ فقر نہیں ہوتا
 اچھے سلقہ درویشانِ مہرِ خدا کیسا
 جو ذکر کی لہری سے شعلے کی طرح روشن
 کرتی ہے ملکیتِ آثارِ حسنوں بیدا
 اندیشہ دانا کو کرتا ہے حسنوں آمیز
 ناچختہ ہے پر یزی بے سلطنت پر یز
 خونِ دل شیرازِ حسن فقر کی دستاویز
 جو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستاخیز
 جو فکر کی نیریت میں بجلی سے یاد تیرا
 اللہ کے شتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

یوں اوسخن مجھ کو دیتے ہیں اقبال پائیں
یہ کافر مندی ہے لیکن سنناں خوں



وہ حرفِ از لہ مجھ کو سلکا لیا ہے جنوں
ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
حیات کیا ہے خیالِ نظر کی محذوبی
عجب مزائے مجھے لذتِ خودی دے کر
ضمیرِ مالِ ونگاہِ بند دوستی شوق
سبقِ ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
یہ کائنات ابھی نامِ تمام ہے شاید
علاجِ آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
خدا مجھے نفسِ جبریل دے تو کہوں
وہ خود فراخیِ افلاک میں ہے خوار و زبوں
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے لونا لوں
وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں رہوں
نہ مال و دولتِ قارون نہ فکرِ افلاطون
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گمراہوں
کہ اسی ہے مادمِ صدائے کن فیکون
تری خروپے غالبِ سرخیوں کا فصول

اُسی کے فیض سے یہی ننگا ہے روشن
اُسی کے فیض سے یہی سب بو میں ہے جھول

۳۶۴
بالِ جبریل
۲۰



عالم آب و خاک و باد و استرعیان ہے تو کہ نہیں
 وہ جو نظر سے ہے نہاں اُس کا جہاں ہے تو کہ نہیں
 وہ شب و روز و عین و غم کہتے ہیں زندگی جسے
 اُس کی سمجھ ہے تو کہ نہیں اُس کی ازاں ہے تو کہ نہیں
 کس کی نود کے لیے شام و سحر ہیں کریم
 شانہ روزگار پر بارگراں سے تو کہ نہیں
 تو کفِ ناک و بے بصر، نہیں کفِ ناک و خود فکر
 کشت و جو کے لیے آب و ایں ہے تو کہ نہیں



(لندن میں کہتے گئے)

تو ابھی رہ کُڑ میں ہے قیدِ محنتِ مہر سے کُڑ
 مہر و حجاز سے کُڑ، پارس و شام سے کُڑ

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
 حورِ خیام سے لوز، بادہ و جام سے لوز
 کرچہ ہے دلکش بہت حسنِ فرناں کی ہر
 طائرِ بلبلِ دباں دانہ و دام سے لوز
 کوہِ شکافِ تیری ضربِ تجھ سے نشا و شرق و غرب
 تیغِ ہلال کی طرح عیشِ نیام سے لوز
 تیرا امام ہے حضورِ تیری نماز ہے سرور
 ایسی نماز سے لوز، ایسے امام سے لوز



امینِ ازل ہے مژانِ حشر کی روشنی
 کہ جبریل کے ہے اس کو نسبتِ عیشی
 کئے خبر کہ سفینے ڈبو چلی کتنے
 فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی
 نگاہِ کرم کہ شیریں جسے چوٹ اڑ جائیں
 نہ اہِ سکر کہ ہے کو سفندی و میشی
 طبیبِ عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
 ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نمیشی

۳۶۶

بالِ جبریل

۴۲

وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جانِ مالِ جسے
یہ ملک و نعم یہ لہو آب و نال کی ہے بیشی



پھر چراغِ لال سے روشن ہوئے کوہ و دامن
پھول ہیں صحرا میں یا پر پانِ قطار اندِ قطار
بر بلبل پر رکھ گشتی شبنم کا موتی با و صبح
حُسن بے پروا کو اپنی بے نعلانی کے لیے
اپنے من میں ٹوب لہر پا جا سرِ غرِ زندگی
من کی دنیا! من کی دنیا سوستی جذبِ شوق
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو بھر جاتی نہیں
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افریقی کاراج

مجھ کو پھر غمِ یوں یہ اکسا نے لگا مرغِ حمن
اُورے اُورے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرِ حمن
اور چمکتی ہے اس موتی کو سوچ کی لہرِ حمن
ہولِ الرشمہ کے بن سارے تو شہرِ اچھے کہ بن
تو الرمیر انہیں غنائہ بن اپنی پستِ حمن
تن کی دنیا! تن کی دنیا سو دو سو اُمل و فن
تن کی دولت چھاؤں کے آتے ہیں حمن جاتا حمن
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

پانی پانی لہر لہتی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو تجھ کا جب غمیرے آگے نہ رہتا تیرا تن



(کابل میں لکھے گئے)

مسلمان کے لئے عیسٰی سلیقہ دل نوازی کا
مروت حسن عالم گیر ہے مروان غازی کا
شکایت ہے مجھے یارب! خداوندِ مہربان سے
سبق شاہین بچوں کو دے ہے ہیں خالہ باری کا
بہت عت کے پنچھروں کا انداز نگہ بدلا
کہ میں نے فاش کر ڈالا طریقہ ہبازی کا
قلندر جزو و حرف لا الہ لکھ بھی نہیں لھتا
فقیہ شہر قاروں ہے لغت طے حجازی کا
حدیث بادہ و سناو جام اتی نہیں محلو
نہ کر خارا شکافوں سے متقاضی شیشہ سازی کا

کھان کے ٹونے اے اقبال سیکھی سے دیروشی
کہ چرچا پاؤں شاہوں میں تیری بے نیازی کا



عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زریں
عشق سے مٹی کی تصویر میں مژدہ دم
اومی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شبنم گل ہیں طیس سحر باوچ گھری کا نم
اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے لہو دارا و جسم

۳۶۸
بال جبریل
۲۲

دل کی آواز دہی شمشاد کی شکم سامان ہو
فصلہ تیرے ہاتھوں میں دل یا شکم
اے سلمان اپنے دل سے پوچھ لے نہ پوچھ
ہو لیا اللہ کے بندوں سے غی غالی حرم



دل سوئے خالی ہے بندہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے مال نہیں ہے
بے وقاحتی بھی اسی حال میں نہیں ہے
غافل! تو نیرا صاحب اور مال نہیں ہے
وہ انگلہ کہ ہے سرِ آفرین کے روشن
پر کار و سخن ساز ہے نہ مال نہیں ہے
کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی
اُن کا سر اسن بھی ابھی چال نہیں ہے
کب تک ہے محکومی اس بزم میں غی خال
یا نہیں نہیں، یا گردشِ افلاک نہیں ہے
بجلی ہوں نطنز و بیا باں ہے میری
یسے لے شایاں خس و غاشاک نہیں ہے
عالم ہے فقط مومن جان باز کی سیرا
مومن نہیں جو صاحبِ لال نہیں ہے



ہزار خوف ہو لیکن زبان جو دل کی رسیق
یہی ہے ازل سے قلندر کا طریق

ہجوم کیوں ہے زیادہ شربِ خا میں
 علاجِ ضعفیت میں ان کے نہیں سکتا
 فقط یہ بات کہ پیر میں ہر دلیق
 غریب اگرچہ ہیں رازی کے گنتے وقت
 خدائے بڑے شیعہ کو بھی تو مسیق
 نفل میں اس کی ہیں بات بتا جع عتیق
 ہزار شکر کہ ملا ہیں صاحبِ بدیق
 نہ ہو تو مردِ سماں بھی فتنہ زدیق
 اگر ہر عشق تو ہے فتنہ بھی سلمانی



نو چھپا سکے کہ مقبول ہے فطرت کی کو بھی
 کافی ہے مسلمان تو یہ شایہ فقیری
 نو صاحبِ بے نزل ہے کہ بھٹکا ہوا رہی
 موہن ہے تو کرتا ہے فقیر میں بھی شایہ
 کافی ہے ہر شوشیر پتہ ہے بھروسا
 کافی ہے تو ہے تابعِ تہدِ مسلمان
 موہن ہے تو وہ اپنے تفتِ مریدانی
 موہن ہے تو ہے تہدِ مسلمان
 نہیں نے تو کیا پردہ اسرار کو بھی چا
 دیرینہ ہے تہدِ مرضی کو نکاہی

۳۷۰
 بالِ جبریل
 ۲۶



(مطلب میں لکھتے گئے)

یہ خوریاں سنسنی دل و نظر کا حجاب
دل و دھڑکن کا سینہ سنبھال کر لے جا
جہاں صوت و صدا میں سانس نہیں سکتی
سکھائیے ہیں اسے شیوہ ہائے خاموشی
وہ سجدہ روح زمیں جس کے گناہ چاتی تھی
سنی نہ مصر و فلسطین میں اذان میں نے
ہوائے قریب شاید یہ ہے اثر سیرا
بہشت مغربیاں جلوہ ہا پاکہ کاب
مستارہ ہیں جس کے چہرہ میں خواب
لطیفہ ازلی ہے فغان چنگ و رباب
فقیہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے غراب
اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و مسرا
ویا تھا جس نے پہاڑوں کو حشر سیاہ
مری نوامیس کے سوز و سرور عہد شباب



دل بیدار فاروقی، دل بیدار کزازی
دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
بسر آدم کے حق میں کیسا ہے دل کی بیداری
نہ تیری ہے کارائی میری ہے بیکاراری

۳۷۱
بال جبریل
۲۷

شام سیر سے ملتے ہیں صحرانِ نشاں میں
 اس اندیشے سے کہ ہمیں کتنا رہوں تک
 خدائے سادہ دل سے کہ صحران میں
 مجھے تہذیبِ حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
 نطنج نہیں سے ہاتھ آتا نہیں آتے تاروی
 کہ منع زاونے لے جاتیں ترمی قسمت کی چکاری
 کہ درویشی بھی عساری ہے سلطانِ بھی عیاری
 کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

توالے مولائے شربتِ آبِ پیری چاڑھ ساقی
 مری اسی کے افرنی میرا ایک سے زنجاری



خودی کی شوخی فتنہ میں کہ راز نہیں
 نگاہِ عشقِ دل زندہ کی تلاش میں ہے
 مری نوا میں نہیں ہے واسے محبوبی
 سوال سے نہ کروں ساقی فرنا کے میں
 جو تہذیبِ عام جہاں میں کبھی حکومتِ عشق
 اک اضطرابِ سلسلِ غیب ہو کہ حضور
 جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں
 شکارِ مردہ سزاوارِ شہباز نہیں
 کہ بانگِ صورتِ انیس و ان نہ نہیں
 کہ طبعِ رقیقہ زندانِ پال باز نہیں
 سبب یہ ہے کہ محبتِ زمانہ ساز نہیں
 میں خود کہوں تو مری استاں و راز نہیں

۳۷۲

بالِ جبریل

۲۸

اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھ زبور مجھ
فغان نیم شبی بے نوائے راز نہیں



میر سپاہ ناسزا بشکریاں شکستہ تصف
تیرے محسوس میں کہیں ہر بندگی نہیں
عشق بتا کہ ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوبا
کھول کے لیا بیاں لرون ستر معام مرل عشق
صحبت پیروم سے مجھ پہ ہوا یہ از فاش
مثل کلیم ہوا اگر مع کہ از مالوئی
خیر نہ کر سکا مجھ جلوہ دہش فرزند
آواہ تیریم شمس کل نہ ہو کوئی ہدف
ڈھونچکا میں موج و تھک چکا صد فصد
نقش و نگار ویر میں غم جن بسر نہ کرتلف
عشق کے مرل با شرف مرل حیات کے شرف
لاکھ حکیم نہ بھیت ایک کلیم سے جنت
اب بھی دخت طوس سے اتنی ہے بانہد لا
دست ہے میری آنکھ کا حال بدینہ و



(یورپ میں لکھے گئے)

مستان ہوا میں کرچہ تھی شمشیر کی تیری
نیچھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آج سحر خیزی

کہیں سب پریشان گمراہی میری کم آری
 زمام کارِ رمز و ور کے ہاتھوں میں ہو پھر لیا
 جلالِ پاؤں شاہی جو کہ جمہوری تماشا ہو
 سوارِ روضۃ اللبرے میں ولی ماؤتی ہے
 کہیں سب پریشان گمراہی میری کم آری
 طریقِ کوہن میں بھی جیسی جیسے ہیں پروری
 جدِ ہویں سب سے توجہ جاتی ہے چندیزی
 وہی عبرت و عظمت پریشانِ الٰہی زری



یہ دیر کس کیلئے انبارِ خس و خاشاک
 نطفِ خورشید کی کائناتِ سودا کی فستاک
 کھویا کیا جو مہلتِ دوست و دولت میں
 اک شریعِ سلماں اک جذبِ سلماں
 لے کر ورنہ نہ رہے جذبِ سلماں
 رمزیں ہیں محبت کی تسخیر بے باکی
 مشکل ہے لڑ اس میں نہالہ آتش ناک
 نطفِ خورشید کی کائناتِ سودا کی فستاک
 سمجھئے کہ توجہ تک بے رنگ ہے ہوا و اک
 ہے جذبِ سلماں سرِ فلکِ الافلاک
 نے راہِ عمل پیدا نے شاخِ یقین نہ مال
 ہر شوق نہیں ستاخ ہر جذب نہیں بے باک

فارغ تونہ بیٹھے کا محشر میں بنوں میرا
 یا اپنا لرباں حال یاد میں نرواں حال!

۳۷۴
 بالِ جبریل
 ۵۰



کمالِ ترک نہیں آسبِ کل مجبوری
 نہیں ایسے فقے کے اے اہلِ حلقہ باز آیا
 نہ فقے کے لیے موزوں نہ سلطنت کے لیے
 سُننے نہ ساقی نہ دشمن تو اور بھی تھا
 حکیم و عارف و صوفی تمام سب ظہور
 وہ ملتفت ہیں تو کُنجِ قفس بھی ازادی
 بُرانہ مانِ ذرا آزما کے دیکھ اے
 کمالِ ترک ہے تخیلِ کبر کی و نوری
 تمہارا فقہ ہے بڑا ہوتی و نجوی
 وہ قوم جس نے لٹوایا ہستی و سموری
 عیارِ کرمی صحت ہے مردِ ندوری
 کسے خبر کہ تجلی ہے عینِ ستوری
 نہ ہوں تو صحنِ سپن بھی مقامِ مجبوری
 فرنگِ دل کی غرائی خرد کی سموری



عقل کو آستان سے دُور نہیں
 دل بیٹنا بھی کہ خدا سے طلب
 علم میں بھی سُرور ہے لیکن
 اس کی تعتیر میں حضور نہیں
 آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
 یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
 اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے
 ناہم سبوری ہے زندگی دل کی
 بے حضور ہے تیری موت کا راز
 ہر گھر نے صدف کو توڑ دیا
 'آرئی' میں بھی کہہ رہا ہوں مگر

ایک بھی صاحب سہو نہیں
 اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں
 آہ وہ دل کہ ناہم سبوری نہیں
 زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں
 تو ہی آمادۂ ظہور نہیں
 یہ حدیث کلیم و طور نہیں



خودی وہ بھر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
 طلسم سب کے لہروں کو توڑ سکتے ہیں
 خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں
 ترمیم نام کو خیمہ شناس کیا جانے
 یہین ہشت بھی ہے خور و جبریل بھی ہے
 مرے جنوں نے زمانے کو خوب چپا

تو اب جو اسے سمجھ کر تو چارہ نہیں
 زجاج کی یہ عمارت سنگ خارہ نہیں
 مگر یہ چھ سہ مرد و بیچ کا رہ نہیں
 کہ خاک زندہ ہے تو تابع ستارہ نہیں
 ترمیم نام میں ابھی شوخی نطفہ رہ نہیں
 وہ سپہن مجھے بخشا کہ پارہ پارہ نہیں

غضب عین کرم نہیں ہے فطرت
کہ عمل ناب ہیں شش تو ہے شر نہ ہیں



یہ پیام دے لیتی ہے مجھے باوجود گناہی
ترمی ندلی اسی سے تری برو اسی سے
نہ ویا نشان سنزل مجھے اے حکیم تو نے
مرے صلت سے سخن میں ابھی تر بیت ہیں
یہ معاملے ہیں نازک جو تری ضرر ہو تو
تو ہما کہ ہے شکاری ابھی ابتدا ہے تیری
تو عرب یا عجم ہو ترا لا الہ الا
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مہتمم پادشاہی
جو رنجی دی تو شاہی نہ رہی تو رویہ ہی
مجھے کیا کلمہ ہو تجھے تونہ رہشیں نہ راہی
وہ کلام کہ جانتے ہیں وہ رسم کج گلاہی
کہ مجھے تو خوش نصیب آیا یہ طریق خانقاہی
نہیں صلیحت کے خالی یہ جہان مرغ واپہی
نعت غریب جب تک ترا دل نہ دے راہی



ترمی نگاہ فرمایا ہاتھ ہے کوتاہ
گلا تو کھنٹ دیا اہل دین نے ترا
ترا کٹ نہ کہ نخیل بلند کا ہے لہا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

خودی میں کلم خجے آئی تلاش لر غافل !
 حدیث دل لسی روشنی کے پوچھ
 برہنہ ہے تو عنہ ہم بلند پروردگار
 نہ ہے ستارے کی گردش بازی افلاک
 اٹھا میں رسد خانقاہ عیسیٰ نام

یہی ہے تیرے لیے اصلاح کار کی اُ
 خدا کرے تجھے تیرے مقام کے گاہ
 یہاں فقط شہر ہیں کے واسطے گلاہ
 خودی کی ہوتے تیرا زوال نعمت جاہ
 نہ زندگی نہ محبت نہ موفت نہ زکاء



خوف کے پاس کے سو اچھ اور نہیں
 ہر اک مقام کے مقام ہے تیرا
 گراں بہا ہے تو جھنڈ خودی کے دئے نہ
 رکوں میں گردش خوئی کے اکر تو کیا حاصل
 عروس لالہ مناسب نہیں مجھ سے حجاب
 جسے کہتے جھٹے ہیں جب افرین نک
 بڑا الیم ہے قہر سال بے رنوا لیکن

ترا حلاج نط کے سو اچھ اور نہیں
 حیات فوق ہف کے سو اچھ اور نہیں
 گھر میں اب کے سو اچھ اور نہیں
 حیات سے بڑھ کر کے سو اچھ اور نہیں
 کہ میں سیم کے سو اچھ اور نہیں
 وہ سے متاع ہن کے سو اچھ اور نہیں
 عطا شعلہ شے کے سو اچھ اور نہیں

۲۶۸
 بال جہیل
 ۵۲



نگاہِ مست میں شاہِ سکنہ می کیا ہے
 بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیری
 فلک کے اُن کو عطا کی ہے جس کو جنیں
 فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
 اسی خط سے عتابِ فلک سے مجھ کو
 کسے نہیں تیرے لئے سرور می لکین
 خوش آلتی ہے جہاں کو قلندری میری
 خراج کی جو کدا ہو وہ قصیری کیا ہے
 مجھے بت تو ہی اور کانہ سری کیا ہے
 خنہ سریں ریش بند پوری کیا ہے
 نہ ہونگاہ میں شوخی تو لب سری کیا ہے
 کہ جانتا ہوں مالِ سکنہ می کیا ہے
 خودی کی موت ہو جس میں سرور می کیا ہے
 ورنہ شعر مرالیا ہے شاعری کیا ہے



نہ تو زمیں کے لیے نہ آسمان کے لیے
 عیقل و دل میں شہِ شعلہ محبت کے
 مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ سپن
 نہ سیرِ گل کے لیے ہے نہ اشیاں کے لیے
 جہاں سے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لیے
 وہ خار و جس کے لیے ہے یہ بیتاں کے لیے
 نہ سیرِ گل کے لیے ہے نہ اشیاں کے لیے

رہے کاراویں و سبیل و فرات میں کتک
 ترسفیہ نہ کہ ہے بھر بے لہر اس کے لیے
 نشان راہ دکھاتے تھے جوتاروں کو
 ترس گئے ہیں کسی مڑ راہ اس کے لیے
 نہ کہ بے سخن دل نواز جاں پر سوز
 یہی ہے رختِ سفر میر کا و اس کے لیے
 و اسی بات تھی اندیشہ عجم کے لیے
 بڑھا دیا ہے فقط زریہ استار کے لیے

ہر کے جلو میں کے ال نغمہ جبریل آشوب
 سنبھال کر جسے رکھتا ہے لامکاں کے لیے



تو اے اسے میر کاں! لامکاں کے دور نہیں
 وہ جلوہ گاہ ترے خال داں کے دور نہیں
 وہ مرغزار کہ نیم سزاں نہیں جس میں
 غمیں نہ ہو کہ ترے اشیاں کے دور نہیں
 یہ ہے حلاوتِ علم قلمِ مدحی حیات
 خدائے مست ہے بسین لیاں کے دور نہیں
 فضا تری مڑ پر میں کے ہے ذرا اس کے
 قدم اٹھائے امتِ اسم اس کے دور نہیں
 کہ نہ راہ سے کہ چھوٹے مجھ کو
 یہ بات اہر و نکتہ داں سے دور نہیں



(یورپ میں لکھے گئے)

جس نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ
سکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ برندانہ
نہ بادہ ہے نہ صراحتی نہ دورِ پیش
فقط نکات سے نکلیں ہے بزمِ جانانہ
مری نواتے پریشاں کو شاعری سمجھ
کہ میں چوں محرم از دُورِ مہینہ
کلی کو دیکھ کہ ہے تشنہِ نسیمِ سر
اسی میں ہے مے دل کا تمام افسانہ
کوئی بتائے مجھے یہ عیاں ہے کہ حضور
سب ثنا ہیں یہاں ایک میں چوں بیگانہ
فرنگ میں کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤں
مے جُسنوں کو سنبھالے الریہِ برانہ
مقامِ عقل سے اسان لڑیا اقبال
مقامِ شوق میں لھو یا لیا وہ فرزانہ



افداک سے آتا ہے مالوں کا جوابِ آخر
کرتے ہیں خطا کے آخر اٹھتے ہیں حجابِ آخر

احوال محبت میں کچھ فرق نہیں آیا
 میں سمجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم لیا ہے
 میخانہ یورپ کے دستور نرالی ہیں
 کیا وہ نہ ناور کیا شوکت سموری
 خلوت لی لٹری کزری خلوت لی لٹری آتی
 سو تو کتاب اول سو تو کتاب آخر
 شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر
 لاتے ہیں سحر اول دیتے ہیں شراب آخر
 ہو جاتے ہیں سب فخر غرق مے تناب آخر
 چھٹنے کو ہے کجی سے آغوش سحاب آخر

تھا ضبط بہت مشکل اس سبیل معانی کا
 کہ وہ ڈالے قلند نے اسرار کتاب آخر



ہر شے مسافر ہر چیز راہی
 تو مرد میدان تو ملیش شیر
 کچھ تدر اپنی تو نے نہ جانی
 دنیائے دُوں کی کب تک عنادی
 چیرہم کو دیکھا ہے میں نے
 کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی
 نوری حضور تی سیر سپاہی
 یہ بے سواوئی یہ کلم نکاہی
 یار اہر سب کر یا پاؤش ہا
 لڑا رہے سوز، گفتار و اہی



ہر چیز ہے محو خود ناساتی
 بے ذوق نمود زندگی، موت
 راتی زور خودی سے پرست
 تارے آوارہ و کلم ایسے
 یہ پیلے پہر کا زور و چپا
 تیری قندیل ہے ترا دل
 اک ٹو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
 ہیں عقد کشا چہ نہ صبرا
 ہر روزہ شہید کبریا تی
 تعمیر خودی میں ہے حسدائی
 پرست ضعف خودی سے اتی
 تفتدیر وجود ہے حسدائی
 بے راز و نیاز آشنائی
 تو اس کے اپنی روشنائی
 باقی ہے نمود سیمائی
 کم کر کلمہ برہنہ پائی



اعجاز ہے کسی کا یا کر و شہر زما
 تعمیریاں سے نہیں نے یہ از پائیا
 ٹوٹا ہے ایشیا میں سحر فرنگیانہ
 اہل نوا کے حق میں بجلی ہے ایشیانہ

یہ بندگی خدا کی، وہ بندگی کہ ان کی
 یا بندہ خدا بن یا بندہ زمانہ
 غافل نہ ہو خودی سے کہ اپنی پاسبانی
 شاید کسی حرم کا تو بھی ہے اسٹانہ
 اے لا الہ کے وارث باقی نہیں تھے
 کفایت لوبہ نہ، لہذا رفتا ہر نہ
 تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
 لہو یا لیا ہے یہ جذب قلندرانہ

راز حرم سے شاید قہر سال باخبر ہے
 ہیں اس کی نفست کو لے انداز محرانہ



خرد مندوں سے کیا نوچوں کہ میری ابتدا کیا ہے
 کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری ابتدا کیا ہے
 خودی کو کہ طلب نہ اتنا کہ ہر تدریس سے پہلے
 خدا بندے سے خود نوچے بتا تیری صفا کیا ہے
 مقام نفست کو کیا ہے کہ میں لمبی کر ہوں
 یہی سوزِ نفس ہے اور میری لمبی کیا ہے

نظر آئیں مجھے تفتدیر کی لہریاں اُس میں
 نہ پوچھ لے ہم شیں مجھ سے چشمِ مرسا لیا ہے
 اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنی اس زمانے میں
 تو قبال اس کو سمجھتا مقامِ سرِ لیا ہے
 نوائے صبح کا ہی نے جس کو خوں کر دیا میرا
 خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا لیا ہے



جب عشق سکھاتا ہے ادب کا ہی
 عطار ہو رومی ہو رازمی ہو، عزالی ہو
 نو میدان نہ ہو ان سے لے رہبرِ فرزانہ
 اے طائرِ لاہوتی! اُس رُتق سے ت اچھی
 کھلتے ہیں سلاسونِ اسرارِ شہنشاہی
 کچھ ہاتھ نہیں آتا بے او سحر کا ہی
 کم کوشش تو ہیں کین بے وقوف نہیں ہی
 جس رُتق سے آتی ہو پر از میں عاتہی

✽ جرمنی کا مشہور مجذوبِ فلسفی نطشہ جو اپنے قلبی واردات کا صحیح اندازہ نہ کر سکا اور
 اس لیے اس کے فلسفیانہ افکار نے اسے غلط رستے پر ڈال دیا

و ارادہ کند سے وہ مروت فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں ہوئے اسد اٹھی
آئین جو انمراں حق کوئی بے باکی
اللہ کے شیروں کو اتنی نہیں رہی



مجھے آہ و فغان نیم شب کا پھر پیام آیا
تھمے ہر کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا
ذرا تقدیر کی لہرائیوں میں ڈوب جاتا بھی
کہ اس جنگا سے میں کچھ تیغ بے نیام آیا
یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محراب مسجد
یہاں گئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا
چل اے میری غریبی کا تاشا دینے والے
وہ محفل اٹھ لے جس دم تو مجھ تک ورجام آیا
دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سونا پنا
یہاں مڑتے اسان تھا ہن اسان کے کام آیا

اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
بڑی محنت کے بعد غرور شاہین زیورام آیا



نہ پوٹھیاں شقائق تو میں رہتا نہیں تھی
کہ میری زندگی کیسے یہی طغیان شقائق

منجھے فطرت نہ پیرے پیرے محبوب کرتی ہے
 وہ آتش آج بھی شیشین بھونک سکتی ہے
 نہ لڑا فرما کا اندازہ اس کی تابانی سے
 دلوں میں لڑنے لڑنے کی لیری کے نہیں اٹھتے
 خزاں میں بھی لڑ سکتا تھا میں صیاد کی زوہیں
 ابھی محض میں ہے شاید کوئی درویش ناباکی
 طلب صبا تو نہ تیرے میری تو پھر کیا شکوہ قی
 کہ بجلی کے چراغوں کے ہے اس جہر کی براقی
 نگاہوں میں الپ سیدانہ ہوا انداز افاقی
 مری غماز تھی شاخ شیشین کی الم اور اقی

الٹ جائیں کی تیریں لاجائیں کی تقدیر
 حقیقت ہے نہیں میرے تختہ خیل کی یہ خلاقی



فطرت کو خود کے زور پر کر
 تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے
 تاروں کی فضا ہے بیکراں
 غریاں ہیں ترے چمن کی حوریں
 بے ذوق نہیں الچہ فطرت
 تسخیر مست نام زباں و بوکر
 کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر
 تو بھی یہ مست نام ارزو کر
 چالب گُل و لالہ کو رفو کر
 جو اس کے نہ ہو کھاؤہ ٹولا!



یہ سپرین کلیسا و صرم اے وائے مجبومی
صلہ ان کی لہو کاوشش کا ہے سینوں کی بے زوی
یقین پیدا کرانے ناوان یقین سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے مغفوری
کبھی حیرت کبھی سستی کبھی آویختگی
بدلتے ہے ہزاروں رنگ میرا اور مجھوی
حد اور اس کے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دُوری
وہ اپنے حسن کی سستی سے ہیں مجبور پیدائی
مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں ایسا بستی
کوئی تفتدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں
نہ تھے ترکان عثمانی سے کم ترکان سیوسی

فقیرانِ سرم کے ہاتھ آفتاب ال ایک کونچو
میسٹر سلطان کو نہیں شاہین کا فوری



تازہ پھر وائش حاضر نے کیا سحر قلم
کڑا عس میں ممکن نہیں بچو کسب
عقل عیت اپنے سو بھیس بنالیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم
عیشِ سنزل ہے غریبانِ محبت چرام
سبافرہیں بظاہر نظر آتے ہیں مقیم
ہے لراں سیر عہم راحلہ و زاوے تو
کوہ و دریا سے کڑا سکتے ہیں مانند نسیم
مرد و ریش کا سر یہ ہے ازادی مرل
ہے کسی اور کی خاطر نصیبِ زوسیم



ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے متحساں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں فیضیاتیں
یہاں سیلٹوں کا رواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم زندہ ہو پر
 چمن اور بھی اشیاں اور بھی ہیں
 اگر لکھو کیا ان شے میں تو کیا نسیم
 مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں
 تو شاہیں بے پروا رہے کام تیرا
 ترے سامنے آسمان اور بھی ہیں
 اسی روز شب میں الجھ کر نہ رہا
 کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں
 کہتے دن کہ تنہا تھا میں جس میں
 یہاں اب کے راز داں اور بھی ہیں



(فرانس میں لکھے گئے)

دھونڈ رہا ہے فرنک عیشِ حیاں کا دوام
 وائے تمنا تے نام وائے تمنا تے خام
 چیرم نے لہا نسیم مری و تداو
 پختہ ہے تیری فغان اب نہ اسے ل میں تھام
 تھا ارنی کو طیس تم میں ارنی کو نہیں
 اس وقت اصرار و امجد چیت اصرام
 کرچے افشا تے سزا دل نظر کی فضاں
 نہ پسین سنا کبھی شوقِ زندانہ عام
 حلفتِ صوفی میں لڑے نم و بے سوز و سنا
 میں بھی ہاشنہ کام تو بھی ہاشنہ کام

۳۹۰
 بالِ جبریل
 ۶۶

عشق تری آہ، عشق تری آہ
 تو بھی انجی نام میں بھی انجی نام
 آہ کہ لکھو یا لکھ نہ لکھ
 ورنہ یہ مال فقیر لطفست ہوم و شام



خودی ہو علم محکم تو غیرت جبریل
 اگر عشق محکم تو حضور افسر
 عذاب و آتش حاضر ہے باخبر ہوں میں
 کہ میں اس آل میں الایا ہوں مثل نسیل
 فریب خورہ منزل ہے کاروان ورنہ
 زیادہ احسن منزل کے نشا وجریل
 نظر نہیں تو مجھے سلفہ سخن میں بیٹھ
 کہ گتہ ہائے خودی پریشاں تیغ ایل
 مجھے دوسرے فرنگ آج یاد آتے ہیں
 کہاں حضو کی لذت کہاں حجاب لیل
 اندھیری شب ہے جا اپنے قافلے سے ہار تو
 ترے لیے مرا شعلہ نواہن دیل

غرب سادہ زنجیریں ہرستانِ محرم
 نہایت اس انجین ابد ہے ارجیل





مکتبوں میں کہیں عین آئی افکار بھی ہے
خانقاہوں میں کہیں لذتِ سر بھی ہے
منزلِ اہلِ ہواں و بھٹی پوشا بھی ہے
کوئی اس قافلے میں تافلہ سارا بھی ہے
بڑھ کے خیر سے میرے خیر وین وطن
اس زمانے میں فانی حیدر سارا بھی ہے
علم کی حکایت بن قدموں کے لیے
لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے

پیرِ سناہ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ
سُست بنیاد بھی ہے آتشِ دیوار بھی ہے



حادثہ جو بھی پڑے اس نال میں ہے
عسکرِ کفر کے امین اور اک میں ہے
زیتارے میں گئے کروٹیں افلاک میں ہے
تیر ہی تھی تیرے مالِ بے مال میں ہے
یا مری آہ میں فانی شہرِ زندہ نہیں
یا دوانم ابھی خیرے خسِ خاشاک میں ہے
کیا عجیب یہی نوا ہے کھر سے
زندہ ہو جائے وہ آتشِ تری خال میں ہے

توڑ ڈالے کی یہی خاکِ طمسِ شبِ روز
گرچہ لکھی ہوئی تقدیر کے پیکل میں ہے



رہانہ حلقہ صوفی میں زمستانی	فسانہ ہاتے کرامت رکھتے باقی
خراب گوشائے سلطانِ خانقاہِ فقیر	فغاں کہ تختِ پستلی سالِ اِزراقی
مرے کی اور محشر کو شہسار اک روز	کتابِ صوفی و ملائی سادہ و راقی
نہ چینی و سربلی و نہ رومی و شامی	سما سکا نہ دھرم عالم میں مردِ آفاقی
مے شہانہ کی مستی تو ہو چلی لیکن	لکھنا سب ٹاپے لوں میں در شہِ ساقی
چسمن میں تلخ نوائی مری لوارا کر	کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ بریاقی
عزیز تر ہے متاعِ امیرِ سلطان سے	وہ شعر جس میں ہو بسلی کا سو بڑا قی



ہوانہ زور سے اس کے گونی لریاں چاک
گرچہ مغربوں کا خون بھی تھا چالاک

مے یقین سے ضمیر حیات کے پر نور
عروج اور حسمانی کے منتظر ہیں تمام
یہی مانہ جانسری کا ناسخ کیا
تو بے بصر ہو تو یہ مانع نگاہ بھی ہے
زمانہ مثل کو سمجھا ہوا ہے شعلہ راہ
جہاں کام سیرت مومن کی

نصیب سید باریب آتش نال
یہ کہستان سیتارے یہ سیکلون افلاک
و مانع روشن دل تیر و فوج بے بال
ولہذا الہی مومن جہاں خوش خاشاک
کے خیر کے خبر بنوں بھی صابہ اور ال
مے ظلم و خجستہ نکتہ لوال



یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کو ہر ایک و نہ
یا سنج و طعنہ دل کا اتین جہاں لیری
یا حیت فارابی یا تاب تب و می
یا عتزل کی روباہی یا عشق بد لہی
یا شرع سلمانی یا دیر کی دربانی
میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں

یا زکی و ازادی اے سمت مروانہ
یا مروستلندر کے انداز ملو کا نہ
یا منکر حلیانہ یا جذب علیمانہ
یا حیلہ اسرہلی یا حملہ ترکانہ
یا نعرہ ستانہ بعبدہ مولد بت خانہ
کچھ کام نہیں غلبہ جرات زندہ



نہ تخت تاج میں نہ لشکر سپاہ میں ہے
 جو بات مرو قلند کی بارگاہ میں ہے
 صنم کہ ہے جہاں اور مروت حق ہے خلیل
 نیکت وہ ہے پوشیدہ لا الہ میں ہے
 وہی جہاں ہے ترا جس کو کرے پیدا
 یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے
 مروت سارے کے مقام ہے جس کا
 وہ شست خاک ابھی اور کان میں ہے
 خبر ملی ہے حیدریان بھروسے مجھے
 فرنگ کہ زریں بے پناہ میں ہے
 تلاش اس کی فضاؤں میں نصیب اپنا
 جہاں تازہ مری اور صوبہ میں ہے
 مرے کہ دو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
 نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے



فطرت نے نہ بخت مجھے اندیشہ چالا
 رکھتی ہے طرقات پر از مری خاک
 وہ خال ہے جس کا جنوں صفت اور اک
 وہ خال کہ جبریل کی ہے جس کے قبا چاک

وہ خالک کہ پروائے شمع نہیں رکھتی
چلتی نہیں پہنائے چمن خستہ خاشاک
اس خال کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ساروں کو عرق



کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
یہ مدرسہ جواں یہ سرور و رعنائی
یہ فلسفی سے نہ ملا ہے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت وہ اندیشہ و غم کاف
فقیہ شہر کی تحقیق لیا مجال
مگر یہ بات کہ میں فحشا ہوں دل کی نشا
خربیسکتے ہیں دنیا میں عشرت پرور
خدا کی دین ہے ساری عین فرما
کیے ہیں فاش رموز تندرستی میں
کہ فکیر و خافتا ہوا ہوا
رشی کے فاقوں کو نمانہ برہمن کا طلسم
عصیانہ ہو تو ظہمی ہے کار بے بنیاد



کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی
کُتار ہے کرتا ہے فطرت کی جانب دی

خالی ہے مگر اس کے انداز میں ہلالی
سکھائی فرشتوں کو اوم کی تڑپ اس نے
رومی ہے نہ شامی ہے کاشی نہ سمرقندی
اوم کو سلجھاتا ہے واجبہ دوزی



نئے نئے رہاؤں، نئے نئے رہاؤں
روشن ہے جامِ شیداب تک
دل ہے سماں میں سیرانہ تیرا
میں جانستاپوں انجام اس کا
ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں
آؤر کا پیشہ حسن اتراشی
تو زندگی ہے پائندگی ہے
جیتا ہے رومی، ہمارا ہے راز حق
شاہی نہیں ہے بے شیشہ بازی
تو بھی نہ سازئی میں بھی نہ سازئی
جس سر کے میں ملاہوں غازی
صرف محبت ترک کی نہ تازی
کا غلبہ لاں حسن ارا لہ بازی
باقی ہے جو لچھ سب خال بازی



گرم فغاں ہے جبریں اٹھ لے لیا قافلہ
وائے وہ رہرو کہ ہے منتظرِ راحلہ

تیری طبیعت ہے اور تیرا زمانہ ہے اور
 تیرے موافق نہیں خانقہ سلسلہ
 دل ہو علام حسد و کالہ امام حسد
 سالک ہوشیار بخت ہے یہ حیلہ
 اُس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں ایک
 کروشش اس کا ہے جس کی باں پر کلہ
 تیرے نفس کی ہوئی آتش گل تیر
 مرغ چمن ہے یہی تیری نو اکاہلہ



مری نو اسے نجات زندہ عارف عامی
 دیا ہے میں نے انھیں فوق آتش آسمانی
 حرم کے پاس کوئی ابھی ہے مریخ
 کہ تار تار ہے جسم مائے احرامی
 حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
 بدلتے رہتے ہیں انداز کوئی و شامی
 مجھے دیکھئے مقام ہیں پختہ کار بہت
 نہ رنگ لائے کہیں تیرے ٹاتھلی خامی
 عجیب ہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کریں
 شکوہ نہ جھوٹ حریف و بطلامی

قبائے علم و ہمت لطف خاص ہے نہ
 تری نگاہ میں تھی میری ناخوش اندامی



۳۹۸
 بال جبریل
 ۷۲



چاہے امت سے لے لڑ لیا مہ نو
 لہاں کس کو مہتر ہو ہے تک دو
 نفس کے زور سے غنچہ واں ہو بھی تو کیا
 جسے نصیب نہیں آفتاب کا پرتو
 نکو پاک ہے تیری پاک ہے دل بھی
 کہ دل کو حق نے کیا ہے نکاو کا پیو
 چپ سکا زخیم باں میں لالہ دل سو
 کہ زکار نہیں جہاں بس مہ جو

ہے نہ ایک غوری کے معر کے باقی

ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمہ خسرو



کھونہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب جوش
 اک جہاں اور بھی ہے جس میں فردا ہے زوش
 کس کو معلوم ہے ہر نکاتہ فردا کا مقام
 مسجد و مکتب و محنت نہ ہیں تہہ سے خموش

میں نے پایا ہے اسے اشکِ گہری میں
 جس نایاب کے خالی ہے صفتِ کالی غوش
 نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
 چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ کلونہ فروش
 صاحبِ ساز کو لازم ہے لعنِ نفل نہ ہے
 گلے کا ہے عینِ لہذا ہنس بھی ہوتا ہے سروش



تھا جہاں سے شیریں شاہد شاہی
 نظر آتی نہ مجھے متافلہ سلاڑی میں
 آج آج نغموں میں ہے فقط زوہی
 وہ شبانی کہ ہے تمہیں عظیم الہی
 لذتِ نغمہ کہاں مرغِ خوش الحان کے لیے
 آہ اس باغ میں کرتا ہے نفس کو تابی
 ایک کسری جویرت ہے سراپا تابی
 ایک کسری جویرت ہے تمام اکاہی

صفتِ برق چلتا ہے مرشدِ بلند
 کبھٹکتے نہ پھریں شلتِ شبِ رہی

۴۰۰
 بالِ جبریل
 ۷۶



ہے یاد مجھے سخت شہانِ خوش آنک
چیتے کا جگر چاہئے شاہیں کا تہس
کر بیل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
دنیا نہیں مزانِ جفا شس کے لیے تنک
جی سکتے ہیں بے روشنی و شرفِ ہنک
بیل فقط آواز ہے طاؤس فقط زنگ!



فقر کے ہیں معجزات تاج و سیر و سپاہ
علم کا مقصود ہے پاکی عتس و خرد
علم فقیر و علیم، فقیر مسیح و علیم
فقر مستانِ نظر، علم مستانِ خبر
علم کا موجود اور فقر کا موجود
فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ
فقر کا مقصود ہے حقیقتِ قلب و نگاہ
علم ہے جو یاتے راہ، فقیر ہے دانائے راہ
فقر میں سستی ثواب علم میں سستی کناہ
اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان لا الہ الا اللہ!

✽ سلمان بسو و سعد سلمان - غزنوی دور کا نامور ایرانی شاعر جو غالباً لاہور میں پیدا ہوا

چڑھتی ہے جب فکر کی سان پہ تیغِ خوبی
ایک سپاہی کی ضربِ تہ تیغ ہے کارِ سپاہ
دلِ الہی خال میں زندہ و بیدار ہو
تیری نکلے توڑ دے آسمانِ مہرِ مہرِ ماہ



کمالِ جوہرِ جنوں میں ہا میں کرمِ طواف
خدا کا شکرِ سلامت ہا حرمِ کا خلاص
یہ نعمتِ مبارک ہو مومنوں کے لیے
کہ ایک زبان میں فقیرِ شہرِ میرے خلاص
ترپ ہا ہے فلاطونِ سیانِ غیبِ جنوں
ازل سے اہلِ حسنہ کا مقام ہے اعرف
ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گر وہ شاہِ شہِ رازی نہ صاحبِ کشف

سُور و سوز میں ناپائدار ہے ورنہ
مے فرنگ کا تہِ جُرب بھی نہیں ناصاف



شہر و ہوشِ ضرور کا معاملہ ہے عجیب
مقامِ شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب
اگرچہ میرے شیعین کا کر رہا ہے طواف
مری نوا میں نہیں طسائر حسین کا نصیب
نسل ہے میں نے سخن رس ہے تیرا عثمانی
نسل ہے کون اسے اقبال کا یہ شعر غریب

سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا
تک ہے جن کے نشیمن ہیں زیادہ قریب

قطعہ

اندازِ بیاں اگرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
یا وسعتِ اندال میں تکبیرِ مسلسل
یا خال کے اغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ ملا و جمادات و نباتات



کلمہ (۱۰)

وہ درہم نامہ مانہ !
کلیں کی ادا سودا عرا نہ !
تبرکے مرا ہر اہن چاکر
بیراہن جنوں کا یہ زمانہ !

۲۲ حصہ (۱۰)

نہدیم بحر میں عوثر سنہل جا
ترپ جا ~~نہدیم بحر میں~~ بیچ کھا کھا کر بدل جا
سینہ کھڑا نہ نہدیم بحر میں
دھو کر جس طرف چاہے نکل جا !

۴۰۴
بال جبریل
۸۰

رُباعیت

رہ و رسم حرم نامحسوس نہ
تبرکے مرا پیرا بہن چال
کلیسا کی ادا سو والہ نہ
نہیں اہل خسوں کا یہ زمانہ

ظلامِ کج میں کھو کر سنہل جا
نہیں ساحلِ ترقی قسمت میں لے موج
ترپ جا، پیچ کھا کھا کر بدل جا
اُبھر کر جس طرے چلے نیکل جا!

مکانی ہوں کہ آزاد مسکاں ہوں
جہاں بیٹوں کے خود سارا جہاں ہوں
وہ اپنی لامکانی میں ہیں مست
مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں!

خودی کی حسرتوں میں گم ہا میں
خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں
نہ دیکھا آنکھ اٹھا لڑ بکودہ دو
قیامت میں کاشا بن گیا میں!

پریشاں کاروبار آشنائی
پریشاں ترمی رنگیں نوائی
کبھی میں ٹھونڈتا ہوں لذتِ وصل
خوش آتا ہے کبھی سوچ بڈائی!

یقین، خلیلِ آتش نشینی
یقین، اللہ ستی، خود کزینی
سُن، اے تہذیبِ بضر کے گرفتار
علامی سے بہتر ہے بستی

عرب کے سوز میں سا عجم ہے
تہی حد تک ہے اندیشہ غرب
سرم کار از توحید بدامم ہے
کہ تہذیب نے ہی جسے سرم ہے

کوئی دیکھے تو میری نوازی
نکھ الووۃ اندازِ زند
نفس ہندی مقامِ ستار می
طبیعت غزنوی قہمت یاز می

ہر اک فترے میں ہے شاید مکھیں دل
اسیرِ دوش و شتر ہے بسین
اسی جلوت ہیں ہے خلوت نشیں دل
غلامِ کر و شتر و رانہیں دل

ترا اندیشہ فکری نہ ہے
یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
ترمی پرواز لولائی نہیں ہے
ترمی آنکھوں میں بجائی نہیں ہے

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
 رہا صوفی ہستی روشن ضمیری
 خدا سے پھر ہی قلب و نظر مائل
 نہیں ممکن ایسی بے فقیہی

خودی کی جستجو میں مصطفائی
 خودی کی جستجو میں کبریا
 زمین آسمان لبریں عرش
 خودی کی زمیں ہے ساری خدائی

نگہ ابھی ہوئی ہے نیک و بومیں
 خرو لھوئی لہی ہے چپا رومیں
 نہ چھوڑے لطف جان بھگاہی
 اماں شاید ملے اللہ لھو میں

جمال عشق وستی نے نوازی
 جمال عشق وستی بے نیازی
 کمال عشق وستی طرف حیدر
 زوال عشق وستی حرفِ ازی

وہ میرا رونق محسن کہاں ہے مری بلی مرا حاصل کہاں ہے
مقام اس کا پئے دل کی خلوتوں میں خدا جانے مستام دل کہاں ہے

سوارِ مات و محمل نہیں میں نشانِ جاوہ ہوں منزل نہیں میں
مری تقدیر ہے حنا اشک سوزی فقط بجلی ہوں میں چال نہیں میں

تمہیں سینے میں دم نئے ل نہیں ہے ترا دم کرمی محسن نہیں ہے
گورِ جہتِ دل سے اکے کہ یہ نور چراغِ راہ نئے ہر منزل نہیں ہے

ترا جو ہر ہے نورِ مئی پاک ہے تُو سرِ رخِ دیدہ افلاک ہے تُو
ترے سیدوں ان فرشتہ و موحو کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تُو

محبت کا جنسوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں جو باقی نہیں ہے
صغیر کج دل پریشان سجدے بے وقوف
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

خودی کے زور سے نیا پہ چھایا
مستم رنگ بونہ کار از پایا
برنگ رسال اشعار
کعبہ اعلیٰ سے من لھنیچ پایا

چمن میں خست گل شبنم سے تر ہے
سمن ہے، سبز ہے باغ و سحر ہے
گر ہر نگار ہو سکتا نہیں گرم
یہاں کالہ ہے سورج جگمگ ہے

خبر سے اہر روشن ہے
خبر و لیک ہے چراغ و لڑ ہے
درون نہایت کام میں لیا لیا
چراغ رہ لڑ لکھ خبر ہے

جوانوں کو مری آہ سرے
پھر ان شاہین بچوں کو بال پرے
خدایا! از رو سیری ہی ہے
مرانور بصیرت عام کروے

ترمی دنیا جہان مرغ و ماہی
مری دنیا افغان جگہا ہی
ترمی دنیا میں محکوم و مجبور
مری دنیا میں تیری پاؤں شاہی

کرم یہ کہ بے جوہر نہیں ہیں
غلامِ ندرلِ خوب نہیں ہیں
جہاں اپنی مری فطرت ہے لیکن
کسی بیشکِ عدالت نہیں ہیں

وہی اصل مکانِ لامکاں ہے
مکانِ کھاشے ہے اندازِ بیاں ہے
خضرِ کنویر بتائے کیا بتاتے
الکرما ہی لے دریا لہاں ہے

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق / کبھی شاہ شہماں نوشیرواں عشق
کبھی میدان میں آتا ہے پرہ پوش / کبھی عریان و بی تنگ و سناں عشق

کبھی تنہا آتی کوہ و دامن عشق / کبھی سوز و سُرور و انجمن عشق
کبھی ساریہ محراب و منبر / کبھی ہوا مثل خیر شکن عشق

عطا اسلاف کا جذبہ رُوس کر / شریک زمرہ لایح زُنوں کر
خرد کی کشمیں اس سلجھا چکا میں / مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

نیکیت میں کیسا بوجھ / کہ جاں تہ نہیں کہ بدن سے
چاکہ سوج میں باقی ہے لی / اگر بس تیرا ہو اپنی کرن سے

۲۱۲
بالِ حبیب
۸۸

خود واقف نہیں ہے کیا ہے بد
بڑھی جاتی ہے طاف الم اپنی حد
خدا جانے مجھے کیا ہو کیا ہے
خود بیزار دل سے دل خود سے!

خدا کی اہم شکرت ہے
خداوند احسان کی دروہ سر ہے
وہیکن بندگی استغفرا
یہ دروہ نہیں دروہ جگر ہے

یہی آدم ہے سلطان محروم کا
کہوں کیا مابہ اس بے بصر کا
نہ خود بین نے خدا بین نے جہان میں
یہی شہکار ہے تیرے ہنر کا!

دم عارف نے صبح دم ہے
اسی سے رشتہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میتر
شہانی سے طہی وقت دم ہے

رکوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نہ از روزہ و تبرانی وج یہ باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی کیا دورِ حدِ شِشِ لُنِ ترانی
ہوتی جس کی خودی پہلے نمودا وہی مدی وہی آخرِ زمانہ

زمانے کی یہ گردشِ باودا حقیقت ایک تُو باقی فسانہ
کسی نے دوشِ کھیلے نہ فردا فقط امروز ہے یہ رازِ زمانہ

حکیمِ نامہ لسانی خودی کی حکیمِ رمزِ نہی لسانی خودی کی
تجھے لرخت و شاپہ کا بتا دوں غریبی میں نہجِ بانی خودی کی

ترا تن روح سے ناشنا ہے عجب کیا! او تیری نار ہے
 تن بے روح سے بیزار ہے حق خدا سے زندہ مندوں کا خدا ہے

قطعه

اقبال نے کل اہل خیابان کو سنایا
 یہ شعرِ شاد اور دُپرسوز و طرب نال
 میں صورتِ گلِ دستِ صبا کا نہ میں تاج
 کرتا ہے مراجعِ شمسِ جنوں میری قبلا چال

دعا
مسجدِ قطبہ میں لکھی گئی

ہے بے پیری نماز ہے بے پیری وضو
مری نواؤں میں ہے رے جگر کا لہو !
محبتِ اہلِ صفا نورِ حضور و سرور
سرخوش و پر سوز ہے لالہ لبِ آبجو
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق
ساتھ ہے گئی ایک مری آرزو !
میرا شمع ہیں درگاہِ میر و وزیر
میرا شمع ہیں بھی تو شاخِ شمع بھی تو !
تجھ کے سرِ بیاں مرا مطلعِ صبحِ شہور
تجھ کے سرِ سینے میں آتشِ الٰہی !

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَع

(مسجدِ قطب میں لکھی گئی)

ہے یہی میری ناز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو
صحبتِ اہلِ صفت، نور و حضور و سرور
سرخوش و پرسوز ہے لالہ لبِ آبِ جو
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رشتہ
ساتھ مرے رہ کتنی ایک مری آرزو
میرا نشیمن نہیں درگاہِ میر و وزیر
میرا نشیمن بھی تو شاخِ نشیمن بھی تو

تجھ سے لریباں مرا طبع صبح نشور
 تجھ سے مرے سینے میں آتش اُٹھو
 تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ
 تو ہی مری آرزو، تو ہی مری جستجو
 پاس اگر تو نہیں، شہر ہے ویران تمام
 تو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوتے کاغذ و کو
 پھر وہ شراب کُشن مجھ کو عطسہ اگر کہ میں
 ڈھونڈ رہا ہوں اُسے توڑ کے جام و سبزو
 چشم کرم ساقیا! دیر سے ہیں منتظر
 جلدوتیوں کے سبزو، جلدوتیوں کے لڈو
 تیری حنائی سے ہے میرے جنوں کو رکھ
 اپنے لیے لامکان میرے لیے چار سوا
 فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
 حرفِ تنہا، جسے کہ نہ سکیں زو برو

مسجد قرطبہ

(ہسپانیہ کی سرزمین، بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)

سلسلہ روز و شب، نقشِ کر حادثات
سلسلہ روز و شب، اصلِ حیات و ممات
سلسلہ روز و شب، تارِ سرِ پرواز
جس سے بنائی ہے ذاتِ اپنی قبلتِ صفات
سلسلہ روز و شب، سازِ ازل کی فنِ انا
جس سے دکھائی ہے ذاتِ زیر و بمِ کائنات
تجہ کو پرکھت ہے یہ مجھ کو پرکھت ہے یہ
سلسلہ روز و شب، صہبِ سیر فی کائنات
تو ہو الکریم عیار، میں ہوں الکریم عیار
موتے تیری برات، موتے میری برات

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانے کی روجس میں نہ دن ہے نہ رات
 اتنی وفائی تمام معجزہ ہائے ہنس
 کار جہاں سبے ثبات، کار جہاں سبے ثبات!
 اول و آخر فنا، باطن و ظن ہر فنا
 نقش کُن ہو کہ نو، سن نزلِ آخر فنا
 ہے مگر اس نقش میں زنا ثباتِ دوام
 جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام
 مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ مرغ
 عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام
 شد و سببِ نیر ہے لہرِ نہ ملنے کی رو
 عشقِ خدائِ سبیل ہے سبیل کو لیتا ہے تمام
 عشق کی تقویم میں عصا رواں کے سوا
 اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

عشق دم جبریل، عشق دل مصطفیٰ
 عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
 عشق کیستی ہے پیکرِ گل تابناک
 عشق ہے صہبائے عام، عشق ہے کائناتِ الہام
 عشق فقیرِ حرم، عشق امیرِ جنود
 عشق ہے ابنِ اسبیل، اس کے ہزاروں مقام
 عشق کے مضراب سے نغمہ تارِ حیات
 عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات
 اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
 عشق سے رپا دو امِ جس میں نہیں رفت و بود
 رنگ ہو یا خشت و سنگ چنک ہو یا حرف و صوت
 معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
 قطرہ خونِ جگر سل کو بناتا ہے دل
 خونِ جگر سے صد اسوز و سُرور و سرود

تیری فضا دل سے رز، میری نوا سینہ سوز
 تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
 عرشِ معشوقی سے کم سینہ آدم نہیں
 لہجہ لعلِ خال کی حد ہے سپہرِ کبود
 پیکرِ نوری کو ہے جہدہ میسر تو لب
 اس کو میسر نہیں سوز و لہذا زبجو
 کافر ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق و شوق
 دل میں صلوٰۃ و درود، لبِ صلوٰۃ و درود

شوق مری لے میں ہے، شوق مری لے میں ہے
 نعمۃ اللہ تھو میرے دل و پے میں ہے
 تیرا جلال و جمال، مریخِ اکی وکیل
 وہ بھی بدینِ جلیل، تو بھی بدینِ جلیل
 تیری بنا پادار، تیرے سستوں بے شمار
 شام کے صحرا میں ہو جیسے نجومِ سیل

تیرے درو بام پر واوی امین کا نور
تیرا منہ نہایت جلوہ کہ جب تیرے
منہ نہیں سکتا کبھی مردِ سماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سیرِ ظہیم و خلیل
اس کی زمیں بے حدود، اس کا افق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج، و جلد و دیوب و سیل
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
عہدِ کہن کو دیا اس نے پیامِ حسیل
ساقیِ اربابِ فوق، فارسِ میدانِ شوق
بادہ ہے اس کا رقیق، تیغ ہے اس کی اسیل
مردِ سپاہی ہے وہ، اس کی زردہ 'لا الہ'
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ 'لا الہ'
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کا راز
اس کے دنوں کی پیش، اس کی شبوں کا لہاز

اس کا مستام بلند، اس کا خیال عظیم
 اس کا سرور اس کا شوق، اس کا نیاز اس کا ناز
 ہاتھ سے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
 غالب و کار انسرین، کارشا، کار ساز
 خالی و نوری نہاد، بندہ مولا صفات
 چرو و جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
 اس کی نہیں قلیل، اس کے مقاصد طویل
 اس کی ادا دل فریب، اس کی نکلہ دل نواز
 نرم و کم نفست، گرم و کم جستجو
 رزم جو یا بزم ہو، پاک دل و پاک بابا
 نقطہ تر پر کار حق، مروجہ خدا کا یقین
 اور یہ عالم تمام وہم و غم و مجاز
 عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
 حلقہ آفاق میں گرمی محسن ہے وہ

۲۲۲

بال جبریل

۱۰۰

کعبہ ارباب فن! سطوت دین نہیں
 تجھ سے سرم مرتبت اندسیوں کی زمیں
 ہے تہ لکڑوں اگر حسن میں تیری نظیر
 قلبِ سلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں
 اہ وہ مروان حق! وہ عسکری شہسوار
 حاملِ خلقِ عظیم، صاحبِ صدق و یقین
 جن کی حکومت ہے فاشس یہ رمزِ غریب
 سلطنتِ ایلِ دل فست ہے شاہی نہیں
 جن کی نگاہوں نے کی تربیتِ شرق و غرب
 ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی سنہراہ ہیں
 جن کے لہو کی طغیانیل آج بھی ہیں اندھی
 خوش دل و لرم اختلاط، ساوہ و روشن جبیں
 آج بھی اس دیس میں عالم ہے چشمِ غزال
 اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشین

نوستے مین آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
زنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

ویدۂ انجسم میں ہے تیری زمیں، آسماں
او کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے ازاں
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلاخیز کا فتان فدا سخت جاں
دیکھ چکا المنی، شورش صلا ح دیں
جس نے نہ چھوٹے نہیں شس لہن کے نشان
حرف غلط بن گئی عصمت پر زینشت
اور ہوئی مندر کی شتی نازک رواں
چشم فراس میں بھی دیکھ چکی نعمت داب
جس سے دل لگوں ہوا منہ بیوقوف جہاں
ملکت رومی نثار او کہن سر پرستی سے پر
لذت تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جہاں

رُوحِ سلماں میں ہے آج وہی اضطراب
 رازِ حنائی ہے یہ، کہ نہیں سکتی زباں
 دیکھیے اس بحر کی تر سے اچھلتا ہے کیا
 گنبدِ نیلوفرِ سری رنگ بدلتا ہے کیا
 وادیِ کسار میں غرقِ شفق ہے سحاب
 نعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ لیا شباب
 ساوہ و نرسوز ہے دخترِ دہشتاں کالیت
 کشتیِ دل کے لیے سہیل ہے عہدِ شباب
 اسپ و ابنِ کلبِ سیرِ باتیرے لنگے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زلمے کا خواب
 عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تمتدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

• وادِ اُلبسیر، قرطبہ کا مشہور دیا جس کے قریب ہی مسجدِ قرطبہ واقع ہے

پروہ اُٹھتا دوں اگر چہ سترہ افکار سے
 لائن کے کافر نام میری نواؤں کی تاب
 جس میں نہ ہو تہمت سلاب موت ہے وہ زندگی
 رُوح اُنم کی حیات کشمکش انقلاب
 صورتِ شمشیر ہے سب قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب نام تمام خونِ جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

قید خانے میں مستعد کی فریاد

معتقد شہید کا بادشاہ اور عربی شاعر تھا یہ سپانسل کے ایک حکمران نے اس کو شکست دے کر قید میں
 ڈال دیا تھا۔ معتقد کی نظمیں انگریزی میں ترجمہ ہو کر روزنامہ آف دی ایٹ سیریز میں شائع ہو چکی ہیں۔
 اک فن ان بے شر سینے میں باقی رہ لئی
 سوز بھی رخصت ہوا، جاتی رہی تاشیر بھی

مردِ سرزنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج
 میں شیاں ہوں شیاں ہے مری تدبیر بھی
 خود بخود زنجیر کی جانب کھینچا جاتا ہے دل
 تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی
 جو مری تیغ و دو دم تھی، اب مری زنجیر ہے
 شوخ و بے پروا ہے کتنا خالقِ تعالیٰ بھی!
 عبدالرحمن اول کا بویا بویا لکھجور کا پہلا درخت

سرزین اندلس میں

یہ اشعار جو عبدالرحمن اول کی تصنیف سے ہیں تاریخِ اقصیٰ میں ص ۱۱۱ میں مندرجہ ذیل
 اردو نظم ان کا آزاد ترجمہ ہے (درخت مذکور مدینۃ الزہراء میں بویا لیا تھا)

میری آنکھوں کا نور ہے تُو میرے دل کا سرور ہے تُو
 اپنی وادی سے دُور ہوں میں میرے لیے نخلِ طور ہے تُو
 مغرب کی چوآنے تجھ کو پالا صحرائے عرب کی حور ہے تُو

پرویس میں ماصبور ہوں میں پرویس میں ماصبور ہے تُو

غربت کی ہوا میں بارور ہو

ساتی تیرا نیم سحر ہو

عالم کا عجیب ہے نظارہ دامانِ نغمہ ہے پارہ پارہ

ہمت کو شناساوری مبارک! پیدا نہیں سحر کا کنارہ

ہے سوزِ دروں سے زندگانی اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ

صبحِ غربت میں اور چمکا ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے

مومن کا مت نام ہر کہیں ہے

ہسپانیہ

(ہسپانیہ کی سرزمین میں لکھے گئے)

(واپس آتے ہوئے)

ہسپانیہ تُو خونِ سدا کا امیں ہے

مانندِ حرمِ پاک ہے تُو میری نطس میں

۲۳۰

بالِ مہرِیل

۱۰۶

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
 خاموشس اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
 روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنائیں
 خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں
 پھر تیرے سینوں کو ضرور ستے جنا کی؟
 باقی ہے ابھی رنکے کے خونِ جگر میں!
 کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلمان
 مانا، وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں
 عنبرِ لطف بھی دیکھا مری آنکھوں نے لیکن
 تسکینِ مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں
 دیکھا بھی دیکھا یا بھی سنایا بھی سنایا بھی
 ہے دل کی تسلی نہ نطنز میں نہ خبر میں!



طارق کی دعا (اندلس کے میدان جنگ میں)

عین از می تیرے پر ابرار بندے
جنہیں تونے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرِ اوریا
ہمٹ کر پہاڑ ان کی ہمت سے آتی
دو عالم سے کرتی ہے سیکانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کثرتِ ثنائی

خیاباں میں ہے منتظر لالہ لب سے
قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے

کیا تونے صحرِ اشیوں کو ملکیت
خبر میں نطنز میں اذانِ سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی ندلی کو
وہ سوز اس نے پایا انھی کے جگر میں
کشتا و درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موتان کی نطنز میں
دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی برقِ لا تذر میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نچاہہ سماں کو تلوار کر دے

۴۳۲
بالِ ہیریل
۱۰۸

لین (خدا کے حضور میں)

اے انفسِ آفاق میں پیدا تھے آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائند و ترمیمات
میں کیسے سمجھتے کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے حسد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سر و اڑلی سے
بیلتے کو الگ ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بندِ شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو حنا لیں اعصار و نگارندۂ آفات!

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنے کے جس کو علمیوں کے مقالات
 جب تک میں جیانیستہ افلاک کے نیچے
 کھنٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات
 گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
 جب روح کے اندر مست لاطم ہوں خیالات
 وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے سبود
 وہ آدم حشالی کہ جہے زیرِ سماوات؟
 مشرق کے حنداوند سفیدانِ مندرلی
 مغرب کے حنداوند خورشندہ فلزات
 یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
 حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
 رحمتِ انبیٰ تمہیں رہیں رونق میں صفا میں
 اگر جس سے کہیں بڑھ کے ہیں شکوں کی عمارات

۴۳۴

بالِ جبریل

۱۱۰

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
 سود ایک کالاکھوں کے لیے مرل مفاعیات
 یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت
 پیٹتے ہیں لہو، دیتے ہیں تسلیم مساوات
 بے کاری و غریانی و مے خواری و افلاس
 کیا کم ہیں منہنگی مذہبیت کے مستوحات
 وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے چومحسروم
 حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخار است
 ہے دل کے لیے موت شینوں کی حکومت
 احساسِ مروت کو نچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نطن سر آتے ہیں کہ اس
 تدبیر کو تقدیر کے شطرنج کیامات
 مہمان کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی منکر میں پیرانِ خرابات

چہروں پہ جو سرخی نطن آتی ہے شرم
 باعثِ ازہ ہے یا باعثِ سر و دنیا کی کرامات
 توفیق اور وعادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہٴ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا یہ پستی کا سینہ؟
 دنیا ہے تری منتظرِ روزِ محاسنات !

فرشتوں کا لیت

عقل ہے بے زمام ابھی عشق ہے بے مقام ابھی
 نقشِ کبر ازل ! ترا نقش ہے تہام ابھی
 خلقِ خدا کی لمحات میں رند و فقیر
 تیرے جہاں میں ہے وہی لکڑشِ صبح و شام ابھی
 تیرے مہرِ مال مست تیرے فقرِ حال مست
 بندہ ہے کوچہ گرو ابھی خواجہ بلند بام ابھی

دانش دین و علم و فن بندگی ہو ستم
 عشق کرہ نشائے کافض نہیں ہے عام ابھی
 جو ہر زندگی ہے عشق جو ہر عشق ہے خودی
 اہ کہ ہے یہ تیغ تیز پردہ کی نیام ابھی!

فرمانِ خدا (فرشتوں سے)

اٹھو! مری دنیا کے غریبوں کو جلاؤ
 کہ ماؤ غلاموں کا لہو سوز یقیں سے
 سلطانِ بسہور کا آلت ہے زمانہ
 جس کھیت سے ہمتاں کو میسر نہیں روزی
 کیوں خالق و مخلوق میں عامل رہیں بے
 حق را بسجودے نہماں را بطولِ ف
 میں ناخوش و بیزار ہوں مہر کی سلوں سے
 تہذیبِ نوئی کا دلہ شیشہ لہاں ہے
 کاخِ امرا کے در و دیوار جلاؤ
 کنجِ شکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑاؤ
 جو نقشِ کفن تم کو نظر آئے مٹاؤ
 اُس کھیت کے ہر خوشہ کن دم کو جلاؤ
 پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھاؤ
 بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بجھاؤ
 میرے لیے مٹی کا حرم اور بناؤ
 آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو بھلاؤ

دوق و شوق

(ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے)

’ در پنج آدم زراں ہمہ بوستان تھی دست رفیق سوتے وستان

قلب نطفہ کی زندگی دشت میں صبح کا سہا

چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں

حسن ازل کی ہے نمود، چاک ہے پڑۂ وجود

دل کے لیے ہزار شود ایک نگاہ کا زیاں

سرخ و لبو و بلبیاں چھوڑ کیا سحاب شب

کوہِ اہم کو دے کیا زنگ بزمِ طلیاں

کرو سے پال ہے ہوا، برکِ نخیل و محل سے

ریاں نواح کا طہ زرم ہے شل بریاں

اک بجھی ہوئی اور سے ٹوٹی ہوئی طناب اوسر

کیا خبر اس مقام سے کز سے ہیں کتنے کارواں

۲۳۸

بالِ جبریل

۱۱۲

اتنی صدا ہے جبریل تیرا ہم ہے یہی
 اہل سراق کے لیے عیشیں دوام ہے یہی
 کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے حیات
 کہنے ہے بزم کائنات، تازہ ہیں میرے وار و آ
 کیا نہیں اور غم ز نوی کار کہ حیات میں
 بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سوتا
 ذکرِ عرب کے سوز میں فنِ بحرِ عجم کے ساز میں
 نے عربی مشاہدات، نے جمعی تختِ لا
 قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
 کرچہ ہے تاب دار ابھی کیسے و جلد و فرا
 عقل و دل و نگاہ کا مرثدا و لیں ہے عشق
 عشق نہ ہو تو شرع و دین بُت کہ تصور آ

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، حُبرِ حسین بھی ہے عشق
 معرکہ وجود میں بدرِ حسین بھی ہے عشق

ایہ کائنات کا مہر بنی ویریاں تُو
 نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو
 جلو تیان در سہ کو رنگاہ و مردہ ذوق
 جلو تیان سے لہہ لم طلب و تہی لہو
 میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
 میری تمام سرگزشت کھوتے ہوؤں کی جستجو
 باوہم سبالی موج سے نشو و نما تے خار و خس
 میرے نفس کی موج سے نشو و نما تے آرزو
 خونِ دل جو کس سے ہے میری نوا کی پرورش
 ہے دل ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو
 فرصتِ شمشاد مدہ ایں دل بے قرار را
 یک دوشکن زیادہ کن کیسے تابدار را
 نوح بھی تُو، تسلیم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب
 گنبدِ ابلق نہ رنگ تیرے محیط میں حباب

۴۴۰

بالِ جبریل

۱۱۶

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
 فترۂ ربیک کو دیا تو نے طبعِ آفتاب
 شوکتِ سحر و سلیم تیرے حبِ لال کی نمود
 فقرِ خشنید و بایزید تیرے اجمالِ بے نقاب
 شوقِ ترا کر نہ ہو میری نماز کا امام
 میرا قیام بھی حجابِ میرا سجد بھی حجاب
 تیرے نکاحِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
 عقلِ غیاب و جستجو، عشقِ حضور و اضطراب
 تیرے وتارے جہاں گردشِ آفتاب کے
 طبعِ زمانہ تازہ کر جب لہو بے حجاب کے
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے لڑتے روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علمِ نخیل بے رطب
 تازہ مرے خمیر میں سرکہ لہنِ جوا
 عشقِ تمام مصطفیٰ، عقلِ تمام بولنب

گاہ بچیدہ می برد، گاہ بزور می کشد
 عشق کی ابتدا عجب، عشق کی انتہا عجب
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرکبِ آرزو، حجبِ سر میں لذتِ طلب
 عینِ وصل میں مجھے جو حسدِ نظر نہ تھا
 کہ چہ بہانہ جو رہی یہ سیرِ نکاہِ اوب
 کہ می آرزو فراق، شورِ شیں ہلے وہ فراق
 موج کی جستجو فراق، قطرے کی آبرو فراق!

پروانہ اور جگنو

پروانے کی منزل سے بہت دُور ہے جگنو
 پروانہ کیوں آتشِ بے سوز پہ مغرور ہے جگنو
 جگنو

اشد کا سُوشکہ کہ پروانہ نہیں میں
 درِ یوزہ کہ آتشِ بیگانہ نہیں میں

جاوید کے نام

خودی کے ساز میں ہے غمِ جاویدان کا سُراغ
خودی کے سوز سے بے شمن ہیں اُمتوں کے چراغ
یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود
ہزار کو نہ فروغ و ہزار کو نہ فساد
ہوتی نہ زراغ میں پیدا بلستِ پروازی
خراب کر لیتی شاہیں بچے کو صحتِ زراغ
جیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے واغ
ٹھہرے نہ کسی حنِ نقاہ میں اقبال
کہ ہے ظریف و عوشِ اندیشہ و شکفتہ و مانغ



کداتی

مے کدے میں ایک دن اک زندہ زیر کدے لہا
ہے ہمارے شہر کا والی کداتے بے حیا
تاج پہنایا ہے کس کی بے گناہی نے اسے
کس کی عزت پرانی نے بخش ہے اسے زریں قبا
اس کے آپ لالہ لوں کی خون بہت سے کشید
تیرے لیے کھیت کی مٹی ہے اس کی لیمیا
اس کے نعمت خانے کی ہر چہ یہ مانگی ہوتی
وینے والا لون ہے مردِ غریب و بے نوا
ماننے والا کد ہے صدقہ ماننے یا خراج
کوئی ماننے یا نہ ماننے میر و سلطان سب کد!

(ماخوذ از انور سی)

ملا اور بہشت

نہیں بھی حاضر تھا وہاں ضربِ سخن کرنے کا
 حق ہے جب حضرت ملا کو ملا حکم بہشت
 عرض کی میں نے، الہی! مری تقصیر کس طرف
 خوش نہ آئیں گے اسے خور و شراب و لب کشت
 نہیں فرووس مقامِ بدل و تال و اقل
 بحث و تکرار اس لشد کے بندے کی شست
 ہے بد آموزی اقوام و ملل کام اس کا
 اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا، نہ گنشت!

دین و دنیا

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی سما کی کہاں اس فقیری میں میری
 خصوصیت تھی سلطانی و راہبی میں کہ وہ سر بلند ہی ہے یہ سربزیری

سیاست نے مذہب سے پیچھا کھڑا
 چلی کچھ نہ چیر کر کلیسا کی پیروی
 ہوتی دین دولت میں جس دم جدائی
 ہو جس کی اسیری ہو جس کی وزیری
 دوتی ملک دیں کے لیے نامرادوی
 دوتی چشم ہند کی نا بھیری
 یہ محباز ہے ایک صحرائشیر کا
 بشیری ہے اسینہ دارندیری

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
 کہ ہوں ایک خستیدی اردو شیری

الارض للہ!

پاستا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
 کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
 کون لایا کھینچ کر پچھلے سم سے بادِ سازگار
 خال یہ پس کی ہے کس طے ہے یہ نورِ آفتاب؟
 کس نے بھروی موتیوں سے خوشہ کندم کی جیب
 موسموں کو کس نے سلکھلاتی ہے خوشے انقلاب؟

۴۴۶
 بالِ جبریل
 ۱۲۲

وہ خدا یا! یہ زمین سیری نہیں تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں سیری نہیں

ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے ہیں افزگی، ترے تالین ہیں ایرانی
لہو مجھ کو زلاتی ہے جانوں کی تن آسانی
امارت کیا ہشکودہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل

نہ زور سیدی تجھ میں نہ استغنائے سلمانی
نہ ڈھونڈ اس پینہ کو تہذیبِ باختری کی جستلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں مسراجِ سلمانی

عقابی رُوح جب بیدار ہوتی ہے جانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزلِ آسمانوں میں
نہ جو نوہید، نوہیدِ نوالِ علم و فن ہے
انہی سردِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

نہیں تیرا دشمن قصرِ سلطان کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا لہر پہاڑوں کی چٹانوں میں

نصیحت

بچہ شاہیں کے کہتا تھا عتابِ سالخورد
اے ترشہ سپر ایساں فوجت چرخِ بریں
ہے شبِ اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انجیس
جو کبوتر چھپنے میں مزا ہے اسے پسر
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

لالہ صحرا

یہ گنبدِ بیانی، عینِ اہم تہائی
مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی پہنائی

بھٹکا ہوا راہی میں بھٹکا ہوا راہی تو
 منزل ہے کہاں تیری اے لاکھ سرائی
 حنائی ہے طہیوں سے یہ لوہ و لمر ورنہ
 توشعہ سینائی میں شعلہ سینائی
 توشاخ سے کیوں ٹھوٹا میں شاخ سے کیوں ٹوٹا
 اک جذبہ پیدائی ال لذت یحنائی
 نعمۃ احسن محبت کا اللہ نہ سب ہوا
 چر قطرہ دریا میں دریا کی ہے لہر سرائی
 اُس موج کے ماتم میں روتی ہے بھٹور لی انگھ
 دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی
 ہے کرمی آدم سے ہر نکاتہ عالم کرم
 سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی
 اے بادِ سیا بانی! مجھ کو بھی عنایت ہو
 حنا موشی و دل سوزی، سرستی و رعنائی!

۴۴۹

بالِ جبریل

۱۲۵

ساقی نامہ

ہوا خمیہ زن کاروان ہمار
 گل و زرسن و سوسن و سترن
 جہاں ٹھپ ٹھپ کیا پڑے رنگ میں
 فضا زبلی زبلی ہوا میں سرور
 وہ جوئے کستاں آپسکتی ہوتی
 اچھلتی، پھسلتی، سنہلکتی ہوتی
 رُکے جب تو بھل چیر دیتی ہے یہ
 ذرا دیکھ اسے ساقی لالہ فام!
 پلاوے مجھے وہ مے پر وہ سوز
 وہ مے جس سے دشمن خمیر حیات
 وہ مے جس میں ہے سوز و سازِ ازل

ازم بن گیا دامن کو ہمار
 شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن
 لہو کی ہے گردشِ ریلِ سبک میں
 ٹھہرتے نہیں اشیاء میں طیور
 اُٹکتی، بچکتی، سرکتی ہوتی
 بڑے پوچھ کھ کڑ بھکتی ہوتی
 پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
 سناتی ہے یہ زندگی کا پیام
 کہ اتنی نہیں فصلِ گل روزِ روز
 وہ مے جس سے ہے مستی کائنات
 وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل

۲۵۰

بالِ جبریل

۱۲۶

اٹھا سا قیامِ پروہ اس راز سے

لڑا دے ممولے کو شہِ راز سے

زمانے کے انداز بدلے گئے

ہوا اس طرح فاش رازِ فرنگ

پُرانی سیاست کرمی خوار ہے

کیا دورِ سرمایہ داری کی ہے

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے

دلِ طورِ سینا وں رازِ دہیم

مسلمان ہے توحید میں کرم جوش

تمدن، تصوف، شریعت، کلام

حقیقتِ خرافات میں لھو لٹی

لُجھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب

بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا

وہ صوفی کہ تھا خدِ مست حق میں ہر

نیارِ ال ہے سازِ بدلے گئے

کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ

زمین میر و سلطان سے بیزار ہے

تاشا دلہا کرمی کی ہے

ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے

تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم

مردِ دل ابھی تک ہے زقار پوش

بتانِ عجم کے پنجباری تمام

یہ اُمتِ روایات میں لھو لٹی

مگر لذتِ شوق سے بے نصیب

نعت کے بھیروں میں الجھا ہوا

محبت میں کتنا جہتیت میں فرو

عجم کے خیالات میں گھول گیا یہ سالک مقامات میں گھول گیا

بُجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلمان نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

شراب کُنن پھر پلا ساقیا وہی جام گردش میں لا ساقیا!

مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا مری حنا کج بنو بنا کر اڑا

حسد کو خلا می سے ازاو کر جوانوں کو پیروں کا استواو کر

ہری شاخ ملت تیرے نم سے ہے نفس اس بدن میں تیرے دم سے ہے

ترپنے پھر کئے کی تو نسیق دے دل رضائی، سوزِ صفتِ یق دے

جلد سے وہی تیر پھر پار کر تنہا کو سینوں میں بیدار کر

تیرے آسمانوں کے تاروں کی خیر زمینوں کے شبِ زندہ واروں کی خیر

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے مرا عشق میری نظر بخش دے

مری ناؤ لے کر واس سے پار کر یہ ثابت ہے تو اس کو ستیا کر

بتا مجھ کو اسرارِ مرگ و حیات کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

مرے دیدہ و نظر کی بے خوابیاں مرے دل کی پوشیدہ بے تمایاں

مرے نالہ نیم شب کانپ از
 اُسنگدیں مری، آرزوئیں مری
 مری فطرت آئینہ روزگار
 مرادول، مری رزم کاہیات
 یہی کچھ ہے ساقی مستیِ فقیر
 اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لٹکے اے

لٹاؤں بٹھکانے لٹکے اے!

و مادام رواں ہے یہم زندگی
 اسی سے ہوتی ہے بدن کی نمود
 گراں کرچہ ہے صحبت آب و گل
 یہ ثابت بھی ہے اور ستیاری بھی
 یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر
 یہ عالم، یہ بیت خانہ شش جہات
 پسند اس کو تکرار کی خوشیں
 ہر اک شے سے پیدا رہم زندگی
 کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موج وود
 خوش آتی اسے محنت آب و گل
 عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی
 مگر ہر سرسبز بے چلوں بے نظیر
 اسی نے تراشا ہے یہ سومات
 کہ تو میں نہیں، اور میں تو نہیں

من و تو سے ہے انجمنِ فہرین
 مگر عینِ نسل میں خلوتِ نشین
 چمک اس کی بجلی میں تارے ہیں
 یہ چاندی میں سونے میں پلے ہیں
 اسی کے سپہاں اسی کے بیول
 اسی کے ہیں کانٹے اسی کے ہیں ٹھول
 کہیں اس کی طاقت کے گہوار چور
 کہیں اس کے پھندے ہیں پیرِ دل و نور
 کہیں بسترِ شاہین سیابِ بند
 لہو سے چلو روں کے آلودہ چنک
 کہو تر کہیں اشیائے دور

پھڑکتا ہوا جہاں میں ماضی و مستقبل

فریضہ ہے سکون و ثبات
 تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
 ٹھہرتا نہیں کاوانِ وجود
 کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
 سمجھتا ہے ثور از ہے زندگی
 فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
 بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
 سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
 سفرِ زندگی کے لیے ریل و سائے
 سفر ہے حقیقت، حضر ہے محبائے
 الجھ کر سلجھنے میں لذتِ اسے
 تڑپنے پھڑکنے میں احتیاسے
 نہوا جب اسے سامنا موت کا
 کٹھن تھا بڑا تھا مٹا موت کا

۲۵۴
 بالِ جبریل
 ۱۳۰

اتر کر جس ان مکافات میں
 مذاق دوئی سے بنی زوج زوج
 گل اس شاخ سے ٹٹے بھی ہے
 اسی شاخ سے ٹھوٹے بھی رہے
 سمجھتے ہیں ناواں اسے بے ثبات
 ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقش حیات
 بڑتی سینہ جلاں بڑی زود رس
 ازل سے ابتدا تک ہم یک نفس

زمانہ کہ زنجیرِ ایام ہے

دھوں کے الٹ پھیر کا نام ہے

یہ موجِ نفس کیا ہے تلوار ہے
 خودی کیا ہے رازِ درونِ حیات
 خودی جلوہ بدست و خلوت پسند
 خودی کیا ہے بیداری کائنات
 اندھیرے اُجلے میں ہے تابناک
 سمندر ہے ال بُوند پانی میں بند
 ازل اس کے پیچھے ابد سمنے
 من و تو میں پیدا، من و تو سے پال
 زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی
 نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سمنے
 بستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
 تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی
 خودی کیا ہے تلوار کی دھار ہے
 خودی کیا ہے بیداری کائنات
 سمندر ہے ال بُوند پانی میں بند
 من و تو میں پیدا، من و تو سے پال
 نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سمنے
 بستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
 دوا دم نکا ہیں بدلتی ہوئی

۲۵۵
 بالِ جبریل
 ۳۱

سبک اس کے ہاتھوں میں سبک لڑا
 سفر اس کا انجام آفت ناز ہے
 کمرن چاند میں ہے شرر سنک میں
 اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
 ازل سے ہے کشمکش میں اسیر
 پہاڑ اس کی ضربوں سے ریک روپ
 یہی اس کی تقویم کا راز ہے
 یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں
 نشیب و فراز و پس و پیش سے
 جوتی خال آدم میں صورت پذیر

خودی کا شیمن تھے دل میں ہے
 فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے نگہباں کو ہے زیر ناب
 وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند
 فروغ ال محمد سے درگزر
 وہی سجدہ ہے لائق اتہام
 یہ عالم، یہ منکامہ رنگ و صوت
 یہ عالم، یہ بیت خانہ چشم و گوش
 خودی لی یہ ہے منزل اولیں
 وہ ناں جس سے جاتی ہے اس کی آب
 رہے جس سے دنیا میں لہرون بلند
 خودی کو نیکو رکھ، ایاز می نہ کر
 کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
 یہ عالم کہ ہے زیر فرمان موت
 جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
 مسامحہ! یہ تیرا شیمن نہیں

ترمی آگ اس خال داں سے نہیں
 جہاں تجھ سکے توجہاں سے نہیں
 بڑھے بسا یہ کوہ کراں توڑ کر
 طلسم زمان و مکاں توڑ کر
 خودی شیر مولا، جہاں اس کا صید
 زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید
 جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
 کائنات الی نہیں ہے جسم و جوہ
 ہر اک منتظ تیرے یمن کا
 ترمی شوخی فکرو کردار کا
 یہ ہے مقصد گردش روزگار
 کہ تیری خودی تجھ پہ چو آشکار
 توجھے کیسا تاؤں ترمی سر نوشت
 تو ہے فاتح عالم خوب و زشت
 حقیقت یہ ہے جامہ حرف تنک
 فروزاں ہے سینے میں شمع نفس
 مکر تاب نفستار کہتی ہے بس
 کہ ایک سر نموے بر تو پر دم
 منہ و غتجبتی بسوز پر دم



زمانہ

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہو گا یہی ہے اک حرفِ مہرِ ما
 قریب تر ہے نمود جس کی اُسی کا شتاق ہے نہ
 ہری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے عواوٹ ٹپک رہے ہیں
 میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
 ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن جدا جدا رسمِ راہ میری
 کسی کا رالک کسی کا مرکب کسی کو عبرت کا تازیانہ
 نہ تھا اگر تو شرابِ محفلِ قصور یہ ہے یا کہ تیرا
 ہر اطرعت نہ نہیں کہ رملہ لوں کسی کی خاطر سے شبِ بیا
 مجھے حسد و پیچ کو نجومی کی آنکھ پہنچا سکتی نہیں ہے
 ہدف سے بیگانہ تیرا کس کا نظر نہیں جس کی عارف

۲۵۸

بالِ جبریل

۱۳۴۶

شفق نہیں سہری افق پر یہ جھٹکتے جھٹکتے جھٹکتے
 طلوع منہ کا منتظر رہ کہ دوشن امروز ہے فنا
 وہ گزرتا جس نے غمراں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
 اسی کی بیتاب بکلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ
 جو آتیں ان کی فضا میں ان کی ہمسند ران کے جہاز ان کے
 کرہ بخشور کی کھٹے تو کیونکر بخشور ہے تعتدیر کا بہانہ

جہان نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالم پر مر رہا ہے
 جسے نہ نئی نعمت بروں نے بہت دیا ہے قمار خانہ
 ہوا ہے لاش و تیز لکین چہ رانچ اپنا جلا رہا ہے
 وہ مرد درویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروا



فرشتے ادم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں

عطا ہوتی ہے تجھے زو و شب کی بیتابی
خبر نہیں کہ ٹوٹن کی ہے یا کہ سیلابی
سنا ہے خاک سے تیری مود ہے، لیکن
ترمی ہر شست میں ہے کو لبی و متابی
جمال اپنا الزخواب میں بھی تو دیکھے
ہزار ہوش سے خوشتر تری شکر خواہی
کہاں بس ہے ترالہ یہ سحر کا ہی
اسی سے ہے ترنخس لکھن کی شاہی

ترمی تو اسے ہے پردہ زندگی کا ضمیر
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی

روح ارضی ادم کا استقبال کرتی ہے

لکھول آنکھ زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوہ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایام جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو کہ کہہ دےم ورجا دیکھ!

ہیں تیرے تصرف میں بادل کھٹکتے ہیں
 کیسے بد فلاح یہ خاموش فضا میں
 یہ کوہِ صحرایہ سمندر یہ ہوائیں
 تھیں شبنمِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

اسی نہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھو
 سمجھے کا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
 ناپید ترے بحرِ خستیل کے کنارے
 دیکھیں گے تجھے دور سے لڑوؤں کے سناے
 پھنچیں گے فلک تک تری آنکھوں کے شرارے
 تمہیں خودی کر، اثرِ آہِ رسا دیکھو

خوشیدِ جہاں تاب کی ضویرِ شرم میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنرمیں
 چتے نہیں بخشے ہوتے فردوسِ نظر میں
 جنتِ تری نہاں ہے تے خونِ جگر میں
 اے پیرِ گلِ کوششِ پیہم کی جزا دیکھو

نالندہ ترے غود کا ہر تارا زل سے
 ٹو جس محبت کا سریدار ازل سے
 تو پیرِ غم نہ اسرارِ ازل سے
 محنت کش و خونِ یزولم ازار ازل سے
 ہے راکتِ بختِ دیرِ جہاں تیری ضا دیکھو



پیر و مرید

مرید پسندی

چشم بینا سے ہے جاری جوتے ٹوں علم حاضر سے ہے دیں زار و زبوں!

پیر رومی

علم را بر تن زنی مارے بود

علم را بر دل زنی یارے بود

مرید پسندی

اے امام عاشقان درویشا! یاد ہے مجھ کو ترا حرف بلند

نخک مغز و خشک تار و خشک پوست

از کج بامی اید این آواز دوست

دور حاضر مست چنگ و بے سُرور بے ثبات و بے یستین و بے حضور

۲۶۲

بالِ جبریل

۱۳۸

کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا دوست کیا ہے دوست کی آواز کیا

آہ یورپ با فروغ و تاب مال
نغمہ اس کو کھینچتا ہے سوتے خال

پیر رومی

بر سماع راست ہر کس چیر نیست
طعمہ ہر مزمع کے انجیر نیست

مرید ہندی

پڑھ لیے میں نے علوم شرق و غرب روح میں باقی ہے اب تک دو کرب

پیر رومی

دست ہر نا اہل بیمارست کند
سوتے ماوراکہ تیمارست کند

مرید ہندی

اے گنجتیری کے دل کی نشاد کھول مجھ پر نکستہ حکیم جہاد

پیر رومی
نقش حق را ہم بہ امر حق شکن
بر زجاج دوست گنبد دوست زن

مرید ہندی
چہ نکاہت اور ان مستور غیب
خوجست کے ہوشتر غریب

پیر رومی
ظاہر تہ کرا سپید است و نو
دست جامہ ہم سپید کرد از نو

مرید ہندی
اے مکتب کا جوان کرم خوں
ساحر افرنک کا صید زبوں!

پیر رومی
مربع پر نارسہ تہ چوں پراں شود
طعمہ ہر گربہ و تراں شود

۴۶۴
بال جبریل
۱۲۰

مرید ہندی

تاج اکویش دین و وطن جو ہر جاں پر مقدم ہے بدن

پیر رومی

قلب پہلوی زند بازر بشب

انتظار روز می وارد و دہسب

مرید ہندی

سہ آدم سے مجھے آگاہ کر خاک کے ذرے کو مہر و ماہ کرا

پیر رومی

ظاہر شہ راپشہ آرزو چرخ

ہنرش آمد محیط ہیئت چرخ

مرید ہندی

خاک تیرے نور سے روشن بھر غایت آدم خبر ہے یا نظر؟

پیر رومی

آدمی دید است، باقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

مرید ہندی

زندہ ہے مشرق تری گفتار سے اُمتیں مرقی ہیں کس آزار سے؟

پیر رومی

ہر ملک اُمت پیشیں کہ بود
ز انکہ بر جند لساں بڑ نمود

مرید ہندی

اب مسلمان میں نہیں وہ رنگ و بو
سرو کیونکر ہو گیا اس کا لہو؟

پیر رومی

تا دل صاحب دے نامد بہ درو
ہیچ قومے راحت دار سوانہ کرو

۲۶۶
بالِ جبریل
۱۴۲

مرید ہندی

گرچہ بے رونق ہے بازارِ وجود کون سے سوتے میں ہے مڑوں کا سُود؟

پیر رومی

زیر کی بندہ نشِ حیرانی بخر
زیر کی غنِ است و حیرانی نظر

مرید ہندی

ہم نفس میرے سلاطین کے ندیم ہیں فقیہِ بے گناہ و بے کلیم

پیر رومی

بندہ یک مرد روشن دل شوی
بہ کہ برفرقِ سر شاہاں روی

مرید ہندی

اے شرکِ مستی خاصانِ بد! میں نہیں سمجھا حدِ شبِ حیر و قدرا

پیر رومی

بال بازاں را سوئے سلطان برد
بال ز اغان را بگورستان برد

مرید ہندی

کار و بار خسرو می یا را پس کی ہے آخر غایت دین نہی؟

پیر رومی

مصلحت در دین ما جنک و شکوہ
مصلحت در دین عیسیٰ غار و لہوہ

مرید ہندی

کس طرح قابو میں آئے اب وکل کس طرح بیدار ہوئے سینے میں دل؟

پیر رومی

بندہ باش و بر زمین زو چوں سمند
چوں جنازہ نے کہ بر کردن برند

۳۶۸
بال جہیل
۱۲۲

مرید ہندی

سُتروں اور اک میں آتا نہیں کس طرح آتے قیامت کا یقین؟

پیر رومی

پس قیامت شوقیامت آبیں

ویدن ہر چیز را شرط است این

مرید ہندی

آسمان میں راہ کرتی ہے خودی صید مہر و ماہ کرتی ہے خودی

بے حضور و با فروغ و بے فراغ اپنے پنچھیروں کے ہاتھوں داغ و داغ!

پیر رومی

اں کہ از دصید عشق است و بس

لیکن او کے گنجد اندر و ام کس!

مرید ہندی

تجہ پہ روشن ہے ضمیر کائنات کس طرح محکم ہو ملت کی حیات؟

پیر رومی

وانہ باشی مرغکانت جہیں
غنچہ باشی کو دکانت برکت
وانہ پنہاں کن سراپا دام شو
غنچہ پنہاں کن سیاہ بام شو

مرید ہندی

تو یہ کہتا ہے کہ دل کی کرتلاش
طالب دل بشارت و پیکار بشارت
جو مراد دل ہے مے سینے میں ہے
میرا جو مرید ہے اسے نہیں ہے

پیر رومی

تو بھی کوئی مراد دل نہیں ہست
دل فراز عرش باشد نے بہ پست
تو دل خود را ولے پنداشتی
جستجوے اہل دل بگداشتی

مرید ہندی

آسمانوں پر مرا منکربند
میں زمین پر خوار و زار و درمند
کار دنیا میں ہا جاتا ہوں میں
ٹھوکریں اس اہ میں لھاتا ہوں میں
کیوں میرے بس کا نہیں کار زمین
اہ دنیا ہے کیوں دانتے ہیں؟

پیر رومی

اں کہ بر اف سداں رفتارش ہو
بر زمین رستن چہ دشوارش ہو

مرید ہندی

علم و حکمت کا مے کیونکر سراغ
کس طرح ہاتھ آئے سوز و درد و داغ؟

پیر رومی

علم و حکمت زاید از نانِ حلال
عشق و وقت آید از نانِ حلال

مرید ہندی

ہے زمانے کا قہر اٹھانچن اور بے خلوت نہیں سوز سخن!

پیر رومی

خلوت از غیب ربا بیٹے زیاد
پوستیں بہرے آمد نے بہار

مرید ہندی

ہند میں اب نور ہے باقی نہ سوز اہل دل اس دس میں ہر تیر روز!

پیر رومی

کار مرواں روشنی و کرمی است
کار و دوناں حیلہ و بے شرمی است



۲۷۲
بال حبیبی
۱۲۸

جبریل و ابلیس

جبریل

ہمدرد پرینٹ کیسا ہے جس ان رنگ و بو؟

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغ و جستجوے وارزو

جبریل

چہر کھڑی انداک پر رہتی ہے تیری گفتگو
کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک و امن ہو فو؟

ابلیس

آہ اے جبریل! تو واقف نہیں اس از سے
کہ کیا سرست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سب
اب یہاں میری کز ممکن نہیں ممکن نہیں
کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کلخ و کوا

۴۷۳

بال جبریل

۱۴۹

جس کی نو سیدی سے ہو سوز و زون کا سنت
اُس کے حق میں تَقْنَطُوا اچھا ہے یا لَا تَقْنَطُوا؟

جبریل

کھو دیے انکار سے تُو نے مقامِ است بلند
چشمِ یزواں میں فرشتوں کی رہی کیا ابرو!

ابلیس

ہے مری جرات کے مشتِ خال میں ذوقِ نو
میرے فتنے جاہِ عیسیٰ و سر کا تار و پو
دیکھتا ہے توفیقِ حاصل سے زخمِ شہر
کون طوفان کے طمانچے لھا رہا ہے، میں کہ تو؟
بخضر بھی بے دستِ پاء، الیا کس بھی بے دستِ پاء
میرے طوفانِ یم بہ یم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
گر کبھی سنو ت ستر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو زنجیں کر لیا کس کا لہو!

۲۷۲

بالِ جبریل

۵۰

نہیں کھٹکتا یوں دل نرواں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اُٹھو، اُٹھو، اُٹھو!

اذان

اک رات ستاروں سے کہا نجم حسن نے
اوم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار؟
کہنے لگا مزید، ادا فہم ہے تفتید
ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فتنے کو سزاوار
زہرہ نے کہا اور کوئی بات نہیں کیا؟
اس لکڑیاب شب کو رے کیا چم کو سزاوار
بولا مہ کابل کہ وہ کو کب ہے زینبی
تم شب کو نمودار چو، وہ دن کو نمودار
واقف ہو الرلذت بیداری شب کے
اونچی ہے تریسے بھی یہ حال پر اسرار

انگوٹش میں اس کی وہ تھلی ہے کہ جس میں
 لکھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و ستار
 ناکاہِ فضا با تائبِ اذان سے ہوتی لب لباب
 وہ نعرہ کہ پل جاتا ہے جس سے دل کھسکا

محبت

شہیدِ محبت نہ کاغذِ نثر غازی محبت کی رسمیں نہ شرک نہ تازی
 وہ کچھ اور شے ہے محبت نہیں ہے سکھاتی ہے جو غمِ نومی کو ایازی
 یہ جو ہر کارِ نرمانہ میں ہے تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی
 نہ محتاجِ سلطان نہ مرعوبِ سلطان محبت ہے آزاد می و بے نیازی

ہر نعمت بہتر ہے اکندہ می سے
 یہ آدمِ لری ہے وہ آئینہ سازی



ستارے کا پیغام

مجھے ڈرانہیں سکتی فضا کی تاریکی مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی
تو اے مسافر شبِ بانو و چراغ بن اپنا کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

جاوید کے نام

(لندن میں اُس کے ہاتھ کا لکھا ہوا پسلا خط آنے پر)

دیارِ عشق میں اپنا مست ام پیدا کر نیازِ زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر وہ فطرت شناس ہے تجھ کو سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اٹھانہ شیشہ لہراں فرناک کے احساں سہاگلِ ہند سے یہ سنا و جام پیدا کر
میں شاخِ تال ہوں سیریِ نخل ہے میرا مے شمرے مے لالہ و فام پیدا کر

مرا طریق ایسی ہی نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ عسیری میں نام پیدا کر



فلسفہ و مذہب

یہ آفتاب کیا، یہ سپہر بریں ہے کیا!
سمجھا نہیں سلسلِ شام و سحر کو میں
اپنے وطن میں ہوں کہ عنبرِ الٰہیہ الٰہیہ
ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشت و در کو میں
گنجلت نہیں مرے سحرِ زندگی کا راز
لاؤں کہاں سے بندۂ صااحبِ نطن کو میں
حیراں ہے بوعلی کہ میں آیا کہاں سے میں
رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کہہ کر میں
”جاتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہِ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہِ بر کو میں“



۲۶۸
بالِ جبریل
۱۵۲

یورپ کے ایک خط

ہم جو کہ محسوس میں ساحل کے خرمیاں اک بھر زائشوب و پراسرار ہے رومی
تو بھی ہے اسی قافلہ شوق میں اقبال جس قافلہ شوق کا سالار ہے رومی
اس عصر کو بھی اس نے دیا ہے کوئی پیغام
کہتے ہیں چراغِ رُوحِ اسرار ہے رومی

جواب

کہ گنبدِ یادِ خورد و جو ہمچوں خراں انہوانہ درختن چہ ارغواں
ہر کہ گاہ و جو خورد و تیرباں شود ہر کہ نورِ حق خورد و شرآں شود

نیولین کے مزار پر

راز ہے، راز ہے، راز ہے تفتِ دیرِ جہانِ تک و تاز
جو شرِ کردار سے گھل جاتے ہیں تفتِ دیر کے راز

جوشِ کردار سے شمشیرِ سلندر کا طلوع
 کوہِ الوند ہوا جس کی حرارت سے لدا ز
 جوشِ کردار سے تیمور کا سیلِ ہیر
 سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب اور فراز
 صنفِ جنگاہ میں مردانِ حند کی تجسیر
 جوشِ کردار سے بنتی ہے حند کی آواز
 ہے مکر و حسرتِ کردار نفسِ مایوس
 عوضِ یکِ نفسِ قبر کی شبِ طئے و راز
 "عاقبت منزلِ مادی خاموشانِ است
 حایلِ غلغلہ و رن سبدا فلال انداز"

مسو لینی

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے ذوقِ انقلاب
 ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے بختِ کاشاب

۴۸۰

بالِ جبریل

۱۵۶

ندرت فکر و عمل سے معجز است زندگی
 ندرت فکر و عمل سے سنگ خارہ اسل ناب
 رومتہ الکنب سے بولہ گولوں پہ لیب تیرا ضمیر
 اینکہ می بینم یہ بیدار است یارب یا بہ خواب
 چشم پران لہن میں زندگانی کا فروغ
 نوجوان تیرے ہیں سوزِ آرزو سے سینہ تاب
 محبت کی حرارت یہ تمنا، یہ نمود
 فصل گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیرِ حجاب
 نغمہ ہائے شوق سے تیری فضا مسور ہے
 زخمہ ور کا منتظر تھا تیری فطرت کا رباب
 فیضِ کس کی نظر کا ہے لرامت کس کی ہے؟
 وہ کہ ہے جس کی زندگانی شعلِ شعاعِ آفتاب



سوال

اک مفلس خود داریہ لہتا تھا خدا سے
نہیں کر نہیں سکتا کلمہ درویشی
لیکن یہ بتا تیری اجازت سے فرشتے
کرتے ہیں عطا مہر و مایہ کو میری

پنجاب کے دیہقان

بتا کی تری زندگی کا ہے راز
ہزاروں برس سے ہے تو خاک باز
اسی خاک میں دب گئی تیری آگ
سحر کی اواں چولتی اب تو جال
زمین میں ہے کو خالیوں کی برات
نہیں اس اندھیرے میں آب حیات
زبانے میں جھوٹا ہے اس کا بھین
جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں
بتان شعوب و قبائل کو توڑ
رسویم کنن کے سلاسل کو توڑ
یہی دین محکم، یہی سنت حجاب
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

سجاک بدن دانہ دل نشان
کہ اس دانہ واروز حاصل نشان

نادر شاہ افغان

مضوری حق سے چلائے کے نولوتے لالا

وہ ابر جس سے رک گئے پشیل تمار نفس

بہشت راہ میں دیکھا تو ہو کیا بیتاب

عجب مقام ہے جی چاہتا ہے جاؤں برس

صدا بہشت سے آتی کہ منتظر ہے ترا

ہرات و کابل و غزنی کا سبزہ نورس

سرشک دیدہ نادر بہ داغ لالہ فشاں

چناں کہ آتشیں اورا دلفروز نشان!



خوشحال خاں کی وصیت

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم کہ ہونا م فتنہ انیوں کا بلند
 محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کسند
 مغل سے کسی طرح کست نہ نہیں قہستان کا یہ بچہ از جہند
 کہوں تجھ سے اے ہم نشین دل کی بات وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند
 اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ
 مغل شہسواروں کی لڑ کسند

تاماری کا خواب

کہیں سجتا وہ عمت امہ ہرن کہیں ترسا بچوں کی چشم بے بال

خوشحال خاں شکستہ زبان کا مشہور وطن دوست شاعر تھا جس نے افغانستان کو مغلوں سے آزاد کرانے کے لیے سرحد کے افغانی قبائل کی ایک جمعیت قائم کی۔ قبائل میں صرف فریدیوں نے آغروم تک اس کا ساتھ دیا اس کی قریباً ایک سو نظموں کا انگریزی ترجمہ ۱۸۶۲ء میں لندن میں شائع ہوا تھا۔

روائے دین و ملت پارہ پارہ
 قباۓ ملک و دولت چال و درچال!
 مرا ایماں تو ہے باقی و بس کن
 نہ لکھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک!
 ہواستے شہ کی موجوں میں محصور
 سمرقند و بخت سارا کی کھنڈ خاں!

مگر اگر وہ چوتھا اٹلہ بیسنم
 بلا انہ شتری و منیر سنم

یہ کایک پل کئی حنا کی سمرقند
 اٹھا تیمور کی تربت سے اک نور
 شفق آمیز تھی اس کی سفیدی
 صدا آتی کہ میں ہوں رُوح تیمور
 اگر محصور ہیں مردان تاتار
 نہیں اللہ کی تعذیر محصور
 تقاضا زندگی کا کیا یہی ہے
 کہ تورانی ہو تورانی سے مہجور؟

’خودی را سوز و تابے دیکرے وہ
 جہاں را انعتابے دیکرے وہ‘

* یہ شعر معلوم نہیں کس کا ہے، نصیر الدین طووسی نے غالبؔ

’شرح اشارات‘ میں اسے نقل کیا ہے

حالِ مہتمم

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بہت دیدج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نلراں اور
احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ پہ سالک کا زمان اور مسکاں اور
الفاظِ معسانی میں تعناوت نہیں لیکن
علا کی اذان اور، مجاہد کی اذان اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
گر گس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

* ابوالعلا معری

کہتے ہیں کبھی کوشت نہ کھاتا تھا معری
پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ لہز اوقات

* ابوالعلا معری، عربی زبان کا مشہور شاعر

۴۸۶

بالِ جبریل

۶۲

اک دوست نے بھونا ہوا تیرے اُسے بھیجا
 شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے چومات
 یہ خوان ترو تازہ مستری نے جو دیکھا
 کہنے لگا وہ صاحبِ غفران * و لزومات *
 اے مرغابِ حیا رہ! ذرا یہ توبت اٹو
 تیرا وہ گنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟
 افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بناؤ
 دیکھے نہ تری انکھ نے فطرت کے اشارات
 تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
 ہے جبرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاعیات!



* غفران — رسالۃ الغفران، معرسی کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے
 * لزومات — اس کے قصائد کا مجموعہ ہے

سینما

وہی بُت فروشی، وہی بُت کرمی ہے سفید ہے یا صنعتِ آزری ہے
وہ صنعت نہ تھی، شیوہ کافرِ تھا یہ صنعت نہیں شیوہِ ساحری ہے
وہ مذہب تھا اقوامِ عہدِ کائن کا یہ مذہب حاضر کی سوداگری ہے

وہ دُنیہ کی مٹی، یہ دُرخ کی مٹی
وہ بُت خانہ خالی، یہ خاستری ہے

پنجاب کے پیرِ اول سے

حاضر ہو امیں شیخ مجتہد کی لحد پر
وہ حال کہ ہے زیرِ فلکِ مطلعِ انوار
اس خال کے دُروں سے ہیں سرِ مندر ستارے
اس خال میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
کروں نہ جھکی جس کی جہانگیر کے لے
جس کے نفسِ کرم سے ہے کرمی اصرار

۲۸۸
بالِ عہدِ بیل
۱۶۴

وہ ہند میں سرمایہ بخت کا نگہاں
 اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
 کی عرض یہ میں نے کہ عطا فستہ ہو مجھ کو
 آنکھیں مری سینا ہیں، لیکن نہیں بیدار
 آتی یہ صد اسلہ فقر ہوا بند
 ہیں اہل نطنہ کشور پنجاب سے بیزار
 عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں
 پیدا کلمہ فقر سے چوٹیرہ دستار
 باقی کلمہ فقر سے مھتا ولولہ حق
 طُروں نے چڑھایا نشہ خدمت سرکار

سیاست

اس کھیل میں تعین مراتب کی ضروری
 شاطر کی عنایت سے تو فرزند میں پیادہ
 بیچارہ پیادہ تو ہے اک ٹھہرہ چمپینز
 فرزند سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

فقر

اک منقر بکھاتا ہے صرستیاد کو پنچیری
 اک منقر سے کھلتے ہیں اسرار جہاں لیری
 اک منقر سے قوموں میں سکینی و دلیری
 اک منقر سے مٹی میں خاصیت اسیری
 اک منقر ہے شہیری اس فقر میں ہے میری
 میرا شمس لانی ہمارے شہیری!

خودی

خودی نہ دے سیم و زر کے عوض نہیں شعلہ دیتے شر کے عوض
 یہ کہتا ہے منہ دوسری دیدور عجم جس کے سرے سے روشن بھر
 ”زہر درم نہ دے دوزخ و مباحش
 تو باید کہ باشی درم کو مباحش“

۴۹۰

بال جبریل

۶۶

جُدائی

سُورج بُنت ہے تارِ زر سے دُنیا کے لیے روستے نوری
عالم ہے خموشِ دستِ لویا ہر شے کو نصیب ہے حضورِ
دریا، کُھسار، چاند، تارے کیا جانیں منہ راق و نا صہوری
شایاں ہے مجھے غمِ جُدائی
یہ ناک ہے محرمِ جُدائی

خانقاہ

رمز و ایسا اس زمانے کے لیے مٹوؤں نہیں
اور آتما بھی نہیں مجھ کو سخنِ سازی کا فن
”قم پاؤں اللہ“ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوتے
خانقاہوں میں محب اور رہ گئے یا کورکن!



ابلیس کی عرضداشت

کہتا تھا عزرا زیل خداوند جہاں سے
پر کالہ آتش ہوئی آدم کی کفنِ خال!
جاں لاغر و تن سربہ و ملبوس بدن زیب
دل نزع کی حالت میں، خرد و نچستہ و چالال!
نہ پاک جسے کہتی تھی مشرق کی شریعت
مغرب کے فقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہے پاک!
تجھ کو نہیں معلوم کہ خوراکِ ہشتی
ویرانیِ جنت کے تصور سے ہیں عسہمِ ناک؟
جسٹور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب سیری ضرورت تیرا فدا!
❦

۴۹۲

بالِ جبریل

۱۹۸

لہو

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس
اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس
جسے ملا یہ مستلح کر اس بسا، اس کو
نہ سیم و زر سے محبت ہے نہ عنیم افلاس

پرواز

کہا درخت نے اک روز مرغ صحرا سے
ستم یہ عنیم کدہ رنگ و بو کی ہے بنیاد
خدا مجھے بھی اگر بال و پر عطا کرتا
شگفتہ اور بھی ہوتا یہ عالم احباب
دیا جواب اُسے خوب مرغ صحرا نے
غضب ہے داد کو سمجھا اُٹھو اسے تو بیدا
جہاں میں لذت پرواز حق نہیں اس کا
وجود جس کا نہیں جذب خال سے آزاد

شیخ مکتبے

شیخ مکتبے ہے اک عمارتِ کبر جس کی صنعت ہے رُوحِ انسانی
نکتہ دلپذیر ہے یہ کہ گریہ ہے حکیمِ ستارانی
”پیشِ خورشیدِ مگرشِ یوا“
خواہی ار صحنِ حنا نہ نورانی“

فلسفی

بلندِ بال تھا، لیکن نہ تھا جور و غیور
حکیمِ سبِ محبت سے بے نصیب ہوا
پھر افضاؤں میں لکڑس لکڑچہ شاہین وار
شکارِ زندہ کی لذت سے بے نصیب ہوا



۴۹۴

بالِ جبریل

۱۴۰

شاہیں

کیا میں نے اُس خالِ اس سے کنارا
 بیاباں کی خلوتِ خوش آتی ہے مجھ کو
 نہ بادِ باری نہ کھینِ بلبیل
 خیابانیوں سے ہے پر پیرِ لازم
 ہوئے بیاباں سے ہوتی ہے کاری
 حمام و کبوتر کا ٹھوکا نہیں میں
 جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
 یہ پورب یہ پچھیم جلوں کی دنیا
 جواں مرد کی ضربتِ عن زیا
 کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
 لٹو لٹم رکھنے کا ہے اک بہانہ
 مرا نیلگوں آسمان بیکرا
 جہاں رُزق کا نام ہے اسب و آنہ
 ازل سے ہے فطرت مری اہبنا
 نہ بیمار ہی نفی نہ شامت نہ
 ادائیں ہیں ان کی بہت دسبر
 جواں مرد کی ضربتِ عن زیا
 کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
 لٹو لٹم رکھنے کا ہے اک بہانہ
 مرا نیلگوں آسمان بیکرا

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
 کہ شاہیں بنانا نہیں اشیانہ



باغی مُرید

ہم کو تو میسٹر نہیں مٹی کا دیا بھی
لکھریہ کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو، دیہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ
مانندِ بُتِ ساں چُختے ہیں عصبے کے برہمن
نذرانہ نہیں، سود ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرفۂ سالو س کے اندر ہے مہاجن
سیرِ ایش میں آئی ہے انھیں سندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عتابوں کے نشین!

ہارون کی آخری نصیحت

ہارون نے کہا وقتِ رحیل اپنے پسر سے
جاتے کا کبھی تُو بھی اسی راہِ کُزر سے

پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

ماہر نفیات سے

خبر آتے ہیں تو افکار کی دنیا سے لڑ جا
ہیں محسوس خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضربِ ظہری سے نہ چھے

یورپ

تاک میں بیٹھے ہیں مذستے یہودی سود خوا
جن کی روباہی کے آگے ہیچ ہے زورِ پلنگ
خود بخود کرنے کو ہے پتے ہوتے پھل کی طرح
دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ!

(ماخوذ از نطشہ)

آزادی افکار

جو دُورنی فطرت سے نہیں لائق پرواز
اُس مرعاب بیچارہ کا انجم ہے افتاد
ہر سینہ نشین نہیں جبریل امین کا
ہر کندہ نہیں طائر فردوس کا صیاد
اُس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے اندر اوجھوں ہر بے کد آزاد
کوئی فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادی انکار ہے ایسی کی ایجاد

شیر اور خچر

شیر
ساکنانِ دشت و صحرا میں ہے تو سب سے ملک
کون ہیں تیرے اب و جد کس قبیلے سے تُو؟

۴۹۸

بالِ جبریل

۱۶۲

خجتر

میرے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور
وہ مبارقہ شاپی اہل کی ابرو!

(ماخوذ از جرمن)

چیونٹی اور عقاب

چیونٹی

نیں پاتھ سال و خوار و پریشان درو مند
تیرا مست کام کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟

عقاب

تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں
نیں نہ سپر کو نہیں لاتا نگاہ میں!

قطعہ

فطرت مری مانند سیم سحری ہے
 رفتار ہے میری لہری آہستہ لہری تیز
 پہناتا ہوں اسلس کی قبا لالہ و گل کو
 کرتا ہوں سحر سار کو سوزن کی طرح تیز

قطعہ

گل اپنے مُردوں سے کہا پیرمغاں نے
 قیمت میں میرے ہی ہاؤر ناس سے چند
 زہر اے اُس قوم کے حق میں مے افروغ
 جس قوم کے بچے نہیں خود دار و بے سند



ضربِ کلیم

یعنی

اعلانِ جنگ، دورِ حاضر کے خلاف

اقبال

نور کاظم

افکار نامہ

اعظم خجک زمانہ ہر کمالات
(پیشہ)

۵۰۲
ضرب کاظم
۲



نہیں متام کی خاکِ طبیعت آزاد
ہوا ہے سیرِ شالِ نسیمِ پیدار
ہزار چشمہ تھے سناںِ اہل سے چھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیمِ پیدار



انجمن اوقاف و خیرات
جید

فونانی

~~خطی است و از دست خط صاحب کتاب~~

و انچه در دست و فرزند کارای کمال است معلم
و انچه در دست و فرزند کارای کمال است معلم

نظر بر این که در صورتی که در این کتاب
نظر بر این که در صورتی که در این کتاب

۵۰۲
ضریب کلیم

1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

* علیحضرت نواب سر حمید اللہ خاں
فرماں روا تے بھوپال کی خدمت میں

۵۲۱/۲۱

* ناظرین سے

۵۲۲/۲۲

* تمہید

۵۲۳/۲۳

اسلام اور سلمان

۵۲۵/۲۵

۱ صبح

۵۲۶/۲۶

۲ لا الہ الا اللہ

۵۲۷/۲۷

۳ تن بہ تفتیر

۵۲۸/۲۸

۵۰۵
ضربِ کلیمہ

۵۲۹/۲۹	معراج	۴
۵۳۰/۳۰	ایک فلسفہ زدہ ستیزاویں کے نام	۵
۵۳۱/۳۱	زمین و آسمان	۶
۵۳۲/۳۲	مسلمان کا زوال	۷
۵۳۲/۳۲	علم و عشق	۸
۵۳۲/۳۲	اجتناب	۹
۵۳۲/۳۲	شکر و شکایت	۱۰
۵۳۵/۳۵	ذکر و نکر	۱۱
۵۳۶/۳۶	ملائے حرم	۱۲
۵۳۶/۳۶	تقدیر	۱۳
۵۳۷/۳۷	توحید	۱۴
۵۳۸/۳۸	علم اور دین	۱۵
۵۳۸/۳۸	چندی مسلمان	۱۶
۵۳۹/۳۹	آزادی شمشیر کے اعلان پر	۱۷

۵۰۶

ضرب کلیم

۶

۵۴۰/۴۰	۱۸	جسار
۵۴۱/۴۱	۱۹	قوت اور دین
۵۴۲/۴۲	۲۰	فقت و ملکیت
۵۴۳/۴۳	۲۱	اسلام
۵۴۳/۴۳	۲۲	حیاتِ ابدی
۵۴۴/۴۴	۲۳	سلطانی
۵۴۵/۴۵	۲۴	صوفی سے
۵۴۶/۴۶	۲۵	افرناس زدہ
۵۴۷/۴۷	۲۶	تصوف
۵۴۸/۴۸	۲۷	ہندی اسلام
۵۴۹/۴۹	۲۸	غزل (دلِ مُردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دو بارہ)
۵۵۰/۵۰	۲۹	ہنسیا
۵۵۰/۵۰	۳۰	نہار
۵۵۱/۵۱	۳۱	وخی

۵۰۶
ضربِ کلیم

۵۵۱/۵۱	شکت	۳۲
۵۵۲/۵۲	عمتیل و دل	۳۳
۵۵۲/۵۲	ستی لروار	۳۴
۵۵۳/۵۳	قبر	۳۵
۵۵۴/۵۴	فتلندر کی چپان	۳۶
۵۵۵/۵۵	فلسفہ	۳۷
۵۵۶/۵۶	مردان حشدا	۳۸
۵۵۶/۵۶	کافنر و مومن	۳۹
۵۵۷/۵۷	مہدی برحق	۴۰
۵۵۸/۵۸	مومن	۴۱
۵۵۹/۵۹	محمد علی باب	۴۲
۵۵۹/۵۹	تقدیر	۴۳
۵۶۱/۶۱	اے روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم	۴۴
۵۶۱/۶۱	مذہبیت اسلام	۴۵

۵۰۸
ضرب کا یہ

۸

۵۶۲/۴۲	۴۶ امامت
۵۶۳/۴۳	۴۷ فتنہ و راہبہ
۵۶۴/۴۴	۴۸ غزل (تیری ستارے حیات علم بہت کفر نور)
۵۶۵/۴۵	۴۹ تسلیم و رضا
۵۶۶/۴۶	۵۰ جنگ تہ توحید
۵۶۷/۴۷	۵۱ اسلام اور آزادی
۵۶۸/۴۸	۵۲ جان و تن
۵۶۸/۴۸	۵۳ لاہور و لکراچی
۵۶۹/۴۹	۵۴ نبوت
۵۷۰/۵۰	۵۵ اوم
۵۷۰/۵۰	۵۶ مکہ اور جنیوا
۵۷۱/۵۱	۵۷ اے پیرِ حرم
۵۷۲/۵۲	۵۸ مہدی
۵۷۳/۵۳	۵۹ مروجہ مسلمان

۵۷۴/۷۴	۶۰	پنجابی سلمان
۵۷۵/۷۵	۶۱	آزادی
۵۷۵/۷۵	۶۲	اشاعت اسلام فرستان میں
۵۷۶/۷۶	۶۳	لا و آلا
۵۷۷/۷۷	۶۴	امراتے عرب سے
۵۷۷/۷۷	۶۵	احکام الہی
۵۷۸/۷۸	۶۶	موت
۵۷۹/۷۹	۶۷	ششم باذن اللہ

تعلیم و تربیت

۵۸۱/۸۱	۱	مقصود
۵۸۲/۸۲	۲	زمانہ حاضر کا انسان
۵۸۳/۸۳	۳	اقوام شرق
۵۸۴/۸۴	۴	آگاہی

۵۱۰

ضریب کلیم

۱۰

۵۸۲/۸۲	۵	مصلحتیں مشرق
۵۸۵/۸۵	۶	مغربی تہذیب
۵۸۵/۸۵	۷	اسرارِ پیرا
۵۸۶/۸۶	۸	سلطان ٹیپو کی وصیت
۵۸۷/۸۷	۹	غزل (نہ میں ابھی نہ ہندی، نہ عراقی و حجازی)
۵۸۸/۸۸	۱۰	بیسرداری
۵۸۸/۸۸	۱۱	خودی کی تربیت
۵۸۹/۸۹	۱۲	آزادی و سکر
۵۸۹/۸۹	۱۳	خودی کی زندگی
۵۹۰/۹۰	۱۴	حکومت
۵۹۱/۹۱	۱۵	ہندی مکتب
۵۹۲/۹۲	۱۶	تربیت
۵۹۳/۹۳	۱۷	خوب و زشت
۵۹۳/۹۳	۱۸	مرکبِ خودی

۵۹۴/۹۴ ۱۹ مہمان عزیز

۵۹۴/۹۴ ۲۰ عصر حاضر

۵۹۵/۹۵ ۲۱ طالب علم

۵۹۵/۹۵ ۲۲ آستان

۵۹۶/۹۶ ۲۳ مدد

۵۹۷/۹۷ ۲۴ حکیم نطشہ

۵۹۷/۹۷ ۲۵ اساتذہ

۵۹۸/۹۸ ۲۶ خزل (بے گمان منزل مقصود کا اسی کو سراغ)

۵۹۹/۹۹ ۲۷ دین و تسلیم

۶۰۰/۱۰۰ ۲۸ جاوید سے

عورت

۶۰۳/۱۰۳ ۱ مرد و فرناک

۶۰۴/۱۰۴ ۲ ایک سوال

۶۰۴/۱۰۴

۶۰۴/۱۰۴

۵۱۲

ضرب کلیم

۱۲

۳	پروہ	۶۰۵/۱۰۵
۴	حسوت	۶۰۵/۱۰۵
۵	عورت	۶۰۶/۱۰۶
۶	ازادی نسواں	۶۰۶/۱۰۶
۷	عورت کی حفاظت	۶۰۶/۱۰۶
۸	عورت اور تعلیم	۶۰۸/۱۰۸
۹	عورت	۶۰۹/۱۰۹

ادبیات، فنون لطیفہ

۱	دین و ہنر	۶۱۱/۱۱۱
۲	تخلیق	۶۱۲/۱۱۲
۳	جسٹس	۶۱۳/۱۱۳
۴	اپنے شمرے	۶۱۴/۱۱۴
۵	پیرس کی مسجد	۶۱۵/۱۱۵

۶۱۵/۱۱۵	۶ ادبیات
۶۱۶/۱۱۶	۷ نگاہ
۶۱۷/۱۱۷	۸ مسجدِ ثبوت الاسلام
۶۱۸/۱۱۸	۹ تیاتر
۶۱۹/۱۱۹	۱۰ شعاعِ اُمید
۶۲۰/۱۲۰	۱۱ اُمید
۶۲۱/۱۲۱	۱۲ نگاہِ شوق
۶۲۲/۱۲۲	۱۳ اہلِ شہرے
۶۲۳/۱۲۳	۱۴ غزل (دریا میں موتی، اے موج بے باک)
۶۲۴/۱۲۴	۱۵ وجود
۶۲۵/۱۲۵	۱۶ سرود
۶۲۶/۱۲۶	۱۷ نسیم و شبنم
۶۲۷/۱۲۷	۱۸ اہرامِ مصر
۶۲۸/۱۲۸	۱۹ مخلوقاتِ تہذیب
۶۲۹/۱۲۹	

۵۱۲

ضربِ کلیم

۱۲

۲۰	اقبال
۲۱	فنون لطیفه
۲۲	صبح حسن
۲۳	حشاقانی
۲۴	رومی
۲۵	جست
۲۶	مرزا بیگل
۲۷	جلال و جمال
۲۸	مصور
۲۹	سرود جلال
۳۰	سرود حرام
۳۱	فواره
۳۲	شاعر
۳۳	شعر عجم

۴۳۰/۱۳۰

۴۳۰/۱۳۰

۴۳۱/۱۳۱

۴۳۲/۱۳۲

۴۳۳/۱۳۳

۴۳۳/۱۳۳

۴۳۴/۱۳۴

۴۳۵/۱۳۵

۴۳۵/۱۳۵

۴۳۶/۱۳۶

۴۳۷/۱۳۷

۴۳۸/۱۳۸

۴۳۸/۱۳۸

۴۳۹/۱۳۹

۶۴۰/۱۴۰	۳۴	نمونه سرور این چند
۶۴۱/۱۴۱	۳۵	مرد بزرگ
۶۴۲/۱۴۲	۳۶	عالم نو
۶۴۲/۱۴۲	۳۷	ایجاب و معانی
۶۴۳/۱۴۳	۳۸	موسیقی
۶۴۳/۱۴۳	۳۹	ذوق نظم
۶۴۴/۱۴۴	۴۰	شعر
۶۴۴/۱۴۴	۴۱	رقص و موسیقی
۶۴۵/۱۴۵	۴۲	ضبط
۶۴۵/۱۴۵	۴۳	رقص

سیاسیات مشرق و مغرب

۶۴۸/۱۴۸	۱	اشتراکیت
۶۴۹/۱۴۹	۲	کارل مارکس و لی آواز

۵۱۶
ضرب کلیم
۱۶

۶۴۹/۱۴۹	۳	انتخاب
۶۵۰/۱۵۰	۴	خوشامد
۶۵۰/۱۵۰	۵	مناصب
۶۵۱/۱۵۱	۶	یورپ اور یہود
۶۵۲/۱۵۲	۷	نفسیاتِ اسلامی
۶۵۳/۱۵۳	۸	بلشویک روس
۶۵۳/۱۵۳	۹	آج اور کل
۶۵۴/۱۵۴	۱۰	شرق
۶۵۴/۱۵۴	۱۱	سیاستِ افغان
۶۵۵/۱۵۵	۱۲	خواجہ بکلی
۶۵۵/۱۵۵	۱۳	عنداموں کے لیے
۶۵۶/۱۵۶	۱۴	اہل مصر
۶۵۷/۱۵۷	۱۵	ابی سینیا
۶۵۸/۱۵۸	۱۶	ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام

۶۵۹/۱۵۹	۱۷	جمعیت اقوام شرق
۶۶۰/۱۶۰	۱۸	سلطانی جاوید
۶۶۰/۱۶۰	۱۹	جمهوریت
۶۶۱/۱۶۱	۲۰	یورپ اور سوریہ
۶۶۱/۱۶۱	۲۱	سولینی
۶۶۳/۱۶۳	۲۲	کد
۶۶۳/۱۶۳	۲۳	انتداب
۶۶۴/۱۶۴	۲۴	لادین سیاست
۶۶۵/۱۶۵	۲۵	وام تہذیب
۶۶۶/۱۶۶	۲۶	نصیحت
۶۶۷/۱۶۷	۲۷	ایک بحری قزاق اور کندر
۶۶۸/۱۶۸	۲۸	جمعیت اقوام
۶۶۸/۱۶۸	۲۹	شام و فلسطین
۶۶۹/۱۶۹	۳۰	سیاسی پیشوا

۶۶۹/۱۶۹	۳۱	نفسیاتِ خلائی
۶۷۰/۱۷۰	۳۲	عسلا موں کی نسا
۶۷۱/۱۷۱	۳۳	فلسطینی عرب سے
۶۷۲/۱۷۲	۳۴	مشرق و مغرب
۶۷۲/۱۷۲	۳۵	نفسیاتِ عالمی

محراب گل افغان کے افکار

۶۷۳/۱۷۳	۱	میر کے نساں! تجھے چوڑ کے جاؤں کساں
۶۷۴/۱۷۴	۲	حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام
۶۷۵/۱۷۵	۳	تری دُعا سے قضیہ سنا تو بدل نہیں سکتی
۶۷۶/۱۷۶	۴	کیا چسپرخ کج رو، کیا مسز کیا ماہ
۶۷۸/۱۷۸	۵	یہ مدر سے پھیل، یہ غوغا سے روارو
۶۷۹/۱۷۹	۶	جو عالم ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
۶۸۰/۱۸۰	۷	رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندستان

۶۸۱/۱۸۱	۸	زراغ کست ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر
۶۸۲/۱۸۲	۹	عشق طینت میں سر و مایہ نہیں شل ہوس
۶۸۳/۱۸۳	۱۰	وہی جواں ہے قبیلے کی اگمہ کا تارا
۶۸۴/۱۸۴	۱۱	جس کے پر تو سے منور رہی تیری شب و شب
۶۸۴/۱۸۴	۱۲	لا دینی و لاسینی، کس پیچ میں ابھٹا تو!
۶۸۵/۱۸۵	۱۳	مجھ کو تو یہ دُنیسا نظر آتی ہے دلوں
۶۸۶/۱۸۶	۱۴	بے خبر آتشِ رندانہ عہدِ عشق ہے بڑا ہی
۶۸۷/۱۸۷	۱۵	ادم کا ضمیر اس کی حقیقت پہ ہے شاہ
۶۸۷/۱۸۷	۱۶	قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
۶۸۸/۱۸۸	۱۷	آل اس کی ٹھونسا دیتی ہے برنا و پیرلو
۶۸۹/۱۸۹	۱۸	یہ نکستہ خوب کہا شیر شاہ سُوری نے
۶۹۰/۱۹۰	۱۹	نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہچانے
۶۹۱/۱۹۱	۲۰	فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے گنجبانی



علی حضرت نور اسماء رحمہ اللہ خاف منہ ما نرواۃ بھوپال
کی خدمت میں

زمانہ با ائمہ ایشیا چکر دو گز

کسے نہ بود کہ اس دستان فرو خواند

تو صاحب نظری آنچه در سیرین است

دل تو بسند و اندیشہ تو می داند

بگیر این ہمہ ساریہ سار از من

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

ناظرین سے

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ چوٹ
تیرا زُجاج ہونے کے کا عینِ سند
یہ زورِ دست و ضربتِ کاری کل ہے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کرنا ہے چنگ
خونِ دل و جگر سے ہے طرہِ حیات
فطرتِ لہو ترنگ ہے عینِ فلِ اُنہِ جلِ ترنگ



۵۲۲
ضربِ کلیم
۲۲

تہیہ



نہ دیر میں نہ سرم میں خودی کی بیداری
کہ خاوراں میں ہے قوموں کی رُوح تریاکی
اگر نہ سہل ہوں تجھ پر زمیں کے ہنکامے
بُرمی ہے سستی اندیشہ ہائے افلاکی
ترمی نجات عنہم مرگ سے نہیں ممکن
کہ تو خودی کو سمجھتے ہے پیکر خاکی
زمانہ اپنے حوادث چھپا نہیں سکتا
ترا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپالی

عطا ہوا حسن و خاشاک ایسا مجھ کو
کہ میرے شعلے میں ہے سرکشی و بے باکی



ترکنت ہے قہرِ سببِ اس آرائی
اگرچہ تُو ہے سببِ حالِ زمانہ کم پیوند
جو لوگت ر کے ٹوکر تھے اُن عینِ یوں کو
ترمی نوا نے دیا ذوقِ بندہ ہلے بلند
تڑپ سے ہیں فضا ہلے شے سیکوں کے لیے
وہ پر شدت کہ صحنِ سر میں تھے خورند
ترمی سزا ہے نوائے سحر سے محرومی
مقامِ شوق و سرور و نطن سے محرومی

۵۲۲

ضربِ کلیم

۲۲

اسلام اور مسلمان

۵۲۵
ضربِ کلیم
۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صُبح

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندہ مومن کی ازاں سے پیدا

* بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۵۲۶
ضربِ کلیم
۲۶

لا الہ الا اللہ

خودی کا سہرہ نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ، فساں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہِ سیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
کیا ہے تو نے متاعِ عنبرور کا سودا
فریب سود و زیاں لا الہ الا اللہ
یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند
بُتانِ وہم و گمساں لا الہ الا اللہ
بخر و ہوتی ہے زمان و مکاں کی بُناری
نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پاسبند
 بہار ہو کہ خیزاں، لا الہ الا اللہ
 اگرچہ بُت ہیں جماعت کی استینوں میں
 مجھے ہے حکمِ اذان، لا الہ الا اللہ

تن بہ تقدیر

اسی قُراں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
 جس نے مومن کو بنایا مسدودِ پروں کا ایسر
 'تن بہ تقدیر' ہے آج اُن کے عمل کا انداز
 تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
 تھا جو تا خوب، بدیج وہی خوب نہوا
 کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا میسر



معراج

وے ولولہ شوق جسے لذت پرواز
کر سکتا ہے وہ ذرہ مرہوس کو تاراج
مشکل نہیں یارانِ چمن بہرِ کرباز
پرسوز اگرچہ نفسِ سیرینہ دراج
ناول ہے سلمانِ عرفا اس کا شہرِ تیا
ہے سترِ سراپردہ جانِ نکستہ معراج
تو معنی و انجسم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا ند و جزرا بھی چاند کا محتاج



ایک فلسفہ زدہ سید اے کے نام

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا
ہیکل کا صدف گھر سے خالی
محکم کیسے ہو زندگانی
اوم کو ثبات کی طلب ہے
دنیا کی عشا جو بس اشراق
نہیں اصل کا خاص و مناساتی
تو سید ہاشمی کی اولاد
ہے فلسفہ میرے آب و گل میں
اقبال اگر چہ بے پیر ہے
شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز
انجام حسرت ہے بے حضوری
افکار کے نغمہ ہائے بے صوت
زنجاری گرہاں نہ ہوتا
ہے اس کا طلسم سب خیالی
کس طرح خودی ہو لازمانی
دستور حیات کی طلب ہے
مومن کی اواں ندا تے آفاق
ابا مرے لاتی و سناتی
میری کف خال پر ہنسنا
پوشیدہ سے ریشہ ٹٹے دل میں
اس کی رل رل سے باخبر ہے
سُن مجھ سے نیچتہ دل افزا
ہے فلسفہ زندگی سے فوری
ہیں فوق عمل کے واسطے موت

دیں مسلک زندگی کی تقویم دین سیر محمد و براءِ سلیم
دل و رخن مستدی بند اے پورِ عشق زبوعلی چند

چوں دیدہ راہ ہیں نداری
قاید تشری بہ از بخاری

زمین و آسمان

ممکن ہے کہ تُو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
اوروں کی نگاہوں میں وہ موسمِ بہارِ خزاں کا
ہے سلسلہ احوال کا ہر لحظہ و لڑکوں
اے سالک رہا نہ کر سود و زیاں کا
شاید کہ زمیں ہے یہ کسی اور جہاں کی
تُو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا!

* فارسی اشعارِ حکیم خاٹانی کی 'شحفۃ العراقرین' سے ہیں

مسلمان کا زوال

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے پیتر، تو نگر می سے نہیں
اگر جواں ہوں مری قوم کے جنور و غسیور
قلندر می مری کچھ کم سکندر می سے نہیں
سبب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں مرا جو ہر اسٹ کار ہوا
قلندر می سے ہوا ہے، تو نگر می سے نہیں

علم و عشق

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تنہا پن وطن

بندہ نخمین وطن! اکرم کتابی نہ بن
 عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب!
 عشق کی کرمی سے ہے سرکہ کائنات
 علم مستام صفات، عشق تماثلے فوات
 عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات
 علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پرپناں جواب!
 عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں
 عشق کے ادنیٰ عن سلام صاحب تماج و نجیں
 عشق مکان و مکین، عشق زمان و زمیں
 عشق سراپا یقین، اور یقین مستحجاب!
 شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام
 شور شر طوفاں حلال، لذت ساحل حرام
 عشق پہ بجل حلال، عشق پہ حاصل حرام
 علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے اُم الکتاب!

اجتہاد

چند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے کیجے
نہ کہیں لذت کروار، نہ افکار عسقیق
حلقہ شوق میں وہ جرات اندیشہ کہاں
اے محکومی تفتلید و زوال تحقیق!
خود بدلتے نہیں قراں کو بدل دیتے ہیں
ہوتے کس درجہ فقیرانِ حرم بے توفیق!
ان غلاموں کا یہ سلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق!

شکر و شکایت

میں بندہ نادان ہوں مگر شکریہ تیرا
رکھتا ہوں نہاں خانہ لاہوت سے پیوند

۵۳۳

ضریحہ کلیم

۳۲

اک دولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو
 لاہور سے تا خائب بخارا و سمرقند
 تاثیر ہے یہ میرے نفس کی کہ خزاں میں
 مرغانِ حسنِ خواں مری صحبت میں ہیں خورسند
 لیکن مجھے پیدا کیا اس دس میں تُو نے
 جس دس کے بندے ہیں عنِ سلامی پر ضامنند

ذکر و نکر

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
 وہ جس کی شان میں آیا ہے عظمِ الاسماء
 مقامِ ذکر، کمالاتِ رومی و عطار
 مقامِ فکر، مقالاتِ بوعلی سینا
 مقامِ فکر ہے پیانشنِ زمان و مکان
 مقامِ ذکر ہے سبحانِ ربی الاعلیٰ

ملائے حرم

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
تری نگر سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
تری نماز میں باقی حلال ہے، نہ جمال
تری اذال میں نہیں ہے مری خسرو پیام

تقدیر

نا اہل کو حاصل ہے کبھی قوت و جبروت
ہے خوار زمانے میں کبھی جو ہر ذاتی
شاید کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں
تقدیر نہیں تابع منطق منطق راتی
ہاں ایک حقیقت ہے کہ معلوم ہے سب کو
تاریخ اہم جس کو نہیں ہم بے چھپاتی

’ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی
’بڑاں صفت تیغ دوپیکر نظر اس کی!

توحید

زندہ ثبوت تھی جہاں میں ہی توحید کبھی
آج کیا ہے، فقط الٰہ ستلہ علم کلام
روشن اس ضو سے اگر ظلمت کو وار نہ ہو
مخوسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
نہیں نے اے میر سپہ تیری سپہ دہی ہے
’قل ہو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
’آہ! اس از سے اقص ہے نہ ’لا، نہ فقیہ
وحدت افکار کی بے وحدت لڑا ہے خام
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دور کھتے امام!

علم اور دین

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم
کیا ہے جس کو خدا نے دل نطق کا ندیم
زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نطق سری قصہ جدید و قدیم
چمن میں تربیت غنچہ چو نہیں سکتی
نہیں ہے قطرۂ شبہم اگر شرابِ نسیم
وہ علم کم بصیرت جس میں ہمکنار نہیں
تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم!

چند میسلمان

خدا و وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
انگریز سمجھتا ہے مسلمان کو کدھر

پنجاب کے اربابِ نبوت کی شریعت
 کہتی ہے کہ یہ مومن پارسی نہ ہے کافر
 آوازِ حق اٹھتا ہے لب اور لہجہ سے
 مسکین و لکم ماندہ دریں شکش اندر

ازادی شمشیر کے اعلان پر

سوچا بھی ہے اسے مردِ مسلمان کبھی تو نے
 کیا چپ نہ ہے فولاد کی شمشیر حکمِ دار
 اُس بیت کا یہ مصرعِ اول ہے کہ جس میں
 پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار
 ہے منکر مجھے مصرعِ ثانی کی زیادہ
 اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار
 قبضے میں یہ تلوار بھی آجاتے تو مومن
 یا حن اللہ جانباڑ ہے یا حیثِ درگزار

جہاد

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ مسلم کہ ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کار
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں؟
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود بے اثر
تبع و تفنک دست مسلمان میں ہے کہاں
ہو بھی تو دل میں موت کی لذت سے بے خبر
کافر کی موت سے بھی لڑتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اُسے کہ مسلمان کی موت مر
تعلیم اس کو چاہیے ترک جہاد کی
دنیا کو جس کے پنجہ خونیں سے ہو خطر
باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوشن تا کر

۵۲۰
ضریبِ کلیم
۲۰

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
 مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی شر
 حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
 اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر!

قوت اور دین

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
 سو بار جوتی حضرت انساں کی قبا چاک
 تاریخ اٹم کا یہ پیام اذلی ہے
 صاحب نظر! انشہ قوت ہے خطرناک
 اس سیل سب سیر و زمین کیسے کے اس کے
 عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک
 لا دیں جو تو ہے زہر ہلا ہل سے بھی بڑھ کر
 جو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

فقر و ملوکیت

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے
ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلب سلیم
اس کی بڑھتی ہوتی بے بالی و بے تابلی سے
تازہ ہر عہد میں ہے قصہ فرعون و کلیم
اب ترا دور بھی آنے کو ہے اے غریب
کھاکتی زوہر مندرلی کو ہوا سے زروسیم
عشق و ہستی نے کیا ضبط نفس مجھ پر حرام
کہ لہر غنچے کی کھلتی نہیں بے موج نسیم



۵۴۲

ضرب کلیم

۴۲

اسلام

روح اسلام کی ہے نورِ خودی، نارِ خودی
زندگانی کے لیے نارِ خودی نور و حضور
یہی چرچہ پینہ کی تقویم، یہی اصل نمود
گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے ستور
لفظ اسلام سے یورپ کو البر کہ ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے فست بر غیور

حیاتِ ابدی

زندگانی ہے صدفِ قطرۂ نسیاں ہے خودی
وہ صدف لیا کہ جو قطرے کو لہر کر نہ سکے
ہو اگر خودِ نلر و خودِ کر و خودِ کسیرِ خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

سُلطانی

کئے خبر کہ ہزاروں مستام رکھتا ہے
دفعہ جس میں ہے بے پردہ روح قرانی
خودی کو جب نطنسراتی ہے قاہری اپنی
یہی مستام ہے کہتے ہیں جس کو سُلطانی
یہی مستام ہے مومن کی قوتوں کا عیا
اسی مستام سے آدم ہے ظل سبحانی
چیز بر وقہر نہیں ہے یہ عشق دوستی ہے
کہ جب بر وقہر سے ممکن نہیں جہاں بانی
لیا لیا ہے غلامی میں بستلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہونہ سکی فہم سر کی نگہبانی

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۴۴

ضرب کا لیم

۴۴

مثال ماہ چمکتا تھا جس کا داغ سجود
 سریدلی ہے سرنگی نے وہ سلما نی
 ہوا حریف مر و آفتاب تو جس سے
 رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی

صوفی سے

تری نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا
 مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا
 تختیلات کی دنیا غریب ہے لیکن
 غریب تر ہے حیات و ممات کی دنیا
 عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہ تری
 بظاہر ہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا



آفرینانِ زودہ



ترا وجود سراپا تجسّنی انس و جنک
کہ تو وہاں کے عمارت کردوں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکر خالی خودی سے ہے حنائی
فقط نسیم ہے تو، زنگار و بے شمشیر!



ترمی نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا
وجود کیا ہے، فقط جوہر خودی کی نمود
کہ اپنی منکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

۵۴۶

ضربِ کلیم

۲۶

تصوف

یہ حکمت ملکوتی، عیرِ علم لائوتی
 حرم کے درو کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
 تری خودی کے نگہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ عسل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار
 شرابِ شورشِ پناہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
 ضرور نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
 دل و نگاہِ سداں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
 فروغِ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

* ریاض منزل (دولت کدہ سرسبز مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

چندی اسلام

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت بازو
اتنی نہیں کچھ کام یہاں عقل خداؤ
اے مرد خدا! تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی عمار میں اللہ کو گریاد
مسکینی و محکومی و نویسی دی جاؤ
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کہ ایجاد
ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد



غزل

دل مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دو بارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کُن کا چارہ
ترا بھر پر سکوں ہے یہ سکوں ہے یا فسوں ہے؟
نہ ٹھنک ہے نہ طوفان، نہ خرابی کنارہ!
تو ضمیرِ آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے
نہیں بے قرار کرتا تجھے غمزہ ستارہ
ترے نیستیاں میں ڈالا مرے نغمہ بھرنے
مری خال پے پیر میں جو نہاں تھا اک شرارہ
نظر آتے گا اسی کو یہ جہانِ دوش و فردا
جسے آگئی میسر مری شوخیِ نطنارہ



دنیا

مجھ کو بھی نظر آتی ہے یہ بوقلمونی
وہ چاند، یہ تارا ہے، وہ پتھر، یہ نکلیں ہے
دیتی ہے مری چشم بصیرت بھی یہ فتویٰ
وہ کوہ، یہ دریا ہے، وہ لہروں، یہ زمیں ہے
حق بات کو لیکن میں خُشپا کر نہیں رکھتا
تو ہے، تجھے جو کچھ نظر آتا ہے، نہیں ہے!

نماز

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
الرحیم پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ ہے تو کراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

وُحی

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو وطن و تہذیب تو زبوں کار حیات
فکر بے نور ترا، جذبِ عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن پوشِ تارِ حیات
خوب و ناخوب عمل کی ہو کردہ واکینہ
گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرارِ حیات!

شکست

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں
بہانہ بے عملی کا بنی شرابِ است

❖ ریاض منزل (دولت کدہ سرسبز سعادت) بھوپال میں لکھے گئے

فقیر شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور
کہ معرکے ہیں شریعت کے جناب دست بدست
کریم کشمکش زندگی سے، مردوں کی
الرشکت نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست!

عقل و دل

ہر خاکی و نوری پہ حکومت ہے خرد کی
باہر نہیں کچھ عقل حسد اواد کی زد سے
عالم ہے عین سلام اس کے بدل ازل کا
اک دل ہے کہ ہر لحظہ الجھتا ہے خرد سے

مستی کردار

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال
ملا کی شریعت میں فقط مستی کُفّار

شاعر کی نوا مُردہ و افشردہ و بے ذوق
 افکار میں سرست نہ خوابیدہ نہ بیدار
 وہ مردِ مجاہدِ نطنس آتا نہیں مجھ کو
 ہو جس کے رک و پے میں فقط سستی کروا

قبر

مرد کا شبستاں بھی اُسے راس نہ آیا
 آرام و تسلندر کو تہِ خاک نہیں ہے
 خاموشی افسانہ تو ہے قبر میں لیکن
 بے قیدی و پہنائی افلاک نہیں ہے



قلندر کی پہچان

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جواں مرو
جاتا ہے جدھر بندہ حق، تو بھی اُدھر جا
ہنگامے ہیں میرے تری طاقت سے زیادہ
پختا ہوا ہنگامہ قلندر سے کزر جا
میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں کا
چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تو تو اتر جا
توڑا نہیں جاؤ و مری تکبیر نے تیرا؟
ہے تجھ میں مگر جانے کی جرات تو مگر جا

مہر و مسد و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، رالکب ہے قلندر



فلسفہ

افکارِ جوانوں کے خفی ہوں کہ جلی ہوں
 پوشیدہ نہیں مر و تسلندر کی نظر سے
 معلوم ہیں مجھ کو ترے احوال کہ میں بھی
 مدت ہوئی گزرا ہوتا اسی راہ گزر سے
 الفاظ کے پتھوں میں ابھتے نہیں انا
 غواص کو مطلب ہے صدقے کہ لہر سے
 پیدا ہے فقط حلقہ تیرا باب جنوں میں
 وہ غفلت کہ پا جاتی ہے شعلے کو شر سے
 جس معنی چھپیدہ کی تصدیق کرے دل
 قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ لہر سے
 یا مردہ ہے یا نثرِ ع کی حالت میں گرفت
 جو فلسفہ لکھا نہ کیا خونِ جگر سے

مردانِ خدا

وہی ہے بندہٴ خُرجیں کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ ضرب ہے جس کی تمام عیاری
ازل سے فطرتِ احرار میں ہیں دوش بدوش
قلندری و قبِ پوشی و کلداری
زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انہی کی خال میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجود انہی کا طوائفِ بتاں سے ہے ازاو
یہ تیرے مومن و کافر تمام زُمار میں!

کافر و مومن

کل ساحلِ دریا پہنچا مجھ سے خضر نے
تو ٹھونڈ رہا ہے سہمِ افرنگ کا تریاق؟

الگ تہ مے پاس ہے شیر کی مانند
 نرندہ صہیتل زود و روشن و براق
 کافر کی یہ چپان کہ افاق میں لم ہے
 مومن کی یہ چپان کہ لم اس میں ہیں افاق!

مہدی برحق

سب اپنے بنائے سوتے زنداں میں ہیں محبوس
 خاور کے ثوابت ہوں کہ افراتک کے سیر
 پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں
 نے جدستِ گرفتار ہے نے جدتِ لروار
 ہیں اہل سیاست کے وہی لہنہ خم و پیچ
 شاعر اسی افلاسِ تخیل میں گرفتار
 دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
 جو جس کی نہ کہ زلزلہ عالمِ افکار

مومن

(دُنیا میں)

ہو حلفت تریاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزیم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
افدال سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خالی سے ملدے ناک سے آزاد ہے مومن
بچتے نہیں لٹچٹک و حمام اس کی نظریں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

جنت میں

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن
خوروں کو شکایت ہے کہ امیر ہے مومن

* بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۵۵۸

ضربِ کلیم

۵۸

محمد علی باب

تھی خوب حضورِ علما باب کی تفسیر
بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعرابِ سموات
اس کی غلطی پر علمائے تھے مُشتم
بولا، تمہیں معلوم نہیں میرے مقامات
اب میری امامت کے تصدیق میں ہیں آزاد
محبوس تھے اعراب میں قرآن کے آیات!

تفسیر

(ابلیس و یزداں)

ابلیس

اے خدا کے کن فکاں! مجھ کو نہ تھا آدمِ سیر
آہ! وہ زندانیِ نزدیک و دور و دیر و زور

حرفِ استکبار تیرے سامنے ممکن نہ تھا
ہاں مگر تیری شہیت میں نہ تھا میرا سجود

یہ زواں

کب کھلا تجھ پر یہ راز، انکار سے پہلے کہ بعد؟

ابلیس

بعد اے تیری تجلی سے جملاست جو!

یہ زواں

(فرشتوں کی طرف دیکھ کر)

پستی فطرت نے سلکھلائی ہے یہ حجت اے
کہتا ہے تیری شہیت میں نہ تھا میرا سجود
دے رہا ہے اپنی ازادی کو مجسوسی کا نام
ظالم اپنے شعلہ سوزاں کو خود کہتا ہے دود!

(ماخوذ از محی الدین ابن عربیؒ)



۵۶۰
ضربِ کلیم
۶۰

اے رُوحِ محمدؐ

شیرازہ ہوا قلتِ مرحوم کا اتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے!
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
چرچند ہے بے قافلہ و راعلہ و زرا
اس کوہ و سیاہاں سے خدی غم ان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے رُوحِ محمدؐ
ایاتِ الہی کا نگہ بان کدھر جائے!

مذہبِ اسلام

بتاؤں تجھ کو سماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ حسنوں

طلوع ہے صفتِ آفتاب اس کا غروب
 یگانہ اور مثالِ زمانہ گونا گوں !
 نہ اس میں عصرِ رواں کی حیا ہے بے نزاری
 نہ اس میں عسکریں کے فسانہ و افسوں
 حستِ آتقِ ابدی پر اساس ہے اس کی
 یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسمِ افلاطون !
 عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوقِ جمال
 عجم کا حسنِ طبیعت، عرب کا سوزِ رُخسار !

امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھے
 حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کے
 ہے وہی سیرے زمانے کا امامِ برحق
 جو تجھے حاضر و موجود ہے بے نزاری کے

۵۶۲
 ضربِ کاغذ
 ۶۲

موت کے آتے میں تجھ کو دکھا کر رنج و دوست
 زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے
 دے کے احساسِ زیاں یہ اللہ کرے
 فتنہ کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
 فتنہ ملت بیضا ہے امامت اُس کی
 جو سماں کو سلاطین کا پرستار کرے

فقر و راہبی

کچھ اور چیز ہے شاید تری مسلمان
 تری نگاہ میں ہے ایک فتنہ و رہبان
 سکوں پرستی راہب سے فقر ہے پینار
 فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی
 پسند روح و بدن کی ہے و انمود اس
 کہ ہے نہایت مومن خودی کی غیبتی

وجود صیر فی کائنات ہے اُس کا
 اُسے خبر ہے یہ باقی ہے اور وہ منانی
 اُسی سے پوچھ کہ پیشِ نگاہ ہے جو کچھ
 جہاں ہے یا کہ فقط رہا ہو کی طغیانی
 یہ فترتِ مردِ مسلمان نے لھو دیا جس کے
 رہی نہ دولتِ سلطانی و سلیمانی

غزل

تیری متاعِ حیات علمِ نہایتِ کمرِ سرور
 میری متاعِ حیات ایک دلِ جاہلِ سرور
 معجزۂ اہلِ منکر و سفیہ پیچ پیچ
 معجزۂ اہلِ ذکر، موسیٰ و عمرانِ طور
 مصلحت کہہ دیا میں نے مسلمان تھے
 تیرے نفس میں نہیں کرمی یومِ انشور

۵۶۴

ضربِ کلیم

۶۴

ایک زمانے سے ہے چال کر یاں مرا
 تو ہے ابھی پوش میں سے جنوں کا قصوہ
 فیضِ نطنز کے لیے ضبطِ سخن چاہیے
 حرفِ پریشاں نہ کہ اہلِ نطنز کے حصوہ
 خوارِ جاں میں کبھی ہونہیں سکتی وہ قوم
 عشقِ جو بس کا جنوہ فقرِ جو بس کا غیوہ

تسلیم و رضا

ہر شاخ سے نکتہ چید ہے پیدا
 نو دوں کو بھی احساس ہے ہناتِ فضا کا
 ظلمتِ کدۂ خاکِ پشال نہیں رہتا
 ہر لحظہ ہے دانے کو جنوں نشوونما کا
 فطرت کے تحت اضموں پہ نہ کر راہِ عمل بند
 مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

جرات ہونو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مردِ خدا، ملکِ خدا تنگ نہیں ہے!

نکستہ توحید

بیاں میں نکستہ توحید آتو سکتا ہے
ترے دماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کہیے
وہ رمزِ شوق کہ پوشیدہ لالہ میں ہے
طریقِ شیخ فقیرِ سائہ ہو تو کیا کہیے
سرورِ جو حق و باطل کی کارزار میں ہے
تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے
جہاں میں بندہ خُمر کے مشاہدات میں کیا
تری نگاہِ عنالامانہ ہو تو کیا کہیے
مقامِ مستر ہے کتنا بلند شاپی سے
روشِ کسی کی لدا یا نہ ہو تو کیا کہیے!

الہام اور آزادی

ہو بندۂ آزاد اگر صاحبِ الہام
ہے اس کی نیک فکر و عمل کے لیے ہمیز
اس کے نفسِ کرم کی تاثیر ہے ایسی
ہو جاتی ہے خاکِ چمنستانِ شرر امیز
شاہیں کی ادا ہوتی ہے بسل میں نمودار
کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغِ غنِ سحر خیز
اُس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت
دیتی ہے کداؤں کو شکوہِ جسم و پر ویز
محکم کے الہام سے اللہ بچاتے
غارتِ کبرا قوام ہے وہ ضرورتِ چنکیز



جان و تن

عقل مدت سے ہے اس بیچاک میں الجھی ہوئی
روح کس جوہر سے خاک تیرہ کس جوہر سے ہے
سیری مشکل ہستی و شور و سرور و درد و داغ
تیری مشکل مے سے ہے ساغر مے ساغر سے ہے
ازب باطراف و معنی، نخت لاط جان و تن
جس طرح ہنکرت بپوشش اپنی خاکستر سے ہے

لاہور و کراچی

نظر اللہ پہ رکھتا ہے سلمان غیور
موت کیا شے ہے فقط عالم معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قد و قیمت میں ہے نوحوں جن کا حرم سے بڑھ کر

اے، اے مسلمان! تجھے کیا یاد نہیں
حرف 'لا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ'

نبوت

میں نہ عارف، نہ مجتہد، نہ محدث، نہ فقیہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا حتم
ہاں، مگر عالم اسلام پر رکھتا ہوں نطن
فانش ہے مجھ پر یہ ضمیرِ فلک نیلی فام
عصرِ حاضر کی شبِ تاریں دیکھی میں نے
حقیقت کہ ہے روشن صفتِ ماہِ تمام
وہ نبوت ہے مسلمان کے لیے برکِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام



آدم

طالع بود و عدم، جس کا نام ہے آدم
خدا کا راز ہے، قادر نہیں ہے جس پہ سخن
زمانہ صبح ازل سے رہا ہے جو سفر
مگر یہ اس کی تک و دو سے ہو سکا نہ کہن
اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں
تو جو حضرت انساں نہ روح ہے نہ بدن!

مذہب اور جلیوا

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوتی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی حدتِ آدم
تفنیقِ عقل حکمتِ افزائش کا مقصود
اسلام کا معنی صرف و فقط ملتِ آدم

۵۴۰

ضربِ کلیم

کئے نے دیا خال حبیب کو یہ پیام
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم

اے پیرِ حرم

اے پیرِ حرم! رسم و رہِ خانقہ چھوڑ
مقصودِ سبھ میری نوائے تحسری کا
اللہ رکھے تیرے جانوں کو سلامت!
دے ان کو سبقِ خودِ شکنی، خودِ نگر می کا
تو ان کو سکھا غارِ اشکانی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انھیں فنِ شیشہ کمری کا
دل توڑ گئی ان کا دوسریوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا
کہہ جاتا ہوں میں زورِ جنوں میں ترے اسرار
مجھ کو بھی جلد دے مری آشفۃ سری کا

مہدی

قوموں کی حیات ان کے تختل پہ ہے موقوف
یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغِ چمن کو
مجدوبِ فرنگی نے بہ اندازِ سنرنگی
مہدی کے تختل سے کیا زندہ وطن کو
اے وہ کہ تو مہدی کے تختل سے ہے بیزار
نومید نہ کراہوئے مشکیں سے ختن کو
ہو زندہ کفن پوش تو میت اُسے سمجھیں
یا چاک کریں مَرولِ ناداں کے کفن کو؟



مرد مسلمان

پہر خط ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان!
قتاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عنصروں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایہ چربیل امیں بسندۂ خالی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن!
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے ہل جائیں وہ طوفان

فطرت کا سرود اذلی اس کے شب و روز
اچانک میں کتنا صفت سورۃ رحمن
بنتے ہیں مری کار کہ فکر میں اہم
لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان!

پنجابی مسلمان

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
کر لے کہیں منزل تو کز تہ ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
چو کھیل مریدی کا تو ہوتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھنس را کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخ نشین ہے اترتا ہے بہت جلد



۵۴۲

ضربِ کلیم

۴۲

ازادی

ہے کس کی یہ حیرات کہ مسلمان کو ٹوکے
حضرت افکار کی نعمت ہے خدا داد
چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدہ پاس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صہبائے
شران کو باز چہ تاویل بہت کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجا
ہے مملکت چند میں الٹے تماش
اسلام ہے محبوبس، مسلمان ہے ازاد

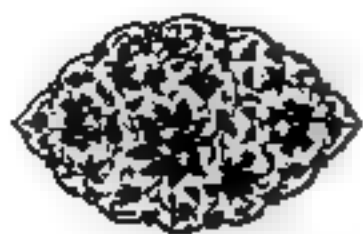
اشاعت اسلام فرنگستان میں

ضمیر اس مذہبیت کا دیں سے ہے خالی
فرنگیوں میں اخوت کا ہے نسب یہ قیام

بلند تر نہیں انگریز کی نگاہوں میں
 قبول دین سچی سے برہمن کا مقام
 اگر قبول کرے دین مصطفیٰ، انگریز
 سیاہ روز مسلمان رہے گا پھر بھی غلام

لا و الا

فضائے نور میں کرتا نہ شاخ و برگ و برپیا
 سفر خالی شہستان سے نہ کر سکتا الروانہ
 نہسا و زندگی میں است 'لا'، انتہا 'الا'
 پیام موت ہے جب 'لا' ہوا 'الا' سے بیگانہ
 وہ ملت روح جس کی 'لا' سے آگے بڑھ نہیں سکتی
 یقین جانو ہوا البریز اس ملت کا پیانہ



۵۷۶

ضرب کلیم

۷۶

اُمراءِ عربؑ

کرے یہ کافر ہندی بھی خیر است گفتار
المر نہ ہو اُمراءِ عرب کی بے ادبی!
نیکی تہ پہلے سلکھایا کیا کس امت کو؟
وہ سالِ مصطفویؐ، استہراقِ بولہبی!
نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
مستندِ عربی سے ہے عالمِ عربی!

احکامِ الہی

پابندیِ تقدیر کہ پابندیِ احکام!
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خرومست

❀ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

اک ان میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
 ہے اس کا معتد ابھی ناخوش ابھی خورند
 تقدیر کے پاسبان نجاتِ جمادات
 مومن نقطہ احکام الہی کل ہے پاسبان

موت

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
 اگر ہو زندہ تو دل نا صبور رہتا ہے
 مر و ستارہ، مثال شرارہ یک و نفس
 مے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے
 فرشتہ موت کا چھوتا ہے کو بدن تیرا
 ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے!



شمِ پاؤں اللہ

جہاں الرحیم لڑکوں ہے شمسِ پاؤں اللہ
وہی زمین، وہی لڑکوں ہے شمسِ پاؤں اللہ
کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے
ترمی رکوں میں ہی خوں ہے شمسِ پاؤں اللہ
غمیں نہ چو کہ پر اسندہ ہے شعور ترا
فرنگیوں کا یہ افسوں ہے شمسِ پاؤں اللہ



سور (Stim) (برہن)

سچو را

نظر حاشیہ پر رتہ اورد
جانتا ہے کہ حضور کو رتہ اورد و رتہ اورد !

ملا طول

نکات و رتہ پر رتہ اورد
جانتا ہے کہ رتہ اورد و رتہ اورد !

جانتا ہے کہ رتہ اورد و رتہ اورد
نکات و رتہ پر رتہ اورد !

تعلیم و تربیت

۵۸۱
ضرب کاہیم
۸۱

مقصود*

(سینورا)

نظر حیات پر رکھتا ہے مرد دانش مند
حیات کیا ہے حضور و سرور و نور و وجود

(فلاطون)

نگاہ موت پر رکھتا ہے مرد دانش مند
حیات ہے شہ تار یک میں شرر کی نمود

حیات موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصد

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۸۲
ضرب کلیم
۸۲

زمانہ حاضر کا انسان

عشق ناپید و خرومیلنوش صورت مار
عقل کو تابع و فرمان نبط نہ سکا
ٹھونڈے والے ستاروں کی لڑکاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سم نہ سکا
اپنی حکمت کے نسیم و ہیچ میں ابھایا
آج تک وسیلہ نفع و خس نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سم نہ سکا!

اقوام مشرق

نظر آتے نہیں بے پروہت اتق ان کو
انکھ جن کی ہوتی محکومی و تسلید سے کو

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو لیونکر
یہ فرنگی مذتیت کہ جو ہے خود لب کو

آگاہی

نظر سپہر یہ رکھتا ہے جو تارہ شناس
نہیں ہے اپنی خودی کے معتم سے آگاہ
خودی کو جس نے فلک سے بلند تر دیکھا
وہی ہے مملکت صبح و شام سے آگاہ
وہی نگاہ کے ناخوب و خوب سے محرم
وہی ہے دل کے حلال و حرام سے آگاہ

مصلحین مشرق

میں ہوں نوید تیرے ساقیان سامری فن سے
کہ بزم خاوراں میں لے لے آئے ساتھیں خالی

۵۸۲

خوب کا لیم

۸۲

نستی بھلی کہاں اُن بادلوں کے جیب وامن میں
پُرانی بھلیوں سے بھی ہے جن کی آستیں خالی

مغربی تہذیب

فسادِ قلب و نظر ہے غربان کی تہذیب
کہ رُوح اس مذہبیت کی رہ سکی نہ عقیف
رہے نہ رُوح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک خوب الٰہیت و ذوق لطیف

اسرارِ پیدا

اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں ہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد
ناچسبز جہانِ مرد و پرویں ترے آگے
وہ عالم مجبور ہے، تو عالمِ آزاد

موجوں کی تپش کیلئے فقط ذوق طلب ہے
پہناں جو صدف میں ہے وہ دولت سے خداؤ
شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں کرتا
پروم ہے اگر تو تو نہیں خطرہ مفت

سلطان ٹینیو کی وصیت

تو رہ نور و شوق ہے نہ نزل نہ کربول
لیلی بھی نیم شبیں ہو تو محفل نہ کربول
اے جو تے اب بڑھ کے ہو دریائے شند تہیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کربول
کھویا نہ جا صدم کدہ کائنات میں
محفل کدہ ازاں کہی محفل نہ کربول
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبریل نے
جو محفل کا سلام ہو وہ دل نہ کربول

باطل دُوتی پسند ہے، حق لاشریک ہے
شرکت سب سے حق و باطل نہ کر قبول!

غزل

نہ میں اُسی نہ پسندی نہ عراقی و حجازی
کہ خودی سے میں نے سیکھی وہاں سے بے نیازی
تو مری نطن میں کافر میں تری نطن میں کافر
تراوین نفس شماری مرادیں نفس کہ از می
تو بدل گیا تو بہت کہ بدل گئی شریعت
کہ موافق تدرواں نہیں دین شاہبازی
ترے دشت و در میں مجھ کو وہ جنوں نطن نہ آیا
کہ کھائے سکے خرد کورہ و رسم کار سازی
نہ جدار ہے نوا کرتے تاب زندگی سے
کہ ہلا کی اُمم ہے یہ طریق نے نوازی

بیداری

جس بندہ حق میں کی خودی ہوتی بیدار
ششیر کی مانند ہے بڑندہ و براق
اس کی نگہ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار
ہر ذرے میں پوشیدہ ہے جو قوت اشراق
اس مرد خدا سے کوئی نسبت نہیں سمجھ کو
ثوبندہ آفاق ہے وہ صاحب آفاق
سمجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی
وہ پالی فطرت سے ہوا محرم اساق

خودی کی تربیت

خودی کی پرورش و تربیت یہ ہے موقوف
کہ نشت خاک میں پیدا ہوا شمس سوز

یہی ہے سترِ کھیمی ہر اک زمانے میں
ہوا تے دشت و شعیب و شبانی شب و روز!

آزادی منکر

آزادی افکار سے ہے اُن کی تباہی
رکھتے نہیں جو منکر و تدبیر کا سلیقہ
جو منکر اگر حرام تو آزادی افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ!

خودی کی زندگی

خودی ہو زندہ تو ہے فستہ بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجیر و طغزل سے کم شکوہ فقیر
خودی ہو زندہ تو دریائے بے دراں پایا
خودی ہو زندہ تو کسار پر نیان و سریر

نہنگِ زندہ ہے اپنے محیط میں آزاد
نہنگِ مردہ کو موجِ سراب بھی زنجیر!

حکومت

ہے مریدوں کو تو حق بات کو ادا لیکن
شیخ و ملا کو بُری لگتی ہے درویش کی بات
قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے مستراحِ کردار
بحث میں آتا ہے جب فلسفہ نوات و صفات
گرچہ اس وزیرِ کھن کا ہے یہ دستورِ قدیم
کہ نہیں مے کدہ و ساقی و مینا کو ثبات
قسمتِ بادہ مگر حق ہے اُسی ملت کا
انگلیں جس کے جوانوں کو ہے تلخابِ حیات!

❖ ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

ہندی مکتب

اقبال! یہاں نام نہ لے علم خودی کا
موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات
بہتر ہے کہ بیچارے مولوں کی نطنہ سے
پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات
آزاد کی ال ان ہے محکوم کا ال سال
کس درجہ کراں سیر ہیں محکوم کے اوقات
آزاد کا ہر لحظہ پیام اپدیت
محکوم کا ہر لحظہ نئی مرلِ مفاہات
آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور
محکوم کا اندیشہ گرفتارِ خرافات
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سوا
ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی
موسیقی و صورت کبریٰ و علم نباتات!

تربیت

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوزِ جگر ہے، علم ہے سوزِ دماغ
علم میں دولت بھی ہے، قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ
اہل دانش عام ہیں، کم یاب ہیں اہل نظر
کیا تعجب ہے کہ حنائی رہ گیا تیرا ایاغ!
شیخِ مکتب کے طریقوں سے کشادہ دل کہاں
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ!



خوب زشت

ستارگانِ فضا ہستے نیلکوں کی طرح
تختِ بلاست بھی ہیں تابعِ طلوع و غروب
جہاں خودی کا بھی ہے صاحبِ فرار و نشیب
یہاں بھی سرکہ آرا ہے خوب سے ناخوب
نمود جس کی فرارِ خودی سے ہو وہ جہیل
جو ہوشیہ میں پیدا، تسبیح و نامحبوب!

مرکبِ خودی

خودی کی موت سے مغرب کا اندر وں بے نور
خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے جذام
خودی کی موت سے رُوحِ عربیہ بے تہ و تاب
بدنِ سراق و عجبم کا ہے بے عروق و عظام

خودی کی موت سے چندی شکستہ بالوں پر
قفس ہوا ہے سلال اور آشیانہ حرام
خودی کی موت سے چیر حیرم ہوا مجبور
کہ بیچ کھلتے سماں کا جسم اصرام

مہمانِ عزیز

پُر ہے افکار سے انِ مدر سے والوں کا ضمیر
خوبِ ناخوب کی اس دور میں ہے کس کو تمیز
چاہیے حنائیہ دل کی کوئی منزلِ حنائی
شاید آج بے کہیں سے کوئی مہمانِ عزیز

عصرِ حاضر

پُخت افکار کہاں ڈھونڈنے جاتے کوئی
اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام
مُروہ، لا دینی افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام!

طالب علم

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بھری موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں سراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں!

امتحان

کہا پس پاڑ کی ندی نے سنگینے سے
فتاد کی وسرافلت کی تری مسراج!

ترا یہ حال کہ پامال و درہند ہے تو
مری یہ شان کہ دریا بھی ہے مرا محتاج
جہاں میں تو کسی دیوار سے نہ ٹکرایا
کنجے بسر کہ تو ہے سنب خار و یا کہ زجاج!

مدد رسہ

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکرِ معاش
دل لڑتا ہے حرینانہ کشاکش سے ترا
زندگی موت ہے، لکھو دیتی ہے جب فوقِ خراش
اُس بُنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
جو یہ کہتا تھا حسد سے کہ بہانے نہ تراش
فیضِ فطرت نے تجھے دیدہ شاہیں بخشا
جس میں لکھ دی ہے غلامی نے نگاہِ حقاش

مدر سے نئے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوت کو وہ دیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش

حکیم نطشہ

حریف نکتہ توحید ہو سکا نہ حکیم
نگاہ چاہیے اسرارِ لا الہ کے لیے
خدا کا سینہ کروں ہے اس کا فکر بلند
کنند اس کا تخیل ہے مہر کے لیے
اگرچہ پاک ہے طہنت میں ابھی اس کی
ترس ہی ہے مگر لذتِ گنہ کے لیے

اساتذہ

مقصود ہو الرتبیۃ لعل بدخشاں
بے سود ہے بھٹکے ہوئے خورشید کا پرتو

وُتیا ہے روایا کے پھندوں میں گرفت
 کیا مدرسہ کیا مدرسے والوں کی تک و دو
 کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
 وہ نہست نہ مانع اپنے زمانے کے ہیں پیرو!

غزل

مے کا منہ نزل مقصود کا اسی کو سراغ
 اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ
 میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
 نہیں ہے بندہ خمر کے لیے جہاں میں سراغ
 فروغ معنہ بیان یہ کر رہا ہے تجھے
 ترمی نطنہ کا نگہباز ہو صاحبِ نازاغ
 وہ بزمِ عیش ہے مہمان یک نفس و نفس
 چمک ہے ہیں مثال ستارہ جس کے ایاغ

کیا ہے تجھ کو گستاخوں نے کور ذوق اتنا
صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوسے گل کا سراغ!

تعلیم دین و دہم

مجھ کو معلوم ہیں پیرانِ حرم کے انداز
چونہ اخلاص تو دعوائے نظر لاف و لراف
اور یہ اہل کلیسا کا نطنِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف
اُس کی تفتدیر میں سکومی مطنِ دہم ہے
قوم جو کرنے سکی اپنی خودی سے انصاف
فطرتِ افراد سے غمِ باطن بھی لڑیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملتے گئے گناہوں کو معاف



جاوید سے



غارت کر دیں ہے یہ زمانہ
 دربارِ شہنشی سے خوشتر
 لیکن یہ دورِ ساعری ہے
 سرچشمہ زندگی ہوا خشک
 حنائی اُن سے ہوا پستان
 جس لکھڑ کا مگر چراغ ہے تُو
 جوہر میں چولا لالہ تو کیا خوف
 شاخ گل پر چپکے لیکن
 وہ جس پر ہے آدمی کہ جس کا
 دھپتانِ الرنہ ہوتی اس
 "غافلِ منشینِ وقتِ بازی ست
 ہے اس کی نہاد کا شہر آ
 مردانِ خدا کا استانہ
 انداز ہیں سب کے جاوید
 باقی ہے کہاں سے شبانہ
 تھی جن کی نگاہ تازیانہ
 ہے اس کا مذاق عارفانہ
 تعلیم ہو کو فتنہ گیانہ
 کہ اپنی خودی میں آشیانہ
 چھڑے ہے بحرِ بیکرانہ
 ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ
 وقتِ نہر است و کار سازی ست

ضربِ کلیم



سینے میں اگر نہ ہو دل کرم
 پنچیر اگر ہو زیر یک چوچست
 ہے اب حیات اسی جہاں میں
 غیرت کے طریقے مستحق
 اے جان پد انہیں ہے ممکن
 نایاب نہیں متاعِ لغت
 ہے میری بساط کیا جہاں میں
 اک صدقِ مقال ہے کہ جس سے
 اللہ کی دین ہے جسے دے
 اپنے نو لٹن سے کیا خوب
 فرماتے ہیں حضرت نطت نامی

”جاے کہ بزرگ بایست بو
 فرزند ہی من ندارد سو“





مومن یہ کراں ہیں شب و روز
 ناپید ہے بندہ عمل مست
 باقی ہے منقطع نفس و رازی
 جس فقر کی اصل ہے حجازی
 اللہ کی شان بے نیازی
 اس فقر سے آدمی میں پیدا
 ہے اس کا مقام شاہبازی
 بے سر نہ ہو علی و رازی
 کج شک و حام کے لیے موت
 بظہرت میں اگر نہ ہو ایازی
 روشن اس سے حسرت کی انھیں
 رکھتا نہیں فوق نئے نوازی
 حاصل اس کا شکوہ محمود
 درپردہ تمام کار سازی
 تیری دنیا کا یہ فرسایل
 بے تیغ و سناں ہے مرغ غازی
 یہ فقر غیور جس نے پایا

مومن کی اسی میں ہے امیری
 اللہ سے مانگ فقیہی



۶۰۲

ضرب کلیم

۱۰۲

عورت

۶۰۳
مغربی کالج
۱۰۳

مرد و زن

ہزار بار حکیموں نے اس کو سمجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے منہ نلی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

ایک سوال

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہندو یونان ہیں جس کے حلقہ جوش

۶۰۲

ضرب کاہم

۱۰۲

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوش !

پرودہ

بہت رنگ بد لے پہریریں نے
خدا یا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں میں نے
وہ خلوت نشیں ہے یہ خلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولاد آدم
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

خلوت

رُسوا کیا اس دور کو خلوت کی ہوس نے
روشن ہے نلکہ، آئینہ دل ہے مگر

بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے
 چڑھ جاتے ہیں افکار پرالسنده و ابتر
 آغوش صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
 وہ قطرۂ نیساں کبھی غبتا نہیں لوہر
 خلوت میں خودی ہوتی ہے خود کیر، لیکن
 خلوت نہیں اب دیر حرم میں بھی میسر!

عورت

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز و دروں
 شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
 کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا نورِ محنوں
 مکالماتِ فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
 اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطون

۶۰۶
ضربِ کلیم

۱۰۶

ازادی نسواں

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی مقرب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں مسند و رہیں، مردانِ خرد مند
کیا چیز ہے آتش و قیمت میں زیادہ
ازادی نسواں کہ زمرہ کا گلوبند

عورت کی حفاظت

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے ستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی زلوں میں ہے لٹور

نے پروہ، نہ تسلیم، نہی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہباز ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

عورت اور مسلم

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ اُسموت
ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے ہیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت



عورت

جو ہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جو ہر عورت کی نو
راز ہے اس کے پیچھے کا یہی نہکتہ شوق
اتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی اک کے اسرارِ حیات
کرم اسی اک کے ہے سرکہ بود و نبود
میں بھی مظلومی نسواں سے ہوں غم ناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدہ مشکل کی نشو و



۶۱۰
حضرت کاظم

[illegible]

ادبیات

فنون لطیف

۶۱۱
ضرب کاغذ

دین و دُہنر

سرود و شعری سیاست، کتاب و دین و دُہنر
گنہر ہیں ان کی کردہ میں تمام یکساں
ضمیر بندہ خالی سے ہے نمود ان کی
بلند تر ہے ستاروں سے ان کا کاشانہ
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیات
نہ کر سکیں تو سراپا فسون و افسانہ
ہوتی ہے زیر فلک اُمتوں کی رسوائی
خودی سے جب اَدب و دین ہوتے ہیں بیگانہ



۴۱۲

ضرب کاہیم

۱۱۲

تخلیق

جہاں تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے پرتے نہیں جہاں پیدا
خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے
اس ابھو سے کیے بحربے مراں پیدا
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو نفس سے کرے عمر جاوداں پیدا
خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں
ہوا نہ کوئی حسدائی کا رازواں پیدا
ہوا تے دشت سے بولے رفاقت آتی ہے
عجب نہیں ہے کہ ہوں کیسے ہم عناں پیدا



جنوں

نُجَبِا جگر کی دُکھاں شاعری ملاتی
ستم ہے خوار پھرے دشتِ در میں دیوانہ
کے خبر کہ جنوں میں کمال اور بھی ہیں
کریں اگر اسے کوہِ وکمر سے بیگانہ
ہجومِ مدرسہ بھی سازگار ہے اس کو
کہ اس کے واسطے لازم نہیں ہے دیوانہ

اپنے شعر سے

ہے جگہ مجھ کو تری لذتِ پیدائی کا
تُو جوا فاش تو ہیں اب مے اسرار بھی فاش
شعلے سے ٹوٹ کے مثل شرِ آوارہ نہ رہ
گر کسی سینہ پر سوز میں خلوت کی تلاش!

پیریں کی مسجد

مری نگاہ کس الٹ پر کر کو کیا دیکھے
کہ حق سے یہ حرمِ معنِ ربی ہے بیگانہ
حرمِ نہیں ہیں ہے فرنی در شہ بازوں نے
تن حرم میں چھپا دی ہے رُوحِ بُت خانہ
یہ بُت کد انھی غارت گروں کی ہے تعمیر
وہ شق ہاتھ سے جن کے ہوا ہے ویرانہ

ادبیت

عشق اب پیڑی عقلِ حسدِ ادا کرے
ابر کو چستہ جاناں میں نہ برباد کرے
گنہگار میں نئی رُوح کو آباد کرے
یا لہن رُوح کو تفتلید سے آزاد کرے

ننگاہ

بہار و قافلہ لالہ ہاتے صحرائی
 شبابِ مستی و ذوقِ سرور و عنائی
 اندھیری است میں یہ چشمکیں تاروں کی
 یہ بحر، یہ فلکِ نیلگوں کی پستانی
 سفرِ عروسیں قمر کا عساری شب میں
 طلوعِ مہر و سلوکِ سپہرِ سینائی
 ننگاہ ہو تو بہ سائے نظارہ کچھ بھی نہیں
 کہ نہ سچتی نہیں فطرتِ جمال و زیبائی



* ریاضِ منسزل (دولت کدہ سرا اس سعود) بھوپال میں لکھے گئے

۶۱۶
 ضربِ کاغذ

مسجدِ قوتِ الاسلام

ہے مرے سینہ بے نور میں اب کیا باقی
'لا الہ' 'مردہ' و 'افسردہ' و بے ذوق نمود
چشمِ فطرت بھی نہ پہچان سکے کی مجھ کو
کہ ایازمی سے دگرگوں ہے مقامِ محسوس
کیوں سماں نہ نخل ہو تری سنگینی سے
کہ غلامی سے ہوا مثلِ زرجاج اس کا وجود
ہے تری شان کے شایاں اسی مومن کی نماز
جس کی تکبیر میں ہو سر لہ بود و نبود
اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارت وہ لہاز
بے تاب دروں میری صلوٰۃ اور درود
ہے مری بانگِ اذان میں نہ بلندی نہ شکوہ
کیا لو ار ہے تجھے ایسے سماں کا سجود؟

تیر

ترمی خودی سے ہے روشن ترا حریم وجود
حیات کیا ہے، اسی کا سرور و سوز و شبات
بلند تر مرہ و پرویں سے ہے اسی کا مستم
اسی کے نور سے پیدا ہیں تیرے فئات و صفات
حریم سیرا، خودی غیری کی معبود اللہ
دوبارہ زندہ نہ کر کار و بارِ لالت و منات
یہی کمال ہے تیشیل کا کہ تُو نہ رہے
رہا نہ تُو تو نہ سوزِ خودی نہ سازِ حیات



۶۱۸
ضربِ کلیمہ
۶۱۸

شعاع اُمید



سُورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام
دُنیا ہے عجب حسین، کبھی صبح کبھی شام
مدّت سے تم آوارہ ہو پناہ کے فضا میں
بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہرِ ایام
نے ریت کے دُڑوں چپکنے میں ہے رات
نے مثلِ صبا طوفِ گلِ لالہ میں آرام
پھر میرے تجھے بستی لہوِ دل میں سما جاؤ
چھوڑو چمنستان و سیلابانِ دروہام



افاق کے ہر گوشے سے اٹھتی ہیں شعاعیں
 بچھڑے ہوئے نور شیکہ ہوتی ہیں ہم انوش
 ال شور ہے مغرب میں اجالا نہیں مسکن
 افزائش سینوں کے دھویں کے یہ پویش
 مشرق نہیں کو لذت نطسارہ سے محروم
 لیکن صفت عالم لاہوت ہے خاموش
 پھر ہم کو اسی سینہ روشن میں چھپالے
 اے مہر جہاں تاب نہ کریم کو فراموش



اک شوخ کزن شوخ مثال نگہ خور
 آرام سے فارغ صفت جو ہر سیاب
 بولی کہ مجھے رخصت تنویر عطا ہو
 جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب

چھوڑوں کی نہ میں چند کی تاریک فضا کو
 جب تک نہ اٹھیں خواب سے مدد ان لراں خواب
 خاور کی امیدوں کا یہی خال کے مرکز
 اقبال کے اشکوں سے یہی خال ہے سیراب
 چشم مڑے پرویں ہے اسی خال کے روشن
 یہ خال کہ ہے جس کا خرف ریزہ درباب
 اس خال کے اٹھے ہیں وہ خواص سانی
 جن کے لیے ہر برپا شو کے پایاب
 جس سانے کے نسو کے حرارت تھی دلوں میں
 محفل کا وہی ساز ہے بیکانہ مضرب
 بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہن
 تفت دیر کو روتا ہے سہماں تہ محراب
 مشرق سے پہنچا زائے مغرب کے حذر کہ
 فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کرا

امید

مستابلہ تو زمانے کا خوب کرتا ہوں
اگرچہ میں نہ سپاہی ہوں نے اسیرِ جنود
مجھے خبر نہیں یہ شاعری ہے یا کچھ اور
عطا ہوا ہے مجھے ذکر و شکر و جذبِ سرود
جبین بندہ حق میں نمود ہے جس کی
اسی جلال ہے لبِ برہنہ میں وجود
یہ کافر تو نہیں کافر سے کم بھی نہیں
کہ مرد حق جو گرفتارِ حاضرِ موجود
غم میں نہ ہو کہ بہت دور ہیں ابھی باقی
نئے ستاروں سے خالی نہیں سپرِ لبود

* ریاضِ سنزل (دولت کدہ سر اسٹوڈ) بھوپال میں لکھے گئے

۶۲۲
ضربِ کلیم
۱۲۲

نگاہ شوق

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا
کہ دڑے دڑے میں ہے ذوق آشکارائی
کچھ اور ہی نظم سرا آتا ہے کاروبار جہاں
نگاہ شوق اگر ہوشِ شریکِ بینائی
اسی نگاہ سے محکم قوم کے فنِ نرند
ہوئے جہاں میں سزاوار کارِ نرمانی
اسی نگاہ میں ہے ستاہری جستاری
اسی نگاہ میں ہے دبیری و عرنائی
اسی نگاہ سے ہر دڑے کو جنوں سیرا
سکھارہا ہے رہ و رسمِ دشتِ پیمائی
نگاہ شوق میتِ نرس میں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلبِ وطن کی رسوائی

اہلِ مہر سے

مہر و مہر شتری چند نفس کا سرور
عشق سے ہے پائدار سیر غمی کا وجود
تیرے حرم کا ضمیر اسود و احمر سے پاک
تنگ سے تیرے لیے سرخ و سپید و کبود
تیری خودی کا غیاث ہے کہ ذکر و فکر
تیری خودی کا حضور عالم شعر و سرود
روح الہی ہے تری رنج غلامی سے نزار
تیرے شہر کا جہاں دیر و طواف و سجود
اور الہام ہے اپنی شرافت سے ہو
تیری سپہ انس و جن، تُو ہے مہر و محن و



۶۲۲

ضربِ کلیم

۱۲۴

غزل

دریا میں موتی، اسے موج سے بے باک
ساحل کی سوغات! خار و خس و خال
میرے شرر میں بجلی کے جواہر
لیکن نیستان تیرا ہے نم نال
تیرا زمانہ، تاثیر تیری
ناداں! نہیں یہ تاثیر افلاک
ایسا جنوں بھی دیکھا ہے میں نے
جس نے سسے ہیں تفت تیرے چال
کامل وہی ہے رندی کے فن میں
مستی ہے جس کی بے مشقت تال
رکھتا ہے اب تک میحانہ شرق
وہ ہے کہ جس سے روشن ہوا اور اک

اہلِ نطنس میں یورپ سے نومس
ان اُمتوں کے باطن نہیں پاک

وجود

اے کہ ہے زیرِ فلک شلِ شرّ تیری نمود
کون سمجھاتے تھے کیا ہیں مقاماتِ وجود
کرشنہ میں نہیں تعیسِ خودی کا جوہر
وائے صورتِ کرمی و شاعری و ناسے و سرود
مکتبِ دے کہہ جزوِ رسِ نبون بندہ
بودن آموز کہ ہم باشی و ہم غمِ اہی بود

سرود

ایاکساں سے نالہ تے میں سرورے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوبے

۶۲۶

ضربِ کلیم

۱۲۶

دل کیا ہے اس کی مستی و قوت کہاں سے ہے
 کیوں اس کی النگاہ الثقی ہے تخت کے
 کیوں اس کی زندگی سے ہے اقوام میں حیات
 کیوں اس کے واردات بدلتے ہیں پے پے
 کیا بات ہے کہ صاحب دل کی نگاہ میں
 چھتی نہیں ہے سلطنت روم و شام و رے
 جس روز دل کی رمز مٹتی سمجھ لے
 سمجھو تمام مرحلہ ہاتے نہر ہیں طے

نسیم و نسیم

انجم کی فضا تک نہ ہوئی سیری رسانی
 کرتی رہی میں سپرین لالہ و گل چال

مجبور ہوتی جباتی ہوں میں ترک وطن پر
بے ذوق ہیں بسبل کی نوا ہائے طرب نال
دونوں سے کیا ہے تجھے تقدیر نے محرم
خاکِ پسینِ اچھی کہ سرِ پر وہ افلاک !

شبِ بنم
کھینچیں نہ اگر تجھ کو چمن کے خس و خاشاک
گلشن بھی ہے اک سترِ سرِ پر وہ افلاک

اہرام مصر

اس دشتِ جلالت کی خاموش فضا میں
فطرت نے فقط ریت کے ٹیلے کی تعمیر
اہرام کی عظمت سے نگوں سار ہیں اسدال
کس ہاتھ نے کھینچی ابدیت کی تصویر

۶۲۸
ضربِ کلیم
۱۲۸

فطرت کی غلامی سے کرازاؤ نہ ہو
صیاد ہیں مردانِ نمنہ مرند کہ ننھیلا

مخلوقاتِ نمنہ

ہے یہ فردوسِ نظر اہلِ نہر کی تعمیر
فاش ہے چشمِ تماشا پہ نہاںِ حنائیہ ذات
نہ خودی ہے نہ جہانِ سحر و شام کے دور
زندگانی کی حریت نہ کشاکش سے نجات
آہ، وہ کافِ نہر بیچارہ کہ ہیں اس کے صنم
عصرِ رفتہ کے وہی ٹوٹے ہوئے لات و منات
تو ہے میت، یہ نمنہ تیرے جنازے کا امام
نظر اتنی جسے مرند کے پستیاں میں حیات



اقبال

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنا
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آتش
حلاج کی لیس کن یہ روایت ہے کہ آخر
اک مروت سندر نے کیا رازِ خودی فاش!

فنون لطیفہ

اے اہلِ نطنسہ ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جوشے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نطنسہ کیا
مقصودِ شہر سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا
جس سے دل دریا مُشتِ لاطم نہ ہو
اے قطنسہ قطنیاں وہ صدف کیا وہ لہریا

۶۳۰
ضربِ کلیم
۱۳۰

شاعر کی نوا ہو کہ مُنغنی کا نفس ہو
 جس سے چمن افسردہ ہو وہ باوجود سر کیا
 بے محبہ و دنیا میں اُٹھ سرتی نہیں قومیں
 جو ضربِ کلیدی نہیں رکھتے اس وہ ہنر کیا!

صبحِ چمن

پُھول

شاید تو سمجھتی تھی وطن دُور ہے میرا
 اے قاصدِ افلاک! انہیں دُور نہیں ہے

شبِ نیم

ہوتا ہے مگر محنتِ پرواز سے روشن
 یہ نکتہ کہ فردوں سے زمین دُور نہیں ہے

صبح

مانندِ صحنِ کستان میں قدم رکھ
اے تیرا پا کو ہر شمسِ تونہ ٹوٹے
ہو کوہِ دیباہاں سے ہم اغوشِ لبیک
ہاتھوں سے تیرے امینِ انداک نہ ٹھوٹے!

خاقانی

وہ صاحبِ شمعِ عراقین، اربابِ نطنس کا قرة العین
ہے پردہ شگافِ اس کا اور اک پردے ہیں تمام چاک و رچاک
خاموش ہے عالمِ معانی کہتے انہیں حرفِ لہنِ تمنا
نوحہ اس کے یہ خاکِ اس ہے کیا چیز ہنگامہ این اس ہے کیا چیز
وہ محرمِ عالمِ مکافات اک بات میں کہہ لیا ہے سوتا

خود بوبے چنیں جہاں تو ان بُرو

کابل میں بسا ندوبو البشر مُردا

۶۳۲
ضربِ کلیم
۱۳۲

رومی

غلط نہ کرے تری چشم نیم باز اب تک
ترا وجود ترے واسطے ہے راز اب تک
ترا نیاز نہیں آشنائے ناز اب تک
کہ ہے قیام سے خالی تری نماز اب تک
کستہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک
کہ تُو ہے نعمتہ رومی سے بے نیاز اب تک!

جدت

دیکھے تُو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
اس لاک منور چوں تیرے نورِ حسرت سے
خورشیدِ کمرے کسبِ ضیاء تیرے شر سے
ظاہر تری تفتدیر ہو سیکے تیرے

دریا مُستِ لاطم ہوں تیری موج گہر سے
شرمندہ ہو فطرت تری اعجازِ مہنر سے
اغیار کے افکار و تخیل کی کدائی
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

مرزا بیدل

ہے حقیقت یا مری چشم غلط ہیں کافساد
یہ زمین، یہ دشت، یہ کسار، یہ چرخ کبود
کوئی کہتا ہے نہیں ہے کوئی کہتا ہے کہ ہے
کیا خبر ہے یا نہیں ہے تیری دنیا کا وجود
میرزا بیدل نے کس خوبی سے لھولی یہ لہر
اہلِ حلت پر بہت مشکل رہی بس کی نشو و
”دلِ اکر میداشت و سحت بے نشان بود این چمن
زنا کے میر و شست از بسکہ مینا تناب بود“

۶۳۲

ضربِ کلیم

۱۳۶۲

جلال و جمال

مرے لیے ہے فقط زورِ حیدری کافی
ترے نصیبِ فلاطوں کی تیزی اور اک
مری نظر میں یہی ہے جمالِ و زیبائی
کہ سر بسجود ہیں قوسِ کمانے افلاک
نہ جو بلال تو حسنِ جمالِ بے تاثیر
زنا نفس ہے الغرض یہ نہ آتشِ ناک
مجھے سزا کے لیے بھی نہیں قبولِ واک
کہ جس کا شعلہ نہ ہو شند و سرش و بے بال!

مُصَوِّر

کس درجہ میں عام ہوئی مرکبِ تخیل
چندی بھی نہ رہی کا مستند عجمی بھی!

مجھ کو تو یہی غم ہے کہ اس دور کے بہرہ
 لکھو بیٹھے ہیں مشرق کا سرور ازل بھی
 معلوم ہیں اے مردِ ہنس تیرے کمالات
 صنعت تجھے آتی ہے پرانی بھی نئی بھی
 فطرت کو دکھایا بھی ہے دیکھا بھی ہے تونے
 اتنی فطرت میں دل اپنی خودی بھی

سرودِ حلال

کھل توجہ تائے مفتی کے ہم زیرِ دل
 نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشودا
 ہے ابھی سینہ افلاک میں سپاس دہ نوا
 جس کی گرمی سے پھل جاتے ستاروں کا وجود
 جس کی تاثیر سے اوم ہو غم و خوف کے پاک
 اور پیدا ہو ایازی سے مست ہم محمود

۶۳۶
 ضربِ کاہم
 ۱۳۶

مرہ و انجسم کا یہ تیرکہ باقی نہ رہے
 تھوڑے اور ترا زمزم سے لا موجود
 جس کو مشروع سمجھتے ہیں یہ سانچہ دی
 منتظر ہے کہ کسی سیر کا ابھی تک وہ سرود

سرد و حرام

نہ میرے ذکر میں ہے حضورِ نبی کا سوز و سرور
 نہ میرا فن کرے یہ پیمانہ ثواب و عذاب
 خدا کرے کہ اسے تمنا بق ہو مجھے
 فقیر شہر کہ ہے محرم حدیث و کتاب
 اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
 حرام میری نگاہوں میں نئے چنگ و رباب



۶۳۷
 ضرب کاظم
 ۱۳۷

فتوارہ

یہ آنسو کی روانی، یہ سکنساری خال
مری نگاہ میں ناخوب سے یہ نطسارہ
اُدھر نہ دیکھ، اُدھر دیکھ لے جوان عزیز
بلند زور دروں سے ہوا ہے فتوارہ

شاعر

مشرق کے نیستان میں ہے محتاجِ نفس نے
شاعر بڑے سینے میں نفس ہے کہ نہیں ہے
تا شیریں لہامی سے خودی بس کی ہوتی نرم
اچھی نہیں اس قوم کے حق میں محسوس
شیشے کی صراحی ہو کہ مٹی کا سب ہو
ششیر کی مانند تہو سبزی میں تری

۶۳۸

ضربِ کلیم

۱۳۸

ایسی کوئی دُنیا نہیں افلاک کے نیچے
 ہے جس کو ہاتھ آئے جہاں تختِ جسم و
 چرخِ نہرِ سیاطور، نہی برقِ تجلی
 اللہ کرے جس کو شوق نہ ہو ملے!

شعرِ محبوس

ہے شعرِ محبوس کہ چڑھ کر بے ناکِ دل آویز
 اس شعر سے کہ ہوتی نہیں شیرِ خودی تیز
 افسردہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں
 بہتر ہے کہ خاموش ہے مرغِ بخیر
 وہ ضربِ اگر کوہِ شکن بھی ہو تو کیا ہے
 جس نے مستِ زلزل نہ ہوئی دولتِ پریز
 اقبال یہ ہے حصارِ تراشی کا زمانہ
 از چرخِ پربا تیرے نہ نمایند بہر پریش

ہنسور ان ہند

عشق بستی کا جنت از ہے تختیل ان کا
ان کے اندیشہ تاریک میں قوموں کے مزار
موت کی نقش گری ان کے صہم خانوں میں
زندگی سے ہنسور ان بڑے سنوں کا بزار
چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند
کرتے ہیں روح کو خواب سے بدن کو بیدار
ہند کے شاعر صورت گرو افسانہ نویس
آہ، بیچاروں کے اعصاب پر عورت ہے سوا



۶۴۰

ضرب کلیم

۱۴۰

مرد بزرگ

اُس کی نفرت بھی عمیق، اُس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی اُس کا ہے اللہ کے بندوں پر عین
پرورش پاتا ہے تفت لیل کی تاریکی میں
ہے مگر اُس کی طبیعت کا تقاضا تسلیق
انحس میں بھی میسر رہی خلوت اُس کو
شمع محفل کی طرح سب کے جدا، سب کا رشتہ
مثل خورشیدِ سحرِ فکری کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزاد، معافی میں دقیق
اُس کا اندازِ نظر اپنے زمانے سے جدا
اُس کے احوال سے محرم نہیں سیرِ طریق



عالم نو

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر
خواب میں دکھاتا ہے عالم نو کی تصویر
اور جب بانگِ اذان کرتی ہے بیدار اُسے
کرتا ہے خواب میں دکھی ہوئی دنیا سیر
بدن اس تازہ جہاں کا ہے اُسی کی کفِ خاک
روح اس تازہ جہاں کی ہے اُسی کی تکریر

ایجادِ معانی

پہر چن د کہ ایجادِ معانی ہے چن د ادا
کوشش سے کہاں مرو نہ ہر منہ ہے ادا
خونِ دل سے سدا کی گرمی سے ہے تکریر
میں ساجدِ سافط ہو کہ تختِ ازہر سدا

۶۴۲

ضربِ کلیم

۱۴۲

بے محنت پیہم کوئی جو ہر نہیں کھلتا
روشن شہر تیشہ سے ہے خانہ سرنا

موسیقی

وہ منہ سر روی خون نزل ہرالی وکیل
کہ جس کو سن کے تراپہ سڑتا بال نہیں
نوا کو کرتا ہے موج نفّس سے زہر الود
وہ نئے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں
پھرا میں مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں
کسی پس میں لریب ان لالہ چال نہیں

ذوق نظر

خودی بے بند تھی اس خون گرفت چینی کی
کہا غریب نے جلا دے دم سزیر

ٹھہر ٹھہر کہ بہت دل کشا ہے یہ منظر
ذرا میں دیکھ تو لوں تائب نالکی شمشیر!

شعر

میں شعر کے اسرار سے محرم نہیں لیکن
یہ نکتہ ہے تاریخ اہم جس کی ہے تفصیل
وہ شعر کہ پیغام حیاتِ ابدی ہے
یا نعمتِ جبریل ہے یا بانسِ سحر افسانہ!

قصہ موسیقی

شعر سے دشن ہے جانِ خیر سیلِ اہرن
قصہ موسیقی سے ہے سوز و سرورِ انجمن
فانش یوں کرتا ہے ال چینی حکیم اسرارِ فن
شعر کو یا روح موسیقی سے ہے رقص اس کا بدن!

۶۴۴
ضربِ کلیم
۱۲۲

ضبط

طریق اہل دنیسا ہے کد شکوہ زمانے کا
نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شان درویشی
یہ نکستہ پیر وانا نے مجھے خلوت میں سمجھایا
کہ ضبط فغان شیریں فغانِ دوباہری ہمیشی!

قص

چھوڑ پورپے لیے رقص بن کے سنم بیچ
روح کے رقص میں ہے ضربِ کلیم اللہی!
جلد اس رقص کا ہے تشنگی کا مودہن
جلد اس رقص کا درویشی و شاہنشاہی!



[illegible]

۶۴۶
ضرب کلیم
۱۴۶

سیاست

شرق و مغرب

۶۲۶
ضرب کلیم

۱۲۶

اشتراکیت

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں زوس کی یہ گرمی فرست
اندیشہ ہوا شوخی افکار پہ مجبور
فرسودہ طرے یقوں سے زمانہ ہوا بے سزا
انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدیج وہ اسرا
شرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کو
جو عرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس فور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار



۶۲۸
ضربِ کلیم
۱۲۸

کارل مارکس کی آواز

یہ علم و حکمت کی نمرہ بازی، یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے، وہاں کو اب گوارا اپنے افکار کی نمائش
تری کتابوں میں اے حکیم معاش، لکھا ہی کیا ہے آخر
خطوط حسنہ ار کی نمائش، مرز و کوچ دار کی نمائش
جہان مغرب کے بت لڑوں میں، طیشیاؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خونِ نریاں چھپاتی ہے، عیار کی نمائش

انقلاب

نہ ایشیا میں نہ یورپ میں سو و سازِ حیات
خودی کی موت ہے، یہ اور وہ ضمیر کی موت
دلوں میں ولولہ، انقلاب ہے پیدا
قریب آگتی شاید زبانِ پیر کی موت!

خوشامد

نہیں کارِ جہاں سے نہیں آگاہ، و سکن
اربابِ نظر سے نہیں پوشیدہ کوئی راز
کر تو بھی حکومت کے وزیروں کی خوشامد
دستورِ نیا، اور نئے دور کا اعزاز
معلوم نہیں ہے یہ خوشامد کہ حقیقت
کہ دے کوئی آلو کو اگر رات کا شہباز

مناصب

ہوا ہے بندہ مومن فسونی افرنگ
اسی سبب سے قلندر کی آنکھ ہے نم نال
ترے طلبِ مناصب کی خیر ہو یا رب
کہ ان کے واسطے تو نے کیا خودی کو ہلاک

مگر یہ بات چھپاتے سے چھپ نہیں سکتی
 سمجھ گئی ہے اسے ہر طبیعت چالاک
 شرابی کلم غلاموں کو کر نہیں سکتے
 خریدتے ہیں منقذ ان کا جو ہر اوراں!

یورپ اور یہود

یہ عیش فرماواں یہ حکومت یہ تجارت
 دل سینہ بے نور میں محسوس تسلی
 تاریکے افزائشِ سینوں کے دھوئیں سے
 یہ وادیِ امین نہیں شایانِ تجسلی
 ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیبِ جاں مرک
 شاید ہوں کلیسا کے یہودی مثولی!



نفسیاتِ غلامی

شاعر بھی ہیں پیدا، علمِ ساجھی، حکما بھی
حالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ
مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا ہر ایک
ہر ایک ہے کوششِ شرحِ معانی میں سیکانہ
”بہتر ہے کہ شیروں کو سلکھاویں رم آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ“
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پر ضامن
تاویل مسائل کو بناتے ہیں بیان



ملشویا پس

روش قضائے الہی کی ہے عجیب و غریب
خبر نہیں کہ خبر سیر جہاں میں ہے کیا بات
ہوتے ہیں کہ سر چلیپا کے واسطے مامور
وہی کہ حفظ چلیپا کو جانتے تھے نجات
یہ وحی دہریتِ روس پر ہوتی نازل
کہ توڑ ڈال کلیسیائیوں کے لات و منات

آج اور کل

وہ کل کے غم ویشس پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود اس روز جو بکروز نہیں ہے
وہ قوم نہیں لائق ہر سنگار و سرا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

مشرق

مری نوا سے کریب ان لالہ چاک نہوا
نسیم صبح چمن کی تلاش میں ہے ابھی
نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ زوہر شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی
مری خودی بھی سزا کی ہے مستحق لیکن
زمانہ وارورسن کی تلاش میں ہے ابھی

سیاستِ افرنک

ترمی حرفیہ کے یارب سیاستِ افرنک
مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس
بنایا ایک ہی ابیساں کے لئے
بنائے خاک کے اُس نے دو صد ہزار اہل میں!

۶۵۲
ضربِ کلیم
۱۵۲

خواب کی

دورِ حاضر ہے حقیقت میں وہی عہدِ قدیم
ایلِ سب بادہ ہیں یا ایلِ سیاست ہیں اہام
اس میں پوری کی کراہت ہے نہ میری کا ہے نور
سیکڑوں صدیوں سے خاکِ پیرِ سلامی کے عوام
خواب کی میں کوئی مشکل نہیں رہتی باقی
پنختہ ہو جاتے ہیں جب غوغا غلامی میں غلام!

غلاموں کے لیے

جگتِ مشرق و مغرب نے دکھایا ہے مجھے
ایک نکتہ کہ غلاموں کے لیے ہے کسیر
دین ہو، سلف ہو، فقر ہو، سلطان ہو
ہوتے ہیں نچستہ عقائد کی بنا پر کسیر

حرف اس قوم کا بے سوز، نسل زار و زبوں
ہو گیا نچستہ عقائد سے تھی جس کا ضمیر

اہل مصر سے

خود ابوالہول نے نیکیت سکھایا مجھ کو
وہ ابوالہول کہ ہے صاحب اسرار قدیم
فہم سے جس سے بدل جاتی ہے تعتید ائم
ہے وہ قوت کہ صرف اس کی نہیں تسلیم
ہر زمانے میں دلروں ہے طبیعت اس کی
کبھی شمشیر محمد ہے کبھی چوب کلیم



ابی سینیا

(۱۸ اگست ۱۹۲۵ء)

یورپ کے لڑکوں کو نہیں ہے ابھی خبر
ہے کتنی زہرناک ابی سینیا کی لاش
ہونے کو ہے یہ مُردہ دیرنیہ قاش قاش!
تہذیب کا کمال شرافت کا بے زوال
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
ہر لڑکے کو ہے بڑے معصوم کی تلاش!
اے وائے ابروئے کلیسا کا آئینہ
رومانے کر دیا سر بازار پاش پاش
پیر کلیسا! یہ حقیقت ہے دلخراش!



ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام*

لا کر بڑے سمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زنتاریوں کو دیر کھن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت کے ڈرنا نہیں فرا
روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کوٹے کے فرنگی تختلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت میں کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہل حرم سے ان کی روایاں چھین لو
انہو کو مرعزہ زارِ ختن سے نکال دو

* بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۶۵۸

ضریح کلیم

۱۵۸

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سر کو چمن سے نکال دو!

جمعیۃ اقوام مشرق

پانی بھی مسحت نہ رہے ہوا بھی مسحت نہ
کیا ہو جو نگاہِ فلک پر بدل جائے
دیکھا ہے ملو لیت افرنک نے جو خواب
ممکن ہے کہ اُس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہران ہو کر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید لڑۂ ارض کی تعتیر بدل جائے



❀ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

سُلطانی جاوید

غواص تو فطرت نے بنایا ہے مجھے بھی
لیکن مجھے اعماقِ سیاست سے پرہیز
فطرت کو لو اور انہیں سُلطانی جاوید
ہر چند کہ یہ شعبہ بازی ہے دل آویز
فرہاد کی خارا شکنی زندہ ہے اب تک
باقی نہیں دنیا میں ملوکیت پُریرا

جمہوریت

اس راز کو الٹ مڑ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو لٹا کرتے ہیں، تو لانا نہیں کرتے!

یورپ اور سوریا

فرنگیوں کو عطا خاں سوریا نے ایک
نبی بعثت و عنسم خواری و کلم ازاری
صدہ فرنگ سے آیا ہے سوریا کے لیے
مے و قمار و ہجوم زنان بازار

مسو لینی *

(اپنے مشرقی اور مغربی حریفوں سے)

کیا زمانے سے نرالا ہے مسو لینی کا جرم!
بے محسوس پڑا ہے معصومان یورپ کا مزاج

* ۲۲ اگست ۱۹۳۵ء بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

میں پھٹکتا ہوں تو چھلنی کو بُرا لگتا ہے کیوں
 ہیں سبھی تہذیب کے اوزار اٹھ چھلنی میں چھلج
 میرے سودا سے ملکیت کو ٹھکراتے ہو تم
 تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے رُجھ؟
 یہ عجائب شعبہ کس کی ملکیت کے ہیں
 راجدھانی ہے، مگر باقی نہ راجہ ہے نہ راج
 ال سیر چو پنے کی آبیاری میں ہے
 اور تم دنیا کے بخر بھی نہ چھوڑو بے خراج!
 تم نے لوٹے بے نوا صحرائشینوں کے خیم
 تم نے لوٹی کشت و پھان تم نے لوٹے تخت و تاج
 پردہ تہذیب میں غارت گری آدم نشی
 کل زوار کھی تھی تم نے، میں زوار کھتا ہوں آج!



۶۶۲
 ضرب کاغذ
 ۱۶۲

گلد

معلوم کئے ہند کی تفتدیر کہ اب تک
 بیچارہ کسی تلج کا تابندہ نہیں ہے
 دہشتاں ہے کسی قبر کا اظہار مردہ
 بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیر زمین ہے
 جاں بھی لکڑی و غیسر بدن بھی لکڑی و غیسر
 افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ ملیں ہے
 یورپ کی عنلامی پہ رضامند ہوا تو
 مجھ کو تو گلد تجھ سے ہے یورپ کے نہیں ہے!

استداب

کہاں فرشتہ تہذیب کی ضرورت ہے
 نہیں زمانہ حاضر کو اس میں دشواری

جہاں شمار نہیں زنِ شکر لباس نہیں
 جہاں آرام بتاتے ہیں نسلِ مے خواری
 بدن میں گرچہ ہے اک رُوحِ ناشکیب و سبقت
 طرعتِ آبِ جد سے نہیں ہے بیزاری
 خُور و زریک و پُر دم ہے بچتہ بڑی
 نہیں ہے فیضِ مکاتب کا چشمہ جاری
 نطنِ فرانِ سرنگی کا ہے یہی نستوی
 وہ سر نہیں مدنت سے ہے ابھی ساری

لا دین ستیا

جو باستِ حق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی
 خدا نے مجھ کو دیا ہے دلِ خسیر و بصیر
 مری نگاہ میں ہے یہ سیاستِ لا دین
 کس نیزا پر من و دُوں نہاد و مُردہ سیر

ہوتی ہے ترکِ کلیسا سے سالکی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیوبند زنجیر
متاعِ غیب یہ ہوتی ہے جب نظر اس کی
تو ہیں ہر اول شکرِ کلیسا کے سفیر!

دائم تہذیب

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے
ہر ملتِ مظلوم کا یورپ ہے حسدِ ریا
یہ سپر کلیسا کی کرامت ہے کہ اس نے
بجلی کے چر انگوں سے منور کیے افکار
جلتا ہے ملکِ شام و فلسطین چمرا دل
تدبیر سے کھلتا نہیں غیبتِ دُشوا
شرکانِ جفا پیشہ کے پنچے سے نکل کر
بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار!

نصیحت

اک لڑو سنزلی نے کہا اپنے پسر سے
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ پوسیر
بیچارے کے حق میں ہے ہی سب بڑا سلم
بڑے پہ الر فاشس لریں قاعدہ شیر
سینے میں رہے راز ملو کا نہ تو بہت
کرتے نہیں محکم کو تنیوں کے کبھی یہ
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی جو
ہو جاتے ملائم تو جدھر چاہئے اچھے پسر
تاثیر میں اکیسیر سے بڑھ کر ہے تیریں زب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک چھسیر!



۶۶۶
ضرب کلیم
۱۶۶

ایک نغمہ قزاق اور سکند

سکند

جہد تیرا تری زنجیر یا شمشیر ہے میری
کہ تیری رہزنی سے تنگ ہے دریا کی پہنائی!

قزاق

سکندر! حیف، تو اس فوجی جوان مڑی سمجھتا ہے
گوارا اس طرح کرتے ہیں چشموں کی رسوائی؟
تراپیشے سفاکی، مراپیشے سفاکی
کہ ہم تیرا ق ہیں، توں تو سیدانی، میں دریائی!



جمعیتِ اقوم

بھپاری کتنی روز سے دم توڑ رہی ہے
 ڈر ہے خیر بد نہ مرے مُنہ سے نکل جائے
 تفت دیر تو مُبسم نظر آتی ہے لیکن
 پیران کلیسا کی دُعا یہ ہے کہ ٹل جائے
 ممکن ہے کہ یہ دُاشتہ پیرا فرناک
 ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے

شامِ فلسطین

رندانِ نسیرائیس کا یحیٰ نہ سلامت
 پُر ہے مے رنگِ ناک سے ہر شیشہ حَلَب کا
 ہے خالِ فلسطین یہ یہودی کا الرحق
 ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا

۶۶۸
 ضربِ کلیم
 ۱۶۸

مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں نارج کا یا شہد و رطب کا

سیاسی پیشوا

امید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے
یہ خال باز ہیں رکھتے ہیں خال سے پیوند
ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے ان کی
جہاں میں ہے صفت عنکبوت ان کی کند
خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے ستاع
تختِ ملوکاتی و جند بہ ہائے بلند

نفیاتِ غلامی

سخت باریک ہیں امراضِ اُمم کے اسباب
کھول کر کہیے تو کرتا ہے بیباں کو تاہی

دین شیری میں غلاموں کے امام اور شیوخ
دیکھتے ہیں نقطہ ال فلسفہ زوہاسی
ہو اگر قوتِ فاعلون کی درپردہ مرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ عظیم اللہ!

غلاموں کی نماز

(شرکی وفدِ ہلالِ احمر لاہور میں)

کہا مجھ سے کہ شرکی نے مجھ سے بعد نماز
طویل سجڈے ہیں کیوں اس قدر تمھارے امام
وہ سادہ مردِ سادہ، وہ مومنِ آزاد
خبر نہ تھی اُسے کیا چسپاں ہے نمازِ غلام
ہزار کام ہیں مردانِ حُر کو دنیا میں
انھی کے ذوقِ عمل سے ہیں امتوں کے نظام

بدنِ عِسلام کا سوزِ عمل سے ہے محروم
 کہ ہے مُرورِ غلاموں کے روز و شب یہ حرام
 طویلِ سجدہ اگر ہیں تو کبیا تعجب ہے
 وراے سجدہ غریبوں کو اور کیا ہے کام
 خدا نصیب کرے پسند کے اماموں کو
 وہ سجدہ جس میں ہے قلمت کی زندگی کا پیام

فلسطینی عربی

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
 میں جانتا ہوں وہ آتش تیرے وجود میں ہے
 تری جوانہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں
 فرنگ کی رل جاں نخبہ یہودی میں ہے
 سُنا ہے میں نے غلامی سے اُمتوں کی نجات
 خودی کی پرورش و لذت نمود میں ہے

مشرق و مغرب

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تفتلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ بے سہوری
نہ مشرق اس کے بڑی ہے نہ مغرب اس کے بڑی
جہاں میں عام ہے قلب و فطرت کی رنجوری

نفسیاتِ حامی

(اصلاحات)

میر ہے بے نہ سہری صتیاد کا پڑہ
اتنی نہ مرے کام مری تازہ صفیری
رکھنے لگا مڑ جھباتے ہوئے پھولِ قفس میں
شاید کہ اسیروں کو لو ارا ہو اسیری!



محراب گل افغان کے انسان

۶۶۳
ضرب کاہم
۱۶۳

محراب گل افغان کے افکار



میرے کُستیاں! تجھے چھوٹے جاؤں کہاں
تیری چٹانوں میں ہے میرے آب و جد کی خال
روزِ ازل سے ہے تو منزلِ شاہینِ مرغ
لالہ و گل سے تھی نہ سببِ بل سے پاک
تیرے حُسنِ مہیج میں میری ہشت بے میں
خالِ تیری عنبریں آبِ ترا تا بے ناک



۶۷۲

ضربِ کلیم

۱۷۲

باز نہ ہو گا کبھی بندہ کبک وسم
 حفظ بدن کے لیے روح کو کردوں ہلاک !
 اے مرے فقر غمخور ! فیصلہ تیرا ہے کیا
 خلعت انگریز یا سپرہن چاک چاک !



حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام
 نگاہِ پیرِ فلک میں نہ میں عزیز نہ تُو
 خودی میں ڈوب زمانے سے ناامید نہ ہو
 کہ اس کا زخم ہے درپردہ آہستہ مُم فو
 رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ ویستا
 اتر لیا جو ترے دل میں لاشکرِ نیک لہ





تری دُعا سے قصدا تو بدل نہیں سکتی
 مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تُو بدل جائے
 تری خودی میں اگر اُفتلاب ہو پیدا
 عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے
 وہی شراب، وہی ہائے و چو رہے باقی
 طریقِ سابق و رسمِ کدو بدل جائے
 تری دُعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
 مری دُعا ہے تری آرزو بدل جائے!



کیا چرخِ کج رو، کیا مہر، کیا ماہ
 سب راہرو ہیں وَا مائِدۂ راہ

۶۷۶
 ضربِ کلیم
 ۱۶۶

کڑکا سکندر بحلی کی مانند
 تیجہ کو خبر ہے اسے مرگ ناگاہ
 نادر نے لوٹی دلی کی دولت
 اک ضرب شمشیر، افسانہ کوتاہ
 افسانہ باقی، گنہگار باقی
 اٹھ کھڑے! اٹھ کھڑے!
 حاجت سے مجبور مردانِ آزاد
 کرتی ہے حاجت شیروں کو زوبا
 محرم خودی سے جس دم ہوا فقر
 تو بھی شہنشاہ، میں بھی شہنشاہ!
 قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
 جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ





یہ مدرسہ یہ کھیل یہ غوغائے روارو
 اس عیش و فراوان میں ہے ہر لحظہ غم نو
 وہ علم نہیں زہر ہے اسرار کے حق میں
 جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کعبہ جو
 ناداں! ادب و فلسفہ کچھ چیز نہیں ہے
 اسباب ہنر کے لیے لازم ہے تاکہ دو
 فطرت کے نوایس پچ غالب کے ہنرمند
 شام اس کی ہے مانند سحر صاحب بر تو
 وہ صاحب فن چاہے تو فن کی برکت سے
 ٹپکے بدن میں سے شبنم کی طس خضو!



۶۶۸

ضرب کلیم

۱۶۸



جو عالم ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ

تفتلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ کوہِ پر ہے یگانہ

اُس قوم کو تجلید کا سینہ مبارک!
ہے جس کے تصور میں فقط بزمِ شبانہ

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازِ تجلید
مشرق میں ہے تفتلیدِ فرنگی کا بہانہ





رومی بد لے، شامی بد لے، بدلا ہندستان
تو بھی اے فرزندِ کہستاں! اپنی خودی پہچان

اپنی خودی پہچان
او غافلِ فہستان!

موسمِ اچھا، پانی و آسِ مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا، وہ کیسا دہقان

اپنی خودی پہچان
او غافلِ فہستان!

اُونچی جس کی لہر نہیں ہے، وہ کیسا دریائے
جس کی ہوائیں تند نہیں ہیں، وہ کیسا طوفان

اپنی خودی پہچان
او غافلِ فہستان!

۶۸۰
ضربِ کلیم
۱۸۰

وُٹھو نڈکے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اُس بندے کی دہشتانی پر سلطانِ قربان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہستان!

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالمِ فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہستان!



زراغ کہتا ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر
شپر کہتی ہے تجھ کو کورِ چشمِ بے ہنر
لیکن اے شہبازِ اربابِ مرغِ انِ صحرا کے اچھوت
ہیں فضائے نیلگوں کے بیچ و خم سے خبر

ان کو کیا معلوم اس سارے احوال و مقام
روح ہے جس کی دم پرواز ستار پلٹتا



عشق طینت میں فرومایہ نہیں مثل ہو جس
پر شہباز بے ممکن نہیں پرواز محسوس
یوں بھی دستورِ طست کو بدل سکتے ہیں
کہ شیمن بچوں اول یہ کراں مثل قفس
سحر آمادہ نہیں منتظرِ بانگِ ریل
ہے کہاں قافلہ موج کو پروا ہے جبرِ سحر
گرچہ مکتب کا جوان زندہ نطرت آتا ہے
مردہ ہے مانا کے لایا ہے فرنگی سے نفس
پرویش دل کی اگر نطرت ہے تجھ کو
مردہ مومن کی نگاہ نطرت انداز ہے بس

۶۸۲
ضربِ کلیم
۱۸۲



وہی جوان ہے قبیلے کی آئینہ کا تارا
 شایبہ کا ہے بے دلغ ضربے کا رمی
 اگر ہو جنگ تو شیران غائب کے بڑھ کر
 اگر چو سلع تو رعنا عن نزال تارمی
 عجب نہیں ہے اگر اس کا سوز ہے ہر سوز
 کنیستان کے لیے بسج ایک چنگاری
 خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانہ
 کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کتراری
 نگاہ کم سے نہ دیکھ اس کی بے گلاہی کو
 یہ بے گلاہ ہے سرمایہ کلہ داری





جس کے رتوں سے منور تر ہے یہ سب دوش
 پھر بھی ہو سکتا ہے دوش چہ پرانغ خاموش
 مرد بے حسد کرتا ہے زمانے کا کلمہ
 بندہ جس کے لیے شہر تقدیر ہے دوش
 نہیں بننا مگر یہ چاہے کما کے لائق وہ جوان
 جو ہوا مالہ مرعہ ان سب کے مدد دوش
 مجھ کو ڈر ہے کہ طمع نہ لائے طبیعت تیری
 اور عیت ار ہیں یوں چکے شکر پارہ فروش



لا دینی و لا سینی، بس پیچ میں ابھارتو
 وارو ہے ضعیفوں کا لا غالب الّاھو

۶۸۲
 ضرب کلیم
 ۱۸۶

صبیح و معانی کو یورپ کے ہر مہرے
 وکاشش سے فضا بہین بے نام تمام اہو
 بے اشکاب سحر کا ہی تقویم خودی شکل
 یہ لالہ پیکانی خوشتر ہے کمنار جو
 صبیح و ہے کافسر کا، پنچ پر ہے مومن کا
 یہ دیر کہن یعنی تختیائے زمانہ و بو
 اے شیخ، امیروں کو جس سے نکلوادے
 ہے ان کی سازوں سے محراب شش اربو



مجھ کو تو یہ زیب نظر آتی ہے دگرگوں
 معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا
 ہر سینے میں اک صبح قیامت کے نمودار
 انکار جوانوں کے ہوئے زیر و زبر کیا

کر سکتی ہے بے سبب جینے کی تلافی
 ایسے سیرِ حرم سیری مناجاتِ سحر کیا
 ممکن نہیں تخلیقِ خودی حنا نقہوں سے
 اس شعلہٴ نغم خوردہ سے ٹوٹے کاشِ سر کیا



بے جراتِ رندانہ ہر شق ہے دُوباہی
 بازو ہے قوی جس کا، وہ شقِ یُدِ لہی
 جو سختی منہ نزل کو سامانِ سخن سمجھے
 اے وائے تنِ آسانی! اپنا پید ہے وہ راہی
 وحشت نہ سمجھ اس کو اے مَرولِ میدانِ
 کُتھار کی خلوت ہے تعلیمِ خودِ گاہی
 دُنیا ہے روایاتی، عقیقی ہے مہرِ ناجاتی
 دربارِ دعوٰی عالم را، این است شہنشاہی!

۲۸۶

ضربِ کلیم

۱۸۶



آدم کا خمیسا اس کی حقیقت پہ ہے شاہ
 مشکل نہیں اے سالک! یہ اعلم تیری
 فولاو بساں رہتا ہے شیر کے لائق
 پیدا ہوا اس کی طبیعت میں حریری
 خود دار نہ ہو فتور تو ہے قہر الہی
 ہو صاحبِ غیرت تو ہے تہمت امیری
 افزائش ز خود بے خبرت کرو ورنہ
 اے بندہ مومن! تو بشیری تو نذیری!



قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
 ہو صاحبِ مرکز تو خودی لیا ہے خدائی!

جو فہم تر نہوا تلخی دوراں کا گلہ مست
 اُس فہم تر میں باقی ہے ابھی بونے کدائی
 اس فور میں بھی مردِ حُشا کو ہے پیتر
 جو مجبِ سزہ پرست کو بنا سکتا ہے رانی
 درِ معرکہ بے سوز تو دوستِ قہر تو اں یافت
 اے بندۂ مومن تو لبائی تو کجائی
 خورشیدِ اسرارِ پردہ شوق سے نکل کر
 پہنا مرے کھسار کو ملبوسِ حسنائی



آگ اس کی ٹھونک دیتی ہے برناؤ پیر کو
 لالہوں میں ایک بھی ہوا الرضا حبیبِ یقین
 ہوتا ہے کوہِ وِشت میں پیدائش بھی
 وہ مرد جس کا فہم تر خُرف کو لے نہ جیں

۶۸۸

ضربِ کلیم

۱۸۸

تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ
 خالی رکھی ہے حسامہ حق نے تری بسیر
 یہ سیکلوں فضیلت جسے کہتے ہیں آسماں
 ہمت پر پرکشا تو حقیقت میں کچھ نہیں
 بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں
 زیر پر ایک تو یہی آسماں زمین!



نیکیت نہ خوب کہا شیر شاہ سُوری نے
 کہ استیازِ قبائل تمام تر خواری
 عزیز ہے انھیں نام وزیری و محسود
 ابھی خلعتِ افغانیت سے ہیں عاری
 ہزار پارہ ہے کھسار کی سلمانی
 کہ ہر بیلہ ہے اپنے بتوں کا زنتاری

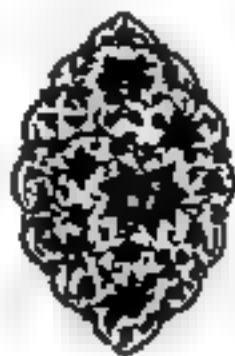
وہی سرم ہے وہی عتبارِ لات و منا
حادثِ نصیب کرے تجھ کو ضربِ کاری!



نگاہ وہ نہیں بس رخ و زرد پہچانے
نگاہ وہ ہے کہ محنتِ جہشِ مژدہ نہیں
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن
قدم اٹھا! یہ تمام انتہائے راہ نہیں
کھلے ہیں سب کے لیے غریبوں کے میخانے
علومِ تازہ کی کستریاں سنہ نہیں
اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے تری
ترے بدن میں الرسوزِ لا الہ نہیں
سنیں گے میری صدا خانزاؤ کاں کبیر؟
جگیم پوش ہوں میں صاحبِ کلاہ نہیں!



فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
 یابندہ صحرائی یا مرو و ہستانی
 دنیا میں محارب ہے تہذیب فوس لہ کا
 ہے اس کی فستیری میں ساری سلطانانی
 یہ حسن لطافت کیوں وہ قوت و شوکت کیوں
 بلبل چمنستانی شہباز بیابانی
 اے شیخ بہت اچھی کتاب کی فضا، لیکن
 بنتی ہے سیاہاں میں سنار و قی و سلطانی
 صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے حریف اس کا
 تلوار تپتی ہے زری میں صہبائے مسلمانی



ارمغانِ حجاز

اُردو

اقبال

۲۹۳

ارمغانِ حجاز

۱

۱م = حضور حق
 ۲م = حضور ملک
 ۳م = حضور اوت

سرورق ۲م
 درگاه آستانه یزدان از نورنا کر
 نفسم کرم می آید جسد و با وجود ای
 در خشت کجای

سرورق ۱م
 خوشنایا ای جان من
 دلایف منیست
 کما یوسف منیست
 بنیاد منیست

سرورق ۳م
 مجو از رخ کلام عارفانه
 رخ دارم سرست عانتخانه
 سرمن لاله گویا لاله من باغ
 بیفت نام چو چشم دانه دانه

۴۹۲
 اصفهان مجاز
 ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

۱	ابلیس کی مجلس شوریٰ	۷۰/۹
۲	بڈے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو	۷۱۳/۲۱
۳	تصویر و مصوّر	۷۱۵/۲۳
۴	عالم برزخ	۷۱۶/۲۵
۵	مسنزل شہنشاہ	۷۲۱/۲۹
۶	دوزخی کی مناجات	۷۲۲/۳۰
۷	مسعود مرحوم	۷۲۳/۳۱
۸	آوازِ غیب	۷۲۶/۳۴

رُبا عیادت

- ۱ مری شاخ اہل کا ہے شر کیا ۷۲۹/۴۷
- ۲ فراغت دے اسے کارِ جہاں کے ۷۳۰/۴۸
- ۳ ولہ لوں عالمِ شام و سحر کر ۷۳۰/۴۸
- ۴ عنبر سی میں ہوں محسوسِ آسری ۷۳۱/۴۹
- ۵ حسرت کی تنگ دامانی سے نریا ۷۳۱/۴۹
- ۶ کہا اقبال نے شیخِ حرم سے ۷۳۲/۵۰
- ۷ کہن ہنسکار ہاتے آرزو سرو ۷۳۲/۵۰
- ۸ حدیثِ بندہ مومن دل آویز ۷۳۳/۵۱
- ۹ تیسرے خار و گل سے آشکارا ۷۳۳/۵۱
- ۱۰ نہ کر ذکرِ منہراق و آشنائی ۷۳۴/۵۲
- ۱۱ ترے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے ۷۳۴/۵۲
- ۱۲ حسرت دیکھے اگر دل کی نگہ سے ۷۳۵/۵۳
- ۱۳ کبھی دریا سے مشعل موج ابھر کر ۷۳۵/۵۳

ملا زادہ ضمیمہ لولابی کشمیری کا بیاض

- ۱ پانی ترے چشموں کا ترپتا ہوا سیلاب $\frac{۷۳۷}{۲۵}$
- ۲ موت ہے اک سخت تر جس کا غلامی ہے نام $\frac{۷۳۸}{۲۶}$
- ۳ آج وہ شیر ہے محکوم و مجبور فستیر $\frac{۷۳۹}{۲۷}$
- ۴ کرم جو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو $\frac{۷۳۹}{۲۷}$
- ۵ دُراج کی پرواز میں ہے شوکت شاہیں $\frac{۷۴۰}{۲۸}$
- ۶ رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات $\frac{۷۴۱}{۲۹}$
- ۷ نکل کر حنہ نقا ہوں سے ادا کر رسم شبیری $\frac{۷۴۱}{۲۹}$
- ۸ سمجھا لہو کی بوند اگر تواسے تو خیر $\frac{۷۴۲}{۵۰}$
- ۹ کھنکھ چپسن میں کتب خانہ کل $\frac{۷۴۳}{۵۱}$
- ۱۰ ازاد کی رک سخت ہے مانند رک سند $\frac{۷۴۴}{۵۲}$
- ۱۱ تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ $\frac{۷۴۵}{۵۳}$
- ۱۲ دگرگوں جہاں ان کے زورِ عمل سے $\frac{۷۴۶}{۵۴}$

- ۱۳ نشان یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا ۷۴/۵۵
- ۱۴ چہ کافرانہ قمارِ حیات می بازی ۷۴/۵۶
- ۱۵ ضعیف سربسے تاجرانہ ضمیرِ مشرق ہے رہبانہ ۷۴/۵۷
- ۱۶ حاجت نہیں اے خطہٴ کل شرح و بیاساں لی ۷۵/۵۸
- ۱۷ خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی ۷۵/۵۹
- ۱۸ آں عزمِ بلند آور آں سوزِ جگر اور ۷۵/۵۹
- ۱۹ غریب شہریوں میں سن تو لے مری فریاد ۷۵/۶۰



- ۱ صدر اکبرِ حیدری ۷۵/۶۱
- ۲ صدرِ اعظم حیدر آباد و کن کے نام حسین احمد ۷۵/۶۲
- ۳ حضرت انساں ۷۵/۶۲



۶۹۸
اصنافِ مجاز
۶

اُردو نظمیں

۶۹۹
ایضاح مجاز

ابلیس در مجلس خود

ابلیس

۱ یہ غاصر کا پرانا کھیل ! یہ دنیا ہے دروں !
ساکنانِ عرشِ اعلم کہ تمناؤں ۵ خوں !

۲ ~~سنہیل~~ اگر کہ شربانی بیچ کر مان ہے وہ لاکر آئے
جنے اگر کہ نام رکھا تھا جہان کاف و زور

۳ کون کرے لگا ہے اسے آتشِ خود راں کو سر

حکے بٹھا مولیٰ میرا ابلیس ۵ نندہ دروں

۴ چمچہ دکھلایا رنگی کو ملکوت ۵ غریب

نے پہنچے توڑا صیو مسجد و دیرویکس ۵ خوں !

۵ چمچہ ناداروں کو کھلایا ہستیا تمہیر کا

نے پہنچے غم کو دیا کریمہ دلدار ۵ خوں !

۶ زنجیر جگا ہے ~~جگا~~ حکمِ خیر میں پار کا آسان سے بلند

کون کرے لگا ہے اسے کلک کن کو سزگوں ؟

۴۰۰
افغان مجاز

۸

انیس کی محفل شوریٰ

۱۹۳۶ء

انیس

عین صبر کا پُرانا کھیل، یہ دنیائے فوں
ساکنانِ عشرِ عظم کی تمستوں کا خون
اس کی بربادی پہ لاج ادا دے وہ کار ساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہاں کاف فوں
میں نے لکھ دیا فرنگی کو مولیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں

میں نے ناداروں کو سکھایا سبقِ تفتدیر کا
 میں نے مُنہ پر کھم کو دیا سڑیاری کا جنوں
 کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
 جس کے ہنکاموں میں ہو ابیہ کس سوزدوں
 جس کی شاخیں ہوں ہماری آبِ یاری سے بلند
 کون کر سکتا ہے اُس نخلِ لہن کو سبز گھوں!

پہلا شیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابیسی نظام
 چنخت تر اس سے ہوتے خوتے غلامی میں عوام
 ہے ازل سے ان سر یوں کے مقدر میں سجدو
 ان کی فطرت کا تقاضا ہے سازِ بے قیام
 ارزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
 ہو کہیں پیدا تو مرجاتی ہے یارِ ہستی ہے خام

یہ ہماری سعی ہے ہم کی کراست ہے کہ آج
 صوفی و ملاطفت کے بستہ ہیں ہم
 طبع شرق کے لیے موزوں ہی افیون تھی
 ورنہ تو الٰہی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام!
 ہے طواف و حج کا ہنگامہ الربانی تو کیا
 کُن ہو کر رہتی مومن کی تیغ بے نیام
 کس کی نو میدی پہنچتے ہے سرانِ جدید؟
 ہے جہاد اس دور میں مردِ مسلمان پر حرام!

دوسرا شیر

خیر ہے سلطانِ جمہور کا غوغا کدھر
 توجہ اس کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر!

پہلا شیر

ہوں ہر گھریسری جہاں اپنی بتاتی ہے مجھے
جو ملکیت کا ال پردہ ہو گیا اس نے خطرہ
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس خود فکر
کاروبار شہری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میں سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان، بغیر کی کھیتی یہ ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظم نام
چہرہ روشن، اندرون چنگیز سے تاریک ترا

تیسرا شیر

روحِ سلطانی ہے باقی تو پھر کیا خطِ اسرار
 ہے مگر کیا اس ہودی کی شرارت کا جواب
 وہ حکیم ہے تجلی ہو یہ سج بے صلیب
 نیست پیغمبر یسین و بے نسل دار و کتاب
 کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر وہ سوز
 مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب
 اس سے بڑھ کر اور کیا چوکا طبیعت کا فساد
 توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خمیوں کی طناب!

چوتھا شیر

توڑ اس کا رومۃ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
 ال سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب

کون بحرِ روم کی موجوں سے ہے لیٹا ہوا
گاہ بالہ چوں صحنِ نوبر گاہ نالہ چوں باب

تیسرا شیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے زعفرانی سیاست کو کیا یوں بے حجاب

پانچواں شیر

(ابیس کو مخالف کر کے)

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم استوار
تو نے جب چاہا، کیا ہر پرولی کو آشکار
اب کل تیری حرارت کے جہان سوز و سا
ابدِ جنت تری تعلیم سے دانائے کا

۷۰۶

ارضانِ مہار

۱۲

تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ مجرم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
تیری غیبت سے ابتدا تک نہ خون و شرمسار
کرچہ ہیں تیرے مرید افزائش کے جس تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ لڑو وہ رُوح مزوک کا بڑو
قبر بسوزنے کو ہے اس کے جنوں سے تارار
زراغ دشتی ہو رہا ہے ہر شاہین و چرخ
کتنی نرعت سے بدلتا ہے مزاج روزگار
چھا لئی آشفۃ ہو کر وسعت افلاک پر
جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اُمّ شبت غبار
فتنہ و فتنہ ڈالی سمیت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کو ہمارو و غر زار و جوتبار

میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

ابیس

(اپنے مشیروں سے)

ہے مرے دست تصرف میں جہاں بگٹ بو
کیا زمین کیا مہرہ کیا آسمان تو بٹو
دیکھ لیں کے اپنی آنکھوں کے تماشا غروب شرق
میں نے جب کر دیا اقوام پورے کا لو
کیا امان سیاست کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایسا ہو
کار کاہ شیشہ جو ناواں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جام و ہوا

دستِ فطرت نے کیلے ہیں جن کریبانوں کو چال
 مزد کی منطق کی سوزن نے نہیں سوتے رفو
 کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ لہرو
 یہ پریشاں روزگارِ اشتہارِ شہرِ اشتہار
 ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اُس اُمت کے ہے
 جس کی خاکِ ستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
 خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
 کرتے ہیں اشکِ سحر کا ہی سے جو ظلم و ضلوع
 جانتا ہے بس یہ روشن باطنِ ایام ہے
 مزدِ کینتِ فتنہ فردا نہیں اسلام ہے



جانتا ہوں میں یہ اُمتِ حاملِ قرآن نہیں
 ہے وہی ساری داری بندہ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری ات میں
 بے پردہ خلیفے پیرانِ حرم کی استیں
 عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے بے بس کن یہ جو
 ہونہ جلتے اشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
 اٹھو! اتین پتہ سیر سے سو بار الحذر
 حافظ ناموس بن، مردِ آزما، مردِ انہریں
 موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
 نے کوئی شغفور و خاقان نے فقیرِ ریشیں
 کرتا ہے دولت کو ہر اکو دلی سے پال صاف
 منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
 اس کے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
 پادشاہوں کی نہیں اٹھتی ہے یہ زمین
 چشمِ عالم سے ہے پوشیدہ آئیں تو خوب
 غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ نعمتیں

ہے یہی ہستہ البیات میں الجھار ہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھار ہے



توڑ ڈالیں جس کی تکسیریں طلسم شش جہات
ہو نہ روشن اس خداوندیش کی تاریک رات
ابن مریم مرکب یا زندہ جاوید ہے
ہیں صفات ذات حق حق سے خدایا عین ذات
اسنے والے سے سیح ناصر مقتصد ہے
یا مجدد جس میں ہوں سرزند مریم کے اصفا
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا سماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ البیات کے ترشے پڑے لات و سنا؟

تم ایسے جگہ نہ رکھو عالم کو اسے
 تابساط زندگی میں اس کے سب نمبرے ہوں تا
 خیر اسی میں ہے قیامت تہا ہے مومن غلام
 چھوڑ کر اوروں کی حنا طریہ جہان بے شتاب
 ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں غیبت
 جو چھپکے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
 ہر نفس تاہوں اس اُمت کی بیداری نہیں
 ہے تحقیق جس کے دین کی احتساب کا تہا
 مست رکھو ذکر و فکر صبح کا ہی میں اسے
 پنختہ ترکہ و مزاج خانقاہی میں اسے



۷۱۲
 اربعین مہماز
 ۲۰

بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو

پتھر سے پتھر کی باتوں کی ہوا تجھ کو لو ارا

اس دشت سے بہت سے ہر نہ ولی نہ بخارا

جس سمت میں چاہے صفتِ سیل و اس پل

وادی میں یہ ساری ہے صحرا بھی ہمارا

غیر سے بڑی چہ پینہ جہان تک دو میں

پہناتی ہے درویش کو تاجِ سردارا

حاصل کسی کا مل سے یہ پوشیدہ ہر

کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا

انرا دے کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر نہ رہے ملت سے محبت نہ کاستارا

محرم رہا دوستِ دریائے وہ غوٹھیں

کرتا نہیں جو محبتِ ساحل سے کنار

۷۱۳
اصغان مہار
۲۱

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو قلمت
 ہے ایسی تجارت میں سماں کا خسار
 دنیا کو ہے پھر سرکہ زور و بدن پیش
 تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو انجسار
 اللہ کو پامردی مومن پہ بے سرو
 ایس کو یورپ کی شینوں کا سہارا
 تفتیر اعم کیا ہے کوئی کہ نہ ہیں سکت
 مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشار
 اصل عمل مانا نہیں کان لہن سے
 شاہاں چہ عجب کر بنوازند کدرا!



۷۱۴
 اربعین مجاز
 ۲۲

تصویر و مصوّر

تصویر

کہا تصویر نے تصویر کرے
نمائش ہے مری تیرے ہر
بیکر کن کس تدرنا منصفی ہے
کہ تو پوشیدہ ہو پیری نظم سے!

مصوّر

گراں ہے چشم سینا دیدہ و پر
جہاں بینی سے لیا لہری شریر
نظم نر درو غنم و سوز و تب و تاب
تو اسے ناواں، قناعت کر خیر

تصویر

خبرِ عمتلِ جنسِ رو کی ناتوانی
نظرِ سر، دل کی حیاستِ جاودانی
نہیں ہے اس زمانے کی تاز
سزاوارِ حدیثِ لعلِ ترانی

مُصوّر

تو ہے میرے کمالِ استِ ہنر سے
نہ ہو نویں اپنے نقشِ کر سے
مرے دیدار کی ہے الہی شہر سے
کہ تو پنہاں نہ ہو اپنی نظر سے



عالم برنخ

مردہ اپنی قبر سے

کیا شے ہے کس امر و زکا فروا ہے قیامت
اے میرے شبستانِ گنہگار! کیا ہے قیامت؟

قبر

اے مردہ صمد! تجھے کیا نہیں معلوم؟
ہر موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت!

مردہ

جس موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت
اُس موت کے پھٹنے میں گرفتار نہیں ہیں

ہر چند کہ نہوں مردہ ہوں مگر
 ظلمت کدہ خاک سے بیزار نہیں ہیں
 ہو روح پھر اک بار سوار بدنِ نثار
 ایسی ہے قیامت تو خریدار نہیں ہیں

صدائے غیب

نے نصیب مارو کڑو دم نے نصیب دام و دو
 ہے فقط محکم قوموں کے لیے مرگِ ابد
 بانی اسرائیل ان کو زندہ کر سکتی نہیں
 روح سے تھا زندگی میں بھی تھی جن کا جسد
 مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
 کدچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد

قبر

(اپنے مرنے سے)

اے وطنِ عالم! تو جہاں میں بندہ محکوم تھا
میں نہ سمجھی تھی کہ ہے کیوں خال میری سوزناک
تیری میت کے مری تاریکیاں تاریک
تیری میت کے زمیں کا پردہ ناموس حال
الحذر محکوم کی میت کے سوا بار الٰہی
اے سرائیل! اے خدائے کائنات! اے جانِ مال!

صدائے غیب

گرچہ ہر ہے قیامت کے نظامِ ہست و بود
ہیں اسی آشوب کے بے پردہ اسرارِ جو
زلزلے سے کوہ و دریاؤں تے ہیں مانندِ حساب
زلزلے سے ادویوں میں تازہ چشموں کی نمود

ہر تہی سیر کو لازم ہے تخریب تمام
ہے اسی میں شکست زندگانی کی نشو و

زمین

آہ یہ مرکب دوام آہ یہ رزم حیات
خستہم بھی ہو کی کبھی شکست کائنات!
عقل کو ملتی نہیں اپنے بتوں سے نجات
عارف عامی تمام بندۂ لات مہنات
خوار ہوا کس قدر آدم یزدان صفت
قلب و نظر پر کہاں ایسے جہاں کائنات
کیوں نہیں ہوتی سحر حضرت انساں کی رات؟



معزول شہنشاہ

ہو مبارک اس شہنشاہِ نیکو فرجام کو
جس کی قربانی سے اس لرزلوگیت میں فاش
شاہ ہے برطانوی مندر میں ال مٹی کا بیت
جس کو کر سکتے ہیں جب چاہیں نجاری پاش پاش
ہے یہ مشکِ امیز افیوں ہم غلاموں کے لیے
ساحرِ نکلیس! مارا خواجہ بہ دیر تراش



دوزخی کی مناجات

اس دیر کھن میں ہیں غرض مند باری
رنجیدہ بتوں سے ہوں تو کرتے ہیں خدا یاد
پوچھا بھی ہے بے سود نمازیں بھی ہیں بے سود
قسمت ہے عسیریوں کی وہی نالہ و سہریا
ہیں کراچہ طبع بند میں عمارات فلک بوس
شہر حقیقت میں ہے ویرانہ آباد
تیشے کی کوئی کردش تفتدیر تو دیکھے
سیراب ہے پرویز جگر شکنہ ہے فرہاد
یہ علم، یہ حکمت، یہ سیاست، یہ تجارت
جو کچھ ہے وہ ہے منکر ملک کانہ کی احباب
اللہ! ترا شکر کہ یہ خطہ زیر پرورد
سوداگر یورپ کی غلامی سے ہے آزاد

۷۲۲
اصنافِ مہمان
۳۰

مسعود مرحوم

یہ سرورِ مہر، یہ ستارے یہ آسمانِ کبود
کسے خبر کہ یہ عالم عدم ہے یا کہ وجود
خیالِ حبسِ اوہ منہ و سوزِ نزلِ فسانہ و افسوں
کہ زندگی ہے سرِ اپارِ حیلِ بے مقصود
رہی نہ آہ، زمانے کے ہاتھ سے باقی
وہ یادِ کارِ کمالاتِ احمد و محمود
زوالِ علم و ہنسِ سرِ مرگِ ناکہاں اُس کی
وہ کارِ رواں کا مستِ ریحِ لراں بہا مسعود
مجھے زلاتی ہے اہلِ جہاں کی بید روی
فغانِ مرغِ سحرِ خواں کو جانتے ہیں سرور
نہ کہہ کہ صبر میں پنہاں ہے چارۂ غم و دوست
نہ کہہ کہ صبرِ معنائے موت کی ہے کشود

”وَلَمْ يَكُنْ لَكَ عَاشِقٌ وَصَابِرٌ بُوْدٌ مَكْرُومٌ
زَعِشَقٌ تَابَ صَبُورٌ مِزَارٌ فَرَسَنَكُ اسْتِ“
(سعدیؒ)

نہ مجھ سے نوجھ کہ عسر لہر پیا کیا ہے
کئے خبر کہ یہ نیز نک و سیما کیا ہے
ہوا جو خال سے پیدا، وہ خال میں ستور
مگر غیبیت صغریٰ ہے یا فنا، کیا ہے
غبارِ راہ کو بخشا کیا ہے وق حمال
خبر دیتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے
دل و شہر بھی اسی آبِ گل کے ہیں اعجاز
نہیں تو حضرت انساں کی انتہا کیا ہے
جہاں کی رُوح رواں لا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ
سیح و منح و حلیا، یہ جاہِ سرا کیا ہے
قصاصِ خونِ تمسک کا مانگے کس سے
گنہ گار ہے کون اور خوں بہا کیا ہے

غم میں مشو کہ یہ بند جہاں گرفتاریم
طسم ہا شکند ان دے لے کہ ماواریم

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات
کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحان ثبات

خودی ہے زندہ تو دریا ہے بے کرا نہ ترا
ترے فراق میں مضطرب ہے موج نیل و فرا

خودی ہے مردہ تو مانند کاہ پیش نسیم
خودی ہے زندہ تو سلطان جملہ موجودات

بنگاہ ایک شجرتی سے ہے اگر محروم
دو صد ہزار شجرتی تلافی مافات

مستام بندہ مومن کا ہے وراۓ سپر
زمین سے تا بہ ثریا تمام لات و منات

حریم ذات ہے اس کا نشین ابدی
نہ تیرہ خالِ محسوس ہے نہ جلوہ کاہ صفات

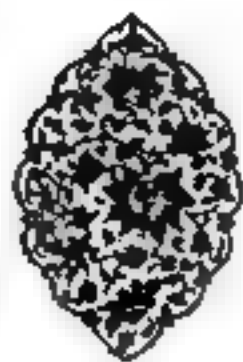
خود آگہاں کہ ازیں خالداں بروں جستند
طلسم سر و سپر و ستارہ بشتند

آوازِ غیب

آتی ہے دم صبح صدا عرشین میں سے
کھویا کیا کس طرح ترا جوہر اوراں!
کس طرح ہوائے ترا نشتر تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جد چاک
نوطا بہر و باطن کی خلافت کا سرِ اوار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلامِ حسن و خاشاک
مہر و مہ و آبِ سم نہیں سکھو تم سے کیوں
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک

اب تک ہے رواں کرچہ لہو تیری رگوں میں
نے گرمی اس کا، نہ اندیشہ بے باک
روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں ہیں نہیں جہتی
جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگر پاک

باقی نہ رہی تیری وہ آہستہ خمیری
اے شہسوار سلطان و ملائی و پیری



زبا عیت



مری شاخ اہل کا ہے شرکیا
ترمی تفت دیر کی مجھ کو خبر کیا
کل گل کی ہے محتاج کشوداج
نسیم صبح مندر اپن کر کیا



فراغت دے اُسے کارِ جہاں سے
 کہ چھوٹے نفیس کے امتحاں سے
 ہوا پیری سے شیطان کُنہ اندیش
 گستاخ تازہ تر لائے کہاں سے!



دلِ گلوں عالمِ شام و سحر کر
 جہاں خشک و تر زیر و زبر کر
 ہے تیری حسدائی داغ سے پاک
 مے بے ذوق سجدوں سے حذر کر



عنیری میں ہوں محمود اسیری
 کہ غیت ترنہ ہے میری فہمیری
 حذر اس قدر رویشی سے جس نے
 سماں کو سکھا دی سنیری!



خرد کی تناسل و امانی سے سنیرا
 تجلی کی سنراوانی سے سنیرا
 گوارا ہے اسے نطفہ غیریہ
 زندہ کی ناسل امانی سے سنیرا!



کہا اقبال نے شیخ حسام
 تہ محراب مسجد سویا کون
 زندا مسجد کی دیواروں سے آتی
 فرنگی بت کدے میں لھوئیا کون؟



گھنہ سنگامہ ٹائے آرزو
 کہ ہے مرد سماں کا لہو
 بتوں کو یہ سری لا دینی مبارک
 کہ ہے آج ایشیا کا لہو

۷۳۲
 اصفیاء مجاز

۲۰



سہ شبنم مومن دل آویز
 چکر پرخوں، نفس روشن نگہ تیز
 میسر ہو کسے دیدار اس کا
 کہ ہے وہ رونق محسن کلمہ ایز



تمیز منار و گل سے اشکارا
 نسیم نسیم سج کی روشنی ضعیفی
 حفاظت پھول کی کون نہیں ہے
 اگر کانٹے میں ہو خوتے سریری



نہ کر ذکرِ سراق و آشنائی
 کہ اصلِ زندگی ہے خودمانی
 نہ دریا کا زیاں ہے نہ نہر کا
 دل دریا سے گہرا کر کی جاتی



ترے پیام میں طوفان کیوں نہیں ہے
 خود ہی یہی سدا کیوں نہیں ہے
 عیشِ شکوہ تیرے پیروں
 تو خود تفتِ پیروں کیوں نہیں ہے؟

۷۳۴

اصنافِ مجاز

۲۲



سر دیکھے اگر دل کی نگہ سے
 جہاں روشن ہے نورِ لا الہ سے
 فقط اک کروشنِ شام و سحر ہے
 اگر دیکھیں سرِ غمِ سرور سے



کبھی دریا سے شل موجِ بحر
 کبھی دریا کے سینے میں اتر کر
 کبھی دریا کے حل سے لڑ کر
 مسمم اپنی خودی کا فاش تر کر!

ملا زادہ ضلع لولاکشتری کا ضلع



پانی ترے چشموں کا ترپتا ہوا سیلاب
مرغانِ تیرے فضاؤں میں ہیں بیتاب

اے وادی لولاب!

گر صاحبِ ہنگام نہ ہوں نہ مجرب
دیں بندہ من کے لیے موت کے یا خواب

اے وادی لولاب!

ہیں سازِ یہ موقوفِ نوا یا سحرِ سوز
ڈھیلے ہوں اگر تارِ توبیہ کا ہے مضرب

اے وادی لولاب!

ملا کی نطرت زورِ فراست سے چہ نالی
بے سوز ہے سحرِ نازِ نہ صوفی کی مے ناب
اے وادیِ لولاب!

بیدار ہوں دل جس کی فغانِ سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویشِ شکرِ نایاب
اے وادیِ لولاب!



موت ہے اک سخت تر جب کا غلامی ہے نام
مکروں و فنِ خواجگی کا شش سمجھت غلام
شرعِ ملوکانہ میں جدتِ احکام دیکھ
صُور کا غوغا لالِ حشر کی لذتِ حرام
اے کہ غلامی سے ہے روحِ تری مضمحل
سینہ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام



آج وہ کشمیر کے محکوم و مجبور و فقیر
 کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایرانِ شیر
 سینہ اسلاک سے اٹھتی ہے آہِ نونال
 مروح ہو تا ہے جب عروجِ سلطانِ امیر
 کہہ رہا ہے داستانِ بید رویِ ایامِ لی
 کوہ کے دامن میں وہ غمِ نسیم نہ دھچکانِ پیر
 آہ! یہ قومِ نجیب و چربِ دست و تر دماغ
 ہے کہاں روزِ مسکافاست اے خدا تو کیر؟



گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو
 تھر تھراتا ہے جہانِ چار سوسے ورنک بو

پاک ہوتا ہے وطن و تھمیں سے انساں کا ضمیر
 کرتا ہے ہر راہ کو روشن چرخِ ارزو
 وہ پُرانے چال جن کو عقل ہی سکتی نہیں
 عشق سیتا ہے انھیں بے سون و تار زو
 ضربتِ پیہم سے ہو جاتا ہے آخر پاش پاش
 حاکمیت کا بتِ سنہیں دل و آسینہ



دُراج کی پرواز میں ہے شکستِ شاہیں
 حیاتِ سر میں ہے صیادِ شاہیں ہے کہ دُراج
 ہر قوم کے انکار میں پیدا ہے طلسم
 مشرق میں ہے فرائے قیامت کی نموداج
 فطرت کے تقاضوں سے ہوا حشرِ محبوب
 وہ مردہ کہتے بانگِ فراسیل کا محتاج



رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات
 مگر حسد کہ مشہور نہیں ان کے کرامات
 خود پسری و خود داری و طلبانگہ انا حق
 آزاد ہو سالک تو ہیں یہ اس کے مقامات
 معلوم ہو سالک تو یہی اس کا ہر دوست
 خود مرده و خود مرستہ و خود مرلہ معاجات!



نکل کر حق انقا ہوں ادا کر رسم شہبیری
 کہ فتنہ خائف تا ہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
 تھے دین اوسب سے آرہی ہے بے پناہی
 یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پسری

شیاطینِ ملولیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
 کہ خود بخوبی کے دل میں ہو پیدا ذوقِ پنجپیری
 چہ بے پروا لہشتہ ساز نواسے بے حکاہن
 کہ بزدل شور وستی از یہ چشمِ انِ شمیری



سمجھالو کی بوند اگر تواسے تو حسیر
 دل آدمی کا ہے منقطع ال جذبہ طلبند
 گردشِ مہ و ستارہ کی ہے ناگوار اسے
 دل آپ اپنے شامِ سحر کے نقشِ شبنم
 جس خاک کے ضمیر میں ہے آتشِ چنار
 ممکن نہیں کہ ہو وہ خاکِ ارجمند



کھنکھلا جب چمن میں کتب خانہ گل
 نہ کام آیا ملا کو علم کتابی
 متانت شکن تھی ہوا سنے بہاراں
 غزل خواں ہوا سپر اندرابی
 کہ لالہ آتشیں پیرہن نے
 کہ اسرارِ جہاں کی چوں میں بے حجابی
 سمجھتا ہے جو موت خوابِ کدو
 نہاں اس کی تعمیر میں ہے خرابی
 نہیں زندگی سلسلہ روز و شب کا
 نہیں زندگی مستی و نیم خوابی
 حیات است در آتش خود تپیدین
 خوش اس دم کہ این گشتہ باز یابی

گستاخِ دلِ شرارے بگیری
تواں کرد زیرِ سنگِ آفتابی



آزاد کی رک سخت ہے مانندِ رکِ سنگ
محکوم کی رک نرم ہے مانندِ رکِ تاک
محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید
آزاد کا دل زندہ و پرسوز و طربِ ناک
آزاد کی دولتِ دل روشن، نفسِ گرم
محکوم کا سرمایہ فقط دیدہ نمِ ناک
محکوم ہے بیگانهٔ اخلاصِ مروت
چرچند کہ منطق کی ولیوں میں ہے چالاک
ممکن نہیں محکوم جو آزاد کا ہمدوش
وہ بندۂ افلاس ہے، یہ خواجۂ سرفراز



تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ
 کوئی بتائے یہ مسجد ہے یا کلمہ سینہ
 یہ راز ہم سے چھپایا ہے میر و اعظم نے
 کہ خود سرم ہے چہ سراغ حرم کا پروانہ
 طلسم بے خبری، کافن سری وین اری
 حدیث شیخ و برہن سن فسون افسانہ
 نصیب خط ہر ہویا رب وہ بندہ درویش
 کہ جس کے فقر میں انداز ہوں کلیم
 چھپے رہیں گے زمانے کی آنکھ سے لب تک
 گھر ہیں اب ولر کے تمام یک دانہ





وگرگوں جہاں اُن کے زورِ عمل سے
بڑے معرکے زندہ قوموں نے مارے
منہ ختم کی تقویمِ سرِ داس ہے باطل
کرے آسماں سے پُرانے ستارے
ضمیرِ جہاں اس قدر آتشیں ہے
کہ دریا کی موجوں سے ٹوٹے ستارے
زمین کو فراغت نہیں زلزلوں سے
نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے
ہمالہ کے چشمے اُبلتے ہیں کب تک
خضر سوچتا ہے ولہ کے کنارے



۷۴۶
ایضاً مجاز
۵۲



نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمال صدق و مروت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
قلندرانہ ادائیں، سکندرانہ جلال
یہ اہستیاں ہیں جہاں میں برہنہ شیریں
خودی سے مرد خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
شکوہ عید کا منکر نہیں ہوں میں، لیکن
قبول حق ہیں فقط مرد حسرت کی تفسیریں
حکیم سیری نواؤں کا راز لیا جانے
ورائے عقل ہیں اہل حسنوں کی تدبیریں



چه کافرانه قمار حیات می بازی
که بازمانه بسازی بخود نمی سازی
دلکرم بدرسد هاست سرم نمی بینم
دل خستید و نگاه غمناکی و رانی
بحکم مفتی اعظم که فطرت ازلیست
بدین صحوه حرام است کاشف از
همان فقیه ازل گفت خجسته شاپین
با سبیل کزوی بازیگر نه پروازی
منم که توبه نه کردم ز فتنه اش لونی
ز بیم این که سلطان کنند عثماری
بدست مانده سر قند و نه بخارا ایست
و عجب بجز فقیه این بزرگ شیرازی



ضمیمہ مغرب کے تاجرانہ، ضمیمہ مشرق سے اہلبانہ
وہاں دیکھ لوں ہے لفظ لفظ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ
کنار دریا خضر نے مجھ سے کہا بہ انداز محسوس
سکندری ہو، تلسندری ہو یہ سب طریقے ہیں ساحر
حرف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایانِ خالق ہی
انہیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شوق نہ ہو سنسبت
غلام قوموں کے علم و سفلوں کی ہے یہی مر آشکا
زمین اگر تنگ ہے تو کیسے فضائے کردوں ہے لہ کرانہ
خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہو اسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

مری اسیری پہ شاخ گل نے کیسے صیاد کو زلایا
کہ ایسے پرسوز نغمہ خواں کا کراں نہ تھا مجھ پر آشیانہ



حاجت نہیں اے خطہ گل شرحِ نبیاں کی
تصویرِ ہمسائے دلِ پرخوں کی ہے لالہ
تقدیر ہے اک نامِ مکافاتِ عمل کا
دیتے ہیں یہ چینامِ خدایانِ ہمسالہ
سرمالی جواؤں میں ہے غریاں بدنِ اس کا
دیتا ہے ہنرِ جس کا امیسوں کو ویشاہ
اتیس دنہ رلھ دولتِ دنیا سے وفائی
زم اس کی طبیعت میں ہے مانندِ غزالہ





خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی
 حرام آتی ہے اس مردِ محراب پر زہ پوشی



اں سحرِ زمِ بلند اور اں سوزِ جگر اور
 شمشیرِ پدرِ خواہی بازو سے پدر اور





غریب شہر ہوں میں بسن تو لے مری فریاد
 کہ تیرے سینے میں بھی ہیں قیامتیں آباد
 مری نوائے غم کو دے ہمت سماع عزیز
 جہاں میں غم نہیں دولتِ دلِ ناشاد
 گھر ہے مجھ کو زمانے کی کور و قی سے
 سمجھتا ہے مری محنت کو محنتِ فرماو
 ”صدائے تیشہ کہ بر سنگ میخورد و لکڑا است
 خبر بگیر کہ آوازِ تیشہ و جگر است“

۷۵۲

اصنافِ مہمان

۶۰

✽ صدائے تیشہ الخ یہ شعر مرزا جانجناں منگھتہ علیہ الرحمۃ کے

مشہور بیاضِ حشریۃ جاہر میں ہے

سکر جیدی صدر اسم حیدر بادکن کے نام

یوم اقبال کے موقع پر توش خانہ رضوان نظام کی طرف سے جو صاحب عظم
کے ماتحت ہے ایک ہزار روپے کا چیک بطور توجہ موصول ہونے پر

تھانہ اللہ کا منہاں کہ شکوہ پرویز
دوستدار کو کہ ہیں اس میں ملو کا نہ صفا
مجھ سے منہ مایا کہ لے اور شہنشاہی کر
حسن تدبیر سے دے آئی وفائی کو ثبت
نیں تو اس بار امانت کو اٹھانا سر دوش
کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند بیت
غیرت فہم کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے ہے میری خدائی کی زکا



حُ سین احمد

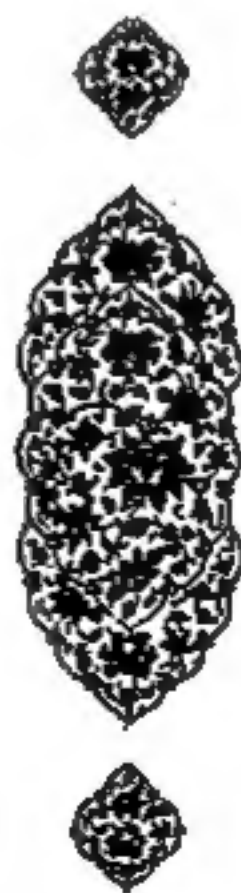
عجم هنوز نداند رموزِ دین، ورنہ
ز دیوبند حسین احمد! این چه بواجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محبتِ عربی است
بصطفتی برساں خویش را کہ دین ہمہ است
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

حضرت انس

جہاں میں دشن و بیدش کی ہے کس و جد ازانی
کوئی شے چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی
کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
نمایاں ہیں فرشتوں کے متبسم ہاتے پہنانی

یہ دنیا دعوتِ دیدار ہے من زنداوم کو
 کہ ہر ستور کو بخشا کیا ہے ذوقِ عسائی
 یہی من زنداوم ہے کہ جس کے اشکِ خمیں سے
 کیا ہے حضرتِ نبواں نے دریاؤںِ مٹوانی
 فلک کے کیا خبیر خالداں کس کاشی سے
 غرضِ انجم سے ہے کس کے شہستان کی گہائی

اگر مقصودِ کل میں ہوں تو مجھ سے ماورا کیا ہے
 مرے ہر سنگا مرہ ہاتے تو بہ نو کی انتہا کیا ہے





۷۵۶
افغان مجاز
۶۴